اللہ والے

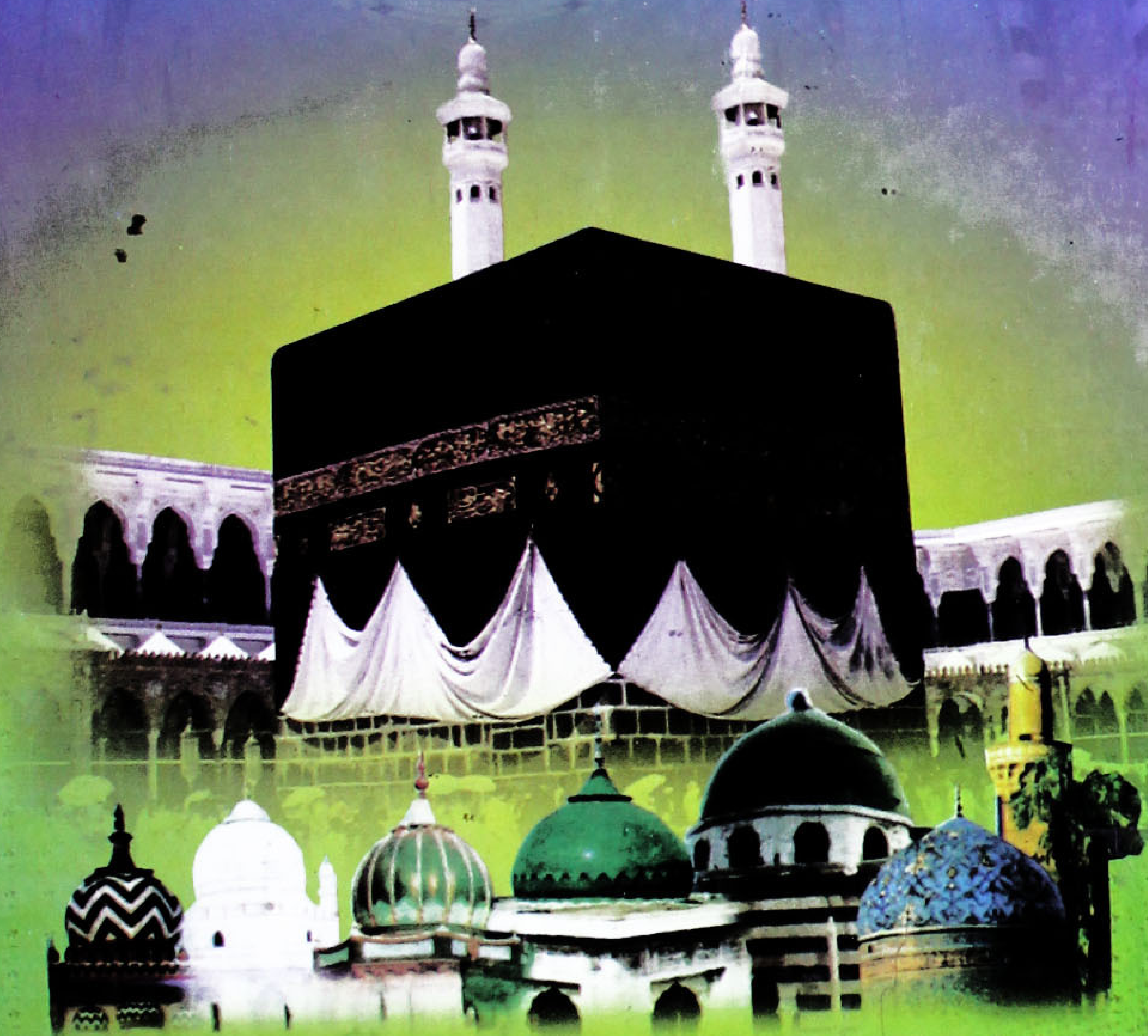

ناشر
اکبر بک سیلرز لاہور

ڈاکٹر ظہور الحسن شارب

Marfat.com

اللہ والے

مؤلف

ڈاکٹر ظہور الحسن شارب

ناشر
اکبر بک سیلرز لاہور
زبیدہ سنٹر 40 اردو بازار لاہور

Marfat.com

111520

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب .... اللہ والے
مولف .... ڈاکٹر ظہور الحسن شارب
صفحات 240
اشاعت 2006ء
تعداد 600
ڈیزائن .... یوسف گرافکس
ناشر .... اکبر بک سیلرز
قیمت .... -/90 روپے

ملنے کا پتہ

اکبر بُک سیلرز لاہور
زبیدہ سنٹر 40 اردو بازار لاہور

Marfat.com

فہرست

1	پیش لفظ	4
2	حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ	5
3	حضرت ابوالقاسم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ	19
4	حضرت عبداللہ حفیف رحمۃ اللہ علیہ	44
5	حضرت ابوداؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ	70
6	حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ	101
7	حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ	130
8	حضرت فخرالدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ	156
9	حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ	177
10	حضرت صاحب شاہ آغا محمد رحمۃ اللہ علیہ	206
11	جنگ یمامہ	231
12	حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ	234

Marfat.com

پیش لفظ

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اولیائے کرام کے مقام اور ان سے تعلق کے بارے میں فرمایا تھا کہ۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزے نہ شد

زیر نظر کتاب میں بزرگان دین کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں۔ ان کے خصائل، مذہبی و روحانی جذبات اور تعلیمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان کی باتیں اور کرامات درج ہیں۔ جو یقیناً ہمارے لئے روحانی طور پر مشعل راہ بن سکتی ہیں۔ یوں بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم ان برگزیدہ ہستیوں کے نقش قدم پر چلیں اور ان کی دینی خدمات کو فراموش نہ کریں کیونکہ یہ ہمارا دینی سرمایہ ہیں۔

احقر العباد
''ڈاکٹر ظہور الحسن شارب''

Marfat.com

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

ان کی حکومت عوام اور خواص کے دلوں پر تھی، پھر وہ بادشاہ وقت کے آگے سر کیوں جھکاتے؟ وہ خود حاجت روا تھے، پھر وہ کسی سلطان کو حاجت روا کیوں مانتے؟ وہ خدا کے محبوب تھے، پھر وہ کسی فرماں روا کے جبر واستبداد سے کیوں ڈرتے؟

سلطان علاؤ الدین خلجی کو لوگوں نے بھڑکایا کہ حضرت نے عوام وخواص کو اپنا بندہ بے دام بنا رکھا ہے اور ان کا بڑھتا ہوا اقتدار اس کی حکومت کے لئے خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔ سلطان نے یہ جاننے کے لئے کہ حضرت کو جاہ مرتبہ سے دل چسپی ہے یا نہیں، حضرت کی خدمت میں ایک خط بھیجا جس میں اس نے لکھا۔

...... میری یہ استدعا ہے کہ جب امور مملکت میں کوئی مشکل مسئلہ پیش آئے تو مجھ کو حضرت اس امر کی اجازت مرحمت فرمائیں کہ اس مسئلہ کو حضرت کے روبرو پیش کروں تا کہ حضرت از راہ کرم اس کا معقول حل اور تدبیر مجھ کو بتائیں۔

سلطان علاؤ الدین خلجی رحمۃ اللہ علیہ کا عریضہ جب حضرت کو ملا تو حضرت نے کہلا بھیجا:

''امور سلطنت بادشاہ جانیں میں ایک درویش ہوں۔ مجھے سلطنت کے معاملات سے کیا دلچسپی، اور مجھے بادشاہوں کے کام سے کیا سروکار؟ میں تو الگ تھلگ، شہر سے باہر ایک گوشہ میں پڑا ہوں بادشاہ جانے اور بادشاہ کا کام---

اگر اسی قسم کی کوئی بات پھر بادشاہ نے مجھ سے کہلوائی تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ خدا کی زمین بہت کشادہ ہے۔''

علاؤ الدین خلجی رحمۃ اللہ علیہ کو جب یہ جواب ملا تو اس کو یقین ہو گیا کہ آپ ایک برگزیدہ درویش ہیں اور حضرت کو اقتدار، طاقت اور اثر کی مطلق پروا اور طلب نہیں ہے۔ ں نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے اور گلہائے عقیدت پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ حضرت نے اس بات کو بھی پسند نہیں فرمایا اور یہ کہلا بھیجا:

''اس ضعیف خانقاہ میں دو دروازے ہیں۔ اگر بادشاہ ایک سے داخل ہوگا تو یہ فقیر

Marfat.com

دوسرے دروازے سے نکل جائے گا۔''

جابر ترین بادشاہوں کو خاطر میں نہ لانے والے یہ روحانی تاجدار تھے سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ جنہیں محبوب الٰہی ہونے کا شرف حاصل ہے۔

حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگوار خواجہ علی احمد غزنی سے ہندوستان آ کر شہر بدایوں میں متوطن ہوئے، جہاں پر ماہ صفر ۶۳۶ھ میں حضرت پیدا ہوئے، ابھی آپ پانچ برس ہی کے تھے کہ شیخ علی احمد بخاری کا انتقال ہو گیا۔ تب آپ کی مادر مہربان سیدہ بی بی زلیخا نے آپ کی پرورش اپنے ذمے لے لی، آپ کو ابتدائی تعلیم دی اور دل میں علم کا شوق پیدا کیا۔ یہ دین دار خاتون سوت کات کر بیچتی تھیں۔ اور اس سے جو کچھ معاوضہ ملتا اس سے گزر بسر کرتی تھیں۔ بارہا فاقوں تک نوبت آئی ایسے حالات میں اس زاہد خاتون نے کم سن فرزند کو سمجھایا، نظام الدین آج ہم اللہ کے مہمان ہیں۔ ایسے حالات میں قابل فخر بیٹا مسرور ہوتا دوسرے وقت انہیں کھانے کو تو مل جاتا مگر اس وقت تک انتظار کرتا رہتا جب ماں پھر یہی بات کہیں۔ یہ ماں کی اعلیٰ تربیت کا ہی نتیجہ تھا کہ سولہ برس کی عمر میں حضرت علوم دین میں کامل ہو گئے اسی برس محنتی ماں نے شہر بھر کے علماء و فضلاء کو جمع کر کے اپنے ہاتھ سے بنے ہوئے سوت کی دستار حضرت کے سر پر باندھی اور حضرت بدایوں سے دہلی آ کر شمس الملک مولانا شمس الدین خوارزمی سے استفادہ کرنے لگے۔ مولانا خوارزمی ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے۔ ان ہی دنوں حضرت کی ملاقات شیخ نجیب الدین سے ہوئی جو حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے برادر خورد تھے۔ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ اکثر ہوتا رہتا تھا اور حضرت بھی سنتے تھے یہ تذکرے سن سن کر حضرت کے دل میں آتش شوق بھڑک اٹھی۔ حضرت خود اپنی اس دور کی کیفیت اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

''...... الغرض جب شیخ اسلام حضرت شیخ فرید الدین قدس سرہ کے مناقب میں نے سنے تو میرے دل میں محبت، ارادت اور صدق قائم ہو گیا۔ چنانچہ ہر نماز کے بعد دس مرتبہ شیخ فرید الدین کہا کرتا۔''

Marfat.com

حضرت کے شوق و اشتیاق اور عقیدت میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔ آپ رات کو جامع مسجد میں رہتے تھے۔ ایک دن صبح کے وقت موذن نے مینارہ پر چڑھ کر اذان دی اور یہ آیت پڑھی۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ○

ترجمہ: (کیا مومنوں کے واسطے وہ وقت نہیں آیا ہے، کہ ان کے دل ذکر الٰہی کے واسطے جھک جائیں؟)

حضرت نے جب یہ آیت سنی تو آپ پر یہ خاص کیفیت طاری ہوئی۔ آپ کے حال میں ایک نمایاں تبدیلی واقع ہوئی انوار الٰہی کی تجلیاں آپ پر ظاہر ہوئیں۔ دنیا کی محبت اور جاہ و منصب کی آرزو آپ کے دل سے یک سر جاتی رہی۔ شوق بے پناہ آپ پر اس قدر غالب ہوا کہ آپ بغیر کسی ارادہ کے والہانہ انداز میں اجودھن روانہ ہو گئے ہانسی پہنچ کر آپ قافلہ کے ساتھ ہو لئے۔ قافلہ کا سردار حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا معتقد و منقاد تھا۔ راستے میں جب کوئی خطرہ محسوس کرتا تو وہ کھڑا ہو جاتا اور حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ سے امداد کا طالب ہوتا اور بلند آواز سے کہتا:

حضرت پیر دستگیر شفیع وقت ما باش

ترجمہ۔ ''اے حضرت پیر دستگیر ہمارے شفیع وقت رہیں گے''

حضرت سے نہ رہا گیا۔ قافلے کے سردار سے دریافت کیا:؟

''آخر یہ تو بتاؤ کہ تمہارے پیرو دستگیر کون ہیں جن کو تم پکارتے ہو اور جس کی امداد خطرے کے وقت تم طلب کرتے ہو۔''

قافلہ کے سالار نے جواب دیا:

''تعجب ہے کہ تم ایسی شہرہ آفاق ہستی کو نہیں جانتے۔ ان کی کرامت اور دستگیری تو عالم میں مشہور ہے۔ ان کا فیض عام ہے تم ان کا نام معلوم کرنا چاہتے ہو تو سنو، میرے پیر قطب العالم شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ہیں میں ان ہی کو یاد کرتا ہوں اور ان ہی کی امداد طلب کرتا

Marfat.com

ہوں مجھے پورا پورا یقین ہے کہ وہ میری فریاد سنتے ہیں اور پورا بھروسہ ہے کہ وہ میری ہر حالت میں دستگیری فرمائیں گے۔''

یہ سن کر حضرت کی عقیدت میں اور اضافہ ہو گیا۔

اجودھن کے راستے میں سرسہ پڑتا تھا، سرسہ سے ایک راستہ ملتان کو اور دوسرا راستہ اجودن کو جاتا تھا۔ آپ اسی سوچ بچار میں تھے کہ کون سا راستہ لیں، آیا ملتان جائیں یا اجودن پہنچیں اس سوچ بچار میں تین دن گزر گئے۔ تیسرے دن رات کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زیارت سے آپ مشرف ہوئے سرور عالم ﷺ نے حکم دیا۔ اے نظام الدین! اجودھن کا راستہ پکڑو'' یہ حکم پانے کے بعد پس و پیش کی گنجائش نہ تھی۔

آپ نے تمام اوراد و وظائف سوائے فرائض کے ترک کیے، اور فرید! فرید کہتے ہوئے والہانہ انداز میں اجودھن کی طرف روانہ ہوئے:

بدھ کے دن گیارہ جب المرجب ۶۵۵ھ میں حضرت اجودھن میں داخل ہوئے ظہر کی نماز کے بعد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا۔

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

(ترجمہ) اے کہ تیرے فراق کی آگ نے دلوں کو کباب کر دیا اور تیرے اشتیاق کے سیلاب نے جانوں کو خراب کر دیا۔

پھر حضرت بابا نے آپ کو یہ مژدہ سنایا:

''شاباش! خوب آئے۔ انشاء اللہ دین اور دنیا کی نعمتوں سے بہرہ مند ہو گئے''

اسی روز آپ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔

اس زمانے میں حضرت بابا رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر میں تمام درویش ایک ایک کام کرتے تھے۔ بدر

Marfat.com

الدین اسحاق رحمۃ اللہ علیہ جنگل سے ایندھن لاتے۔ شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ جنگلی پھل لاتے، حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا بلی پانی بھرتے اور برتن صاف کرتے۔ یہ دیکھ کر حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کھانا تیار کرنے کی ذمے داری لے لی اور شب بھر عبادت کرتے دن میں لنگر خانے میں کھانا پکارتے، ایک دن نمک نہ تھا اور اتفاق سے پیسے نہ تھے۔ لہذا حضرت ایک بنیئے سے نمک ادھار لائے، مگر جب دستر خوان بچھا اور تمام درویش حضرت بابا رحمۃ اللہ علیہ کی محبت میں کھانا کھانے بیٹھے تو حضرت بابا رحمۃ اللہ علیہ نے نوالہ ہاتھ میں لیتے ہی چھوڑ دیا اور فرمایا؟ ازیں بوئے اصراف می آید؟۔

حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''حضرت نمک قرض لایا ہوں''

تب حضرت بابا نے نصیحت فرمائی:

''درویش کے لئے فاقے سے مرجانا ادھار لینے سے بہتر ہے کیونکہ قیامت کے دن مقروض کی گردن جھکی رہے گی۔''

اس دن سے حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی ادھار نہ لینے کا عہد کیا۔

آپ نے اپنے پیرو مرشد کی خدمت بابرکت میں سات مہینے اور کچھ دن رہے اور فیوض باطنی سے مالا مال ہوئے جب آپ دہلی واپس جانے لگے تو حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وہ خرقہ خاص جوان کو خواجگان چشت سے پہنچا تھا آپ کو پہنایا اور اسی روز یعنی ۲ ربیع الاول ۶۵۶ھ کو آپ کو خلافت نامہ عطا فرما کر سرفراز فرمایا۔

''مولانا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو بحکم الٰہی میں نے ہندوستان کی ولایت بخشی اور اس ملک کو ان کی پناہ میں چھوڑ اور اپنا صاحب سجادہ کیا۔''

دہلی واپس تشریف لا کر حضرت ریاضت، عبادت اور مجاہدہ میں وقت گزارنے لگے۔

آپ نے غیاث پور میں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔

Marfat.com

حضرت کا اسم گرامی نظام الدین محمد تھا۔ مگر آپ محبوب الٰہی کے نام سے مشہور ہوئے،
اس کے لئے ایک بڑا عجیب واقعہ مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک شب آپ مطالعہ میں مصروف تھے اور آپ کی والدہ سورہی تھیں عالم خواب میں انہوں نے پانی مانگا تو حضرت اٹھے مگر جب آپ پانی کا کٹورا لے کر پاس پہنچے تو وہ سو چکی تھی۔ آپ متذبذب ہوئے کہ انہیں بے آرام کریں یا پانی نہ دے کر حکم عدولی، مگر طبیعت کسی بھی امر پر مائل نہ ہوئی، نہ انہیں بیدار کرنے کی جرات کر سکے نہ پانی واپس لے جانے کی یہاں تک کہ حضرت کو کھڑے کھڑے کئی گھنٹے گزر گئے کہ اچانک مہربان ماں کی آنکھ کھلی تو متعجب ہو کر بولیں۔

''نظام الدین کیا بات ہے؟''

حضرت نے کہا:

''اماں جان آپ نے پانی مانگا تھا''

یہ سن کر ماں بڑی متاثر ہوئیں مگر جب ان کے ہاتھ سے کٹورا لینا چاہا تو حیرت کی انتہا نہ رہی۔ کیونکہ سردی میں کئی گھنٹے تک پانی کا برتن تھامے رہنے سے حضرت کا ہاتھ کٹورے کے ساتھ جم کر سن ہو چکا تھا۔ تب عظیم ماں نے خدا کے حضور میں دعا کی کہ اس بچے کو اپنا محبوب بنائے رکھنا۔ تب سے حضرت محبوب الٰہی کہلائے۔

علاوہ ازیں حضرت آپ آخری مرتبہ اپنے مرشد حضرت فرید الدین کی زیارت کو گئے تو انہوں نے فرمایا تھا۔

''نظام الدین اللہ کے دوست! تو ایسے درخت کی مانند ہو گا جس کے سائے میں خدا کی مخلوق آرام کرتی ہے''

چنانچہ ماں اور مرشد کی دعائیں حرف بحرف درست ثابت ہوئیں، کیونکہ حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے دنیا نے فیض حاصل کیا۔

آپ کے لنگر خانے سے ہزاروں نادار روز کھانا کھاتے بیرونی ممالک سے آنے

Marfat.com

والے سیاح بھی حضرت کے در دولت پر قیام کرتے، مہینوں مہمان رہتے اور بوقت رخصت حضرت نہ صرف اپنے مہمانوں کو زادراہ بلکہ اشرفیاں بھی دیتے۔ زندگی بھر حضرت کا معمول رہا کہ آپ پہلے سب کو کھلاتے پھر خود تناول فرماتے مگر کبھی مرغن اور لذیذ غذا نہیں کھائی۔

آپ دن رات یاد الہی میں مصروف رہتے مگر پھر بھی دوسروں کے حال سے غافل نہ رہتے۔ البتہ بادشاہوں کے لئے حضرت کی طبیعت میں بڑی بے نیازی تھی۔ معزالدین کیقباد کو حضرت سے بڑا لگاؤ تھا۔ جب حضرت نے بے نیازی برتی تو اس نے حضرت کی قیام گاہ کے قریب اپنے لئے محل تعمیر کرایا، محض اس تمنا میں کہ کبھی حضور قدم رنجہ فرمائیں گے، مگر آپ نے وہاں کبھی جانا پسند نہ کیا، اس کے بعد جلال الدین خلجی اور پھر علاؤ الدین خلجی نے قرب حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ آخر علاؤ الدین نے اپنے فرزند خضر خان اور شادی خانکو حضور کی مریدی میں دے دیا، پھر حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کی کہ علاؤ الدین کے فرزند قطب الدین خاں نے خضر خان اور شادی خان کو قتل کرا کے سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ ان دنوں حضرت کے مطبخ کا خرچ غلہ وجنس کے علاوہ دو ہزار تنکہ تھا۔ یہ دیکھا کہ بادشاہ کو حیرت ہوئی اس نے چند لوگوں سے دریافت کیا کہ نظام الدین علیہ الرحمۃ کے پاس اتنی دولت کہاں سے آ گئی تب خوشامدی لوگوں نے بادشاہ کے کان بھرے اور کہا کہ امراء سلطانی زر شکرانہ و نذرانہ سے شیخ کی اعانت کرتے ہیں۔ بادشاہ کو یہ امر گوارا نہ تھا۔ اس نے اعلان کیا کہ جو شخص شیخ کے گھر جائے یا ان کی مدد کرے گا وہ مقہور ہوگا۔ یہ حکم سن کر حضرت نے غلام کو حکم دیا کہ آج سے خرچ مقررہ میں اضافہ کر دو اسی زمانے میں ایک تاجر کو رہزنوں نے لوٹ لیا وہ روتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے خادموں کو حکم دیا کہ فجر سے چاشت کے وقت تک جو بھی نذرانہ آئے اس غریب تاجر کے حوالے کر دو کہتے ہیں کہ بارہ ہزار تنکہ اس تاجر کو وصول ہوئے، اس قسم کی اطلاعات سن کر بادشاہ شرمندہ ہوا مگر چڑ کر حضرت کو حکم بھیجا کہ شیخ رکن الدین میری ملاقات کو آتے تھے۔ آپ بھی قدم رنجہ فرمائیں حضرت نے جواب دیا۔ میں گوشہ

Marfat.com

نشین ہوں۔ لہذا نہیں آ سکتا۔

اس کے جواب میں بادشاہ نے ان کی بڑھتی ہوئی عظمت کو ختم کرنے کے لئے حکم جاری کیا کہ دیگر علماء کی طرح دربار میں حاضری دیا کریں۔ یہ سن کر حضرت مسکرائے اور کہا۔

''قطب الدین سے کہو، بادشاہوں سے ملنا فقیروں کا دستور نہیں۔''

یہ سن کر بادشاہ سخت مشتعل ہوا اور حکم دیا کہ چاند کی فلاں تاریخ کو مجھ سے ملو ورنہ میں زبردستی کرنا بھی جانتا ہوں۔ یہ توہین آمیز بات سن کر حضرت کے عقیدت مندوں کو سخت طیش آیا مگر آپ تحمل سے بولے قطب الدین کو کہہ دو سب کچھ بدل سکتا ہے، فقیروں کے طریقے نہیں بدلتے۔

کہتے ہیں کہ اس شب قطب الدین جو واقعی سختی پر آمادہ تھا اپنے نومسلم غلام خسرو خاں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

خلجیوں کے بعد تغلقوں کا دور آیا۔ غیاث الدین تغلق امور سلطنت کی طرف راغب ہوا اس نے ایک مذہبی مجلس قائم کی تاکہ مسائل دین پر تبادلہ خیال ہو سکے اس میں سماع کا مسئلہ پیش کیا۔ کچھ شرارت پسندوں نے بادشاہ کو حضرت کے خلاف بھڑکایا لہذا بادشاہ نے حضرت کو اس محفل میں آنے اور سماع کے بارے میں اظہار خیال کی دعوت دی، کہتے ہیں کہ اس وقت حضرتؒ نے اس مسئلہ پر ایسی مدلل تقریر کی کہ بادشاہ کے ہوش اڑ گئے اس دن سے وہ حضرت کے وجود کو دہلی میں اپنی ذات کے لئے باعث شکست سمجھنے لگا لیکن ابھی وہ کوئی حکم جاری کرنے نہ پایا تھا کہ بنگالہ کی مہم پر چلا گیا۔ اس سے فارغ ہو کر دہلی کی طرف پلٹا تو اسے یاد آیا کہ حضرت وہاں موجود ہیں جنہیں وہ برداشت نہ کر سکتا تھا۔ یہ سوچ کر اس نے حضرت کو قاصد کے ذریعے حکم دیا۔ نظام الدین میرے دہلی پہنچنے سے پہلے شہر چھوڑ دو۔

مگر حضرت اپنی مصروفیات میں مشغول رہے جب مریدوں کو پتہ چلا کہ بادشاہ دہلی کی طرف آرہا ہے اور اب فاصلہ بہت کم رہ گیا ہے تو انہوں نے حضرت کی توجہ دلائی آپ نے

Marfat.com

بے پروائی سے کہا ہنوز دلی دوراست اسی دوران بادشاہ نے پھر حکم بھیجا۔ آپ نے اسے بھی یہ جواب کہلوا دیا۔ یہاں تک کہ بادشاہ کے ولی عہد نے بادشاہ کے استقبال کے لئے بڑی دھوم دھام سے تیاری کی اور دہلی سے دو میل دور ایک چوبی محل تیار کرایا جہاں بادشاہ کے قیام و ضیافت کا انتظام کیا مگر جب غیاث الدین تغلق اس محل میں داخل ہوا تو چھت گر گئی اور وہ مر گیا جب ہی سے ہنوز دلی دوراست'' کہاوت بن گئی۔

تغلقوں کے بعد مغلوں کا دور آیا لیکن مغل شہنشاہوں نے حضرت کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا۔ شاہان ہند میں سے مغلوں نے سب سے زیادہ نذرانے اور ہدیے حضرت کی خدمت میں بھیجے بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں مگر حضرت نے وصول کرنے سے گریز کیا اور سختی سے کہلا بھیجا۔

ہم فقیر ں کو زیب نہیں دیتا کہ جاگیردار بنیں۔ ہمارے ضرورتوں کو پورا کرنے والا اللہ ہے۔ ہم نے اسی پر توکل کیا اور اسی سے طلب تے ہیں۔

حضرت نے علائق دنیا سے اس حد تک تعلق توڑا کہ نہ کوئی گھر بنایا نہ دولت جمع کی۔ وہ اپنا تمام وقت عبادت و دعوت حق میں گزارتے، لنگر نے سے ہزاروں افراد پیٹ بھرتے، امیر و غریب، عالم و جاہل اور خاص و عام سب ہی خدمت میں حاضر رہتے۔ آپ انہیں اسلام کی تعلیم دیتے، سابقہ گناہوں پر توبہ کراتے اور اگر پھر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا تو پھر سے توبہ کروا کے تجدید بیعت کراتے اس سے لوگوں میں مذہب عام ہوا۔ غیر مسلم مسلمان اور مسلمان باعمل بننے لگے۔ لوگوں کے ذہنوں میں انقلاب آنے لگا۔ بادشاہوں کو ان کے اثر و اقتدار سے خوف ہونے لگا۔

حضرت صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے، مگر ان کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ ایک نظر میں شر کو خیر میں بدل دیتے تھے۔

کہتے ہیں ایک مرید نے ایک مرتبہ محفل سماع منعقد کی ساتھ ہی ضیافت کا بھی انتظام

Marfat.com

تھا۔ مگر جوں ہی راگ شروع ہوا بہت سے لوگ بن بلائے جمع ہو گئے یہاں تک کہ بوقت طعام ہزاروں آدمی آچکے تھے اور کھانا صرف پچاس آدمیوں کا تھا۔ اب تو وہ میزبان مرید سخت مضطرب ہوئے لیکن حضرت نے نور باطنی سے صورت حال کا اندازہ لگایا اور اپنے خادم کو بلا کر حکم دیا۔ مبشر! دس دس مہمانوں کو یک جا بٹھاؤ اور بسم اللہ پڑھ کر ایک ایک روٹی کے چار چار ٹکڑے کر کے سب کے سامنے پیش کرو خادم نے یہی کیا دس دس مہمان جمع ہو کر کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ تمام مہمانوں نے سیر ہو کر کھانا کھایا اور کافی کھانا بچ رہا۔

قصبہ سرساوہ میں ایک دانش مند۔ کے گھر آگ لگ گئی اور دیگر اسباب کے ساتھ فرمان املاک بھی نذر آتش ہو گیا وہ دہلی آیا اور بڑی مدت عدالت و کچہری کے چکر کاٹنے کے بعد دوسرا فرمان حاصل کر لیا، مگر جوں ہی اسے لے کر روانہ ہوا۔ وہ کسی طرح بغل میں سے گر کر گم ہو گیا۔ وہ بڑا متردد ہوا ہزار چاہا کہ تیسرا فرمان جاری کرالے مگر ناکام رہا۔ بار بار کوشش کی مگر بے سود، ایک دن بہت سے لوگوں کے ساتھ وہ بھی حضرت کی صحبت میں بیٹھا ہوا تھا کہ یہ ذکر نکلا۔ تب اس نے بڑی پریشانی کے عالم میں اپنی روداد سنائی۔ حضرت نے فرمایا اللہ سے دعا کرو کہ وہ فرمان مل جائے تو تم میرے مرشد حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو حلوے سے ثواب پہنچاؤ گے اس شخص نے دعا کی تو حضرت بولے جاؤ، ابھی جاؤ اور فلاں حلوائی سے حلوہ خرید کر لے آؤ۔ یہ شخص بازار گیا اور حضرت کے بتائے ہوئے حلوائی سے حلوہ طلب کیا پھر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب اس نے دیکھا کہ حلوائی نے جس کاغذ میں حلوہ باندھ کر دیا، یہ وہی گم شدہ فرمان تھا۔

کہتے ہیں کہ امیر خسروؒ کسی کی بیعت کے لئے تیار نہ ہوتے اور جب کبھی یہ ذکر ہوتا اپنے بزرگوں سے کہتے میں اپنے رہنما کا انتخاب خود کروں گا ایک مرتبہ وہ اپنے نانا کے ساتھ حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ پر گئے مگر انہوں نے اندر جانے سے انکار کر دیا اور باہر ہی بیٹھ کر انتظار کرنے لگے، اچانک ان کے ذہن میں آیا کہ حضرت کی خدمت میں شعر لکھ کر

Marfat.com

بھیجیں تب انہوں نے دو شعر موضوع کیے:

تو آں شاہے کہ بر ایوان قصرت کبوتر گر نشانید باز گردد!

غریبے مستندے بردر آمد بیاید اندروں یا باز گردد

لیکن ابھی حضرت امیر خسروؒ یہ اشعار موضوع کر ہی رہے تھے کہ حضرت نظام الدین نے ان کا جواب لکھ کر بھیج دیا اور تحریر فرمایا:

بیاید اندرون مرد حقیقت کہ باما یک نفس ہم راز گردد

اگر ابلہ بود آں مرد ناداں ازاں را ہے کہ آمد باز گردد

اس وقت حضرت امیر خسروؒ کی یہ حالت ہوئی کہ دوڑ کر خانقاہ کے اندر چلے گئے اور حضرت کی قدم بوسی کی اور مرید ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ آپ کے مزاج میں اس درجہ عفو و درگزر تھا کہ ایک شخص روزانہ آتا اور آپ کو گالیاں دیتا لیکن آپ ہر بار جاتے وقت اسے ایک اشرفی دیتے۔ ایک دن لوگوں نے اس شخص کو غیرت دلائی تو اس شخص نے گالیاں دینی چھوڑ دیں اور حضرت کی خدمت میں آ کر خاموش بیٹھ گیا۔ تب آپ دیر تک انتظار کرتے رہے مگر اس نے بدکلامی نہ کی تو آپ نے اشرفی اٹھا کر اسے دی اور بولے" ہم نے تمہارا وظیفہ دے دیا ہے تم بھی ہمارا حق ہمیں دے دو۔" یہ سن کو وہ سخت شرمندہ ہوا چند دن بعد آپ کو اس کی وفات کی خبر ملی تو آپ اس کی قبر پر گئے اور اس کے لئے دعائے مغفرت کی۔

حضرت کو سماع کا بہت شوق تھا

حضرت سخاوت، عفو و درگزر، تحمل و بردباری، انسان دوستی، عبادت و ریاضت، خلوص و اعتقاد میں یکتائے زمانہ تھے۔

آپ نے اپنے پیر و مرشد حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات ایک کتاب میں جمع کئے، اس کتاب کا نام "راحت القلوب" ہے۔

حضرت کو شعر و شاعری کا بھی شوق تھا حضرت کا تخلص نظام ہے حضرت کی ایک نعت

Marfat.com

حضرت کے مذاقِ سخن کی آئینہ دار ہے۔

آپ کی عظمت بزرگی اور برگزیدگی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ پانی پتی فرماتے ہیں کہ میں نے پہلے، دوسرے اور تیسرے آسمان پر آپ کو مصلے پر کھڑا دیکھا۔ پھر باقی ستر حجابات میں سے پچاس حجابات طے کئے، وہاں بھی حضرت کو سفید مصلے پر کھڑا دیکھا۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ نے آپ کے متعلق یہ بات بتائی کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت محبوب الٰہیؒ کو دس قطبوں کی قوت سے سرفراز فرمایا ہے۔

حضرت نے فرمایا۔

''مرد کے لئے کشف وکرامات بمنزل حجاب ہیں۔ استقامت کا کام محبت ہے''

صبر کے متعلق حضرت نے فرمایا:

''صبر اس بات کا نام ہے کہ جب کوئی خلاف طبع بات بندے کو پہنچے تو اس کی شکایت نہ کرے، لیکن رضا اس بات کا نام ہے کہ اس مصیبت سے کسی طرح کی کراہیت نہ ہو، گویا اس پر نازل ہی نہیں ہوئی

حضرت فرماتے ہیں:

درویشی حسین راحت ہے۔ کام کا انجام ہی درویشی ہے۔ ہر کام کی ملازمت پھل دیتی ہے۔

آدمی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس کی نگاہ میں تمام خلقت مچھر سے بھی کم حقیقت معلوم نہ ہو،

اصل دانائی یہ ہے کہ دنیا کو ترک کیا جائے۔

ایک مدت تک رشد وہدایت کا منصب پورا فرمانے کے بعد حضرت کو رفیق اعلیٰ سے ملنے کی خواہش ہوئی۔ چار مہینے اور کچھ دن بیمار رہے۔ وفات سے تین مہینے پہلے آپ نے دس مریدوں کو خلافت عطا کر کے سرفراز فرمایا۔

Marfat.com

وفات سے چالیس روز قبل حضرت نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا۔ حضرت اس قدر روتے تھے کہ کسی وقت بھی آنسو خشک نہ ہوتے تھے آخری ایام میں یہ مصرعہ وردِ زبان تھا---

''می رویم و می رویم و می رویم''

''ہم جاتے ہیں ہم جاتے ہیں ہم جاتے ہیں''

ایک دن حضرت نے اپنے خادم اقبال کو حکم دیا کہ خانقاہ میں کوئی چیز نہ رہے جو غلہ رکھا ہوا تھا وہ بھی غرباء فقراء اور مساکین کو تقسیم کرا دیا۔

حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے حضرت شیخ رکن الدین ابو الفتح رحمۃ اللہ علیہ حضرت کی عیادت کو تشریف لائے آپ اتنے کمزور تھے کہ اٹھ بیٹھ نہ سکتے تھے۔ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ نے آپ سے کہا:

'' آپ اپنی صحت کے لئے دعا کریں، تا کہ جو مرید اب تک کمال حاصل نہیں کر سکے ہیں وہ بھی درجہ کمال کو پہنچ جائیں۔''

حضرت نے ان کو جواب دیا:

'' میں نے کئی بار جناب رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے اور خواب میں دیکھا ہے کہ فرماتے ہیں نظام تمہارا اشتیاق بہت کم ہے۔''

یہ جواب سن کر حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ رونے لگے۔

وقت وفات جب قریب پہنچا تو حضرت مولانا برہان الدینؒ غریب کو ایک مصلیٰ خاص، دستار اور پیرہن عطا فرما کر دکن جانے کی ہدایت فرمائی۔

شیخ یعقوب کو ایک دستار، پیرہن اور مصلیٰ عطا فرما کر گجرات جانے کی ہدایت فرمائی۔

مولانا شمس الدین یحییٰ اور مولانا جمال الدین خوارزمی کو بھی دستار، مصلیٰ اور پیرہن دے کر سرفراز فرمایا۔

سب کو تعجب تھا کہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کو یاد نہیں فرمایا۔ بدھ کے دن

Marfat.com

بعد نماز ظہر حضرت نے حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کو خدمت اقدس میں طلب فرمایا اور ان کو عصاء مصلیٰ، تسبیح، نعلین، خرقہ اور اپنے پیرو مرشد حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے دیگر تبرکات دے کر سرفراز اور ممتاز فرمایا۔

تبرکات عطا کرنے کے بعد حضرت نے حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

''تم کو شہر دہلی میں رہنا چاہئے اور لوگوں کی قضا جفا برداشت کرنا چاہئے''

حضرت چار مہینے اور کچھ دن بیمار رہ کر اٹھارہ ربیع الثانی ۷۲۵ھ بروز بدھ بعد طلوع آفتاب جوار رحمت میں داخل ہوئے۔

حضرت کے جنازے کی نماز شیخ الاسلام حضرت رکن الدین ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی وہ کہتے تھے:

''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے اسی غرض سے مجھے دہلی بلوایا تھا اور اسی وجہ سے دہلی میں روکا تھا۔ حضرت کی مرضی یہی تھی کہ میں ہی حضرت کے جنازے کی نماز پڑھاؤں''۔ جنازہ مبارک کو جب دفن کے واسطے لے جا رہے تھے تو قوالی ہو رہی تھی قوالوں نے جب شیخ سعدی شیرازیؒ کا یہ شعر پڑھا۔

اے تماشہ گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشہ می روی

تو جسم اقدس میں حرکت پیدا ہوئی حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً قوالی بند کرا دی۔ حضرت کا مزار پر انوار غیاث پور میں (دہلی کے قریب جس کو اب بستی حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں) واقع ہے اور فیوض و برکات کا سرچشمہ ہے۔

حضرت نے ایک مدت تک عالم کو سیراب کیا مردہ دلوں کو جان بخشی بے کسوں کو سہارا دیا حضرت نے جو پیغام صدیوں پہلے سنایا تھا وہ آج کل بھی فضاؤں میں گونج رہا ہے۔

عقل ۔ علم ۔ عشق

Marfat.com

حضرت ابو القاسم نیشا پوری رحمۃ اللہ علیہ

ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ کی خاموشی نے ان کے نیشا پوری ہم وطنوں کو اس پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ آپ کی عزت کریں۔ نیشا پور والوں کو اس کا اعتراف تھا کہ ابو القاسمؒ کی علمیت کا کوئی جواب نہیں وہ علم حدیث، تاریخ اور بعض دوسرے علوم پر اپنے عہد کے سب سے زیادہ لائق انسان تھے لوگ ان کے پاس آتے اور ان سے فیض حاصل کرتے لیکن آپ ان سے کم سے کم باتیں کر کے رخصت کر دیتے۔ پھر لوگوں نے یہ تبدیلی محسوس کی کہ آپ مطالعہ میں ہی مشغول رہتے تھے لیکن بعد میں آپ نے مطالعہ ترک کر دیا اور عبادت اور ریاضت میں مشغول ہو گئے اور عبادت اور ریاضت نے ان پر معلوم نہیں کیا اثر کیا کہ انہوں نے بات چیت بالکل ترک کر دی۔ پھر ایک دن انہوں نے اپنا سامان سفر اکٹھا کیا اور ایک قافلے کے ساتھ بغداد روانہ ہو گئے۔ قافلہ آگے چلا گیا مگر آپ بغداد ہی میں رک گئے۔ ان دنوں بغداد میں مشہور زمانہ صوفیائے کرام جمع تھے، جنید بغدادیؒ، ابو بکر شبلیؒ، حسین ابن منصور حلاجؒ اس طرح اور دوسرے نامی گرامی صوفیوں کے وجود سے بغداد اور اس کے گرد و پیش کی فضا منور تھی۔ یہاں ابو القاسمؒ کو ابو بکر شبلیؒ سے ارادت ہو گئی اور آپ ان کی صحبت میں رہنے لگے۔ شبلی، حسین ابن منصور حلاجؒ کی طرح مست اور نڈر انسان تھے ان کا اثر ابو القاسم میں بھی آ گیا۔ انہیں دوسرے صوفی سمجھاتے کہ دنیا ان کی صاف گوئی اور سچ کو برداشت نہیں کر سکے گی اس لئے وہ تصوف کی پر اسرار اور ناقابل فہم زبان استعمال کریں۔ پھر انہوں نے حسین ابن منصور حلاجؒ کا حشر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا جو انا الحق کا نعرہ لگا کے دار پر چڑھ گئے تھے۔ لیکن آپ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوتا آپ جواب میں کہتے:

"ہمارے لئے موت کی کیا حقیقت ہے، میں موت سے اس لئے نہیں ڈرتا کہ میں جسم کو اپنے لئے قید خانہ سمجھتا ہوں اور آدمی جب تک قید میں رہتا ہے پریشان اور اداس رہتا ہے اس طرح میں بھی جب تک جسم کی قید میں ہوں اداس اور پریشان رہوں گا۔"

شبلی نے لوگوں کو منع کیا" کہ ابو القاسم کو نصیحتیں مت کرو کیونکہ تم ان کے مقام

Marfat.com

اور مرتبے سے لاعلم ہو، ان کے سامنے تمہاری حیثیت وہی ہے جیسی کسی عالم کے سامنے جاہلوں کی۔''

لوگوں نے آپ سے بولنا ترک کر دیا۔

ایک دن آپ نے کسی واعظ کی تقریر سنی جو اپنے سامعین کو بتا رہا تھا'' کہ نیکیاں کرو، عبادت کرو کیونکہ اس کا اجر تمہیں اس دنیا میں ملے یا نہ ملے لیکن دوسری دنیا میں تم مالا مال کر دیئے جاؤ گے اور وہاں ایک ایک کے عوض ستر ستر پاؤ گے۔''

آپ نے واعظ کے پاس جا کے اسے ڈانٹ دیا، کہا'' یہ تو انسانوں کو صحیح راہ دکھا رہا ہے یا انہیں تاجر بنا رہا ہے'' اس کے بعد آپ نے لوگوں سے کہا۔'' لوگو! تم اس کی باتوں میں ہرگز نہ آنا۔ تم نیکیاں کرو، لیکن اپنے دل میں یہ خیال ہرگز نہ لاؤ کہ ان نیکیوں اور عبادت کے عوض تمہیں ایک ایک کی جگہ ستر ستر ملیں گی۔''

واعظ نے غصے میں کہا'' تو کون ہے جو انسانوں کو گمراہ کرنے آ گیا۔''

آپ نے جواب دیا۔'' میرا نام ابوالقاسم ہے اور میں نصر آباد خراسان کا رہنے والا ہوں یہاں ابو بکر شبلی کے مریدوں میں داخل ہو گیا ہوں۔''

واعظ نے کہا'' تیرا مرشد ابو بکر شبلی بھی ایسی ہی باتیں کرتا ہے، میں تجھے مشورہ دیتا ہوں کہ تو ان کی پیروی چھوڑ دے اور اپنے ہوش و حواس میں رہ، ورنہ اللہ تجھے وہی سزا دے گا جو اس نے منصور حلاج کو دی ہے۔''

آپ نے ہنس کر جواب دیا'' خوب، تو تو مجھے اس اذیت سے ڈرا رہا ہے۔ جس سے حسین ابن منصور حلاج ہنستے کھیلتے گزر گیا، حالانکہ تجھے اپنی ان باتوں سے ڈرنا چاہئے کہ تو انسانوں کو جنت اور حوروں کا لالچ دے دے کر خدا سے غافل کر رہا ہے اور میں نے کسی لالچی کو سرسبز و شاداب نہیں دیکھا، نہ وہ اس دنیا میں خوش رہتے ہیں اور نہ اس دنیا میں خوش رہیں گے۔''

واعظ کو غصہ آ گیا، ہجوم سے کہا۔'' تم لوگ خاموش کیوں ہو؟ یہ ایک بے دین

Marfat.com

ہم میں گھس آیا ہے اسے دھکے دے کر نکال دو۔''

مجمع میں سے چند طاقتور جوش وخروش میں آپ کی طرف بڑھے آپ نے ان کے تیور ہی سے یہ اندازہ لگا لیا کہ وہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کریں گے ان سے فرمایا۔''اگر تم اپنی عاقبت خراب کرانا چاہتے ہو تو میرے ساتھ نازیبا سلوک کرو، ورنہ مجھے اس فضول گوئی کرنے والے سے نپٹنے دو۔ اگر یہ سچا ہے اور میں جھوٹا ہوں تو اس حق کے داعی کو مجھ جھوٹے کے ساتھ زدوکوب میں پہل کرنی چاہئے تم اس کے آلہ کار کیوں بن رہے ہو؟''

ان میں سے ایک نے کہا'' تو جناب واعظ کی تقریر میں خلل ڈالنے والا کون ہوتا ہے۔''

آپ نے جواب دیا۔'' جس خدا نے اسے لوگوں کی اصلاح اور فلاح کے لئے پیدا کیا ہے، اس خدا نے مجھے اس پر مامور کیا ہے کہ میں اس کی غلط بیانی پر اسے ٹوکتا رہوں۔''

واعظ نے چیخ کر کہا۔'' یہ صوفی حضرات دین میں خلل ڈال رہے ہیں اسے اس مجلس سے نکال دو۔''

لوگوں نے مشتعل ہو کر آپ کو پکڑ کر مارنا پیٹنا شروع کر دیا اور کچھ نے آپ کو ہاتھوں پیروں سے پکڑ کر اٹھا لیا اور باہر سڑک پر پھینک آئے۔ آپ نے آسمان کی طرف دیکھا اور خدا سے شکایتاً کہا۔'' کیا تو خود بھی یہی چاہتا ہے کہ لوگ تیرے بجائے حور اور قصور کی محبت میں مبتلا رہیں؟ آخر تو ان واعظوں کی زبان سے اثر چھین کیوں نہیں لیتا۔۔۔''

آپ اپنے پیرومرشد ابوبکر شبلی کے پاس گئے اور لوگوں کے اس سلوک کا ذکر کیا۔ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔'' ابوالقاسم! یہ تو کوئی بات نہیں، یہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں، جس سے حسین ابن منصور گزر چکا ہے۔ جاؤ ان لوگوں میں واپس جاؤ، جہاں ملامتوں کے سوا کچھ بھی نہیں، جب جھوٹا واعظ اپنے جھوٹ پر شرمندہ نہیں ہے تو تم اپنے حق پر کیوں شرمندگی محسوس کر رہے ہو۔''

Marfat.com

ابوالقاسمؒ اپنے پیرومرشد کی جھڑکی سن کر باہر نکل گئے۔

لوگوں میں آپ کی اس بات کا بڑا شہرہ ہو رہا تھا کہ آپ موقع مصلحت کے بغیر ہی صاف صاف بات کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

لیکن اب آپ نے کسی کی پردہ کرنا بالکل چھوڑ دیا تھا۔

حج کا زمانہ قریب تھا لوگ قافلوں کی شکل میں مکہ معظمہ کی طرف بھاگے چلے جا رہے تھے۔ ایسے ہی ایک قافلے میں آپ بھی شامل ہو گئے اور حج کے لئے چل پڑے آپ راستے بھر خاموش رہے۔ اگر کسی نے آپ سے بات چیت کرنے کی کوشش بھی کی تو آپ نے اس کی کسی بات کا جواب ہی نہ دیا۔ یہاں تک کہ آپ خانہ کعبہ تک پہنچ گئے آپ نے ... میں کچھ لوگوں کو مصروف گفتگو دیکھا۔ یہ چند آدمی بھی حور و قصور اور جنت دوزخ کی باتوں میں الجھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک صاحب کہہ رہے تھے "ایک حج کر لیا ہے اس طرح اب تک میرے تین حج ہو چکے ہیں۔ اللہ نے چاہا اور زندگی رہی تو پانچ حج اور ادا کروں گا اور پھر دیکھوں گا کہ خدا میرے گناہوں کو کس طرح نہیں معاف کرتا۔"

دوسرے نے کہا۔" میں تو حج کے ساتھ ہی خدا کے نام پر دیتا دلاتا رہتا ہوں اور اس طرح میں نے اپنے اعمال نامہ میں اتنی نیکیاں اور اتنے ثواب درج کرا لئے ہیں کہ اب مجھے دوزخ کا دھڑکا ہی نہیں رہا۔ اب میں بڑے اطمینان سے مر سکوں گا۔"

تیسرے صاحب نے بڑے وثوق اور اعتماد سے کہا۔" میں نے حرم کعبہ میں اب تک پچاس ہزار نوافل اور سو قرآن پاک پڑھے ہیں اس لئے مجھے یقین ہے کہ خدا مجھے جنت میں کوئی اعلیٰ مقام ضرور دے گا اور حوریں میرے انتظار میں ہوں گی۔"

چوتھے نے عرض کیا۔" جناب آپ لوگ اپنی اپنی تو کہہ چکے میری بھی تو سنئے، خدا گواہ ہے کہ میں نے جنت کے حسین تصور میں ہر وہ کام کیا ہے جس سے میں حور و قصور کا مستحق ٹھہروں۔ واہ کیا شے ہو گی جنت بھی، دودھ کی نہریں، شہد کے حوض اور بے مثال حسن رکھنے والی حوریں کہ اگر ان کا ہماری عورتوں پر پرتو ہی پڑ جائے تو پوری دنیا دیوانی ہو

111520

Marfat.com

جائے۔''

آپ ان کی باتیں سنتے رہے اور جب ضبط نہیں کر سکے تو ان کو ڈانٹ دیا۔ اور بولے۔ ''لوگو! کچھ تو شرم کرو، یہ حرم کعبہ ہے اور تم لوگ یہاں کاروباری باتیں کر رہے ہو، کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تم یہاں سے اٹھ کر باہر چلے جاؤ اور یہ باتیں کہیں اور جا کر کرو۔''

ان میں سے ایک نے کہا۔ ''تو کون ہے ہماری باتوں میں مخل ہونے والا، یہ خدا کا گھر ہے تیرے باپ کا گھر تو نہیں۔''

آپ نے جواب دیا۔ ''ارے خدا کے بندو! اگر یہ خدا کا گھر ہے تو یہاں خدا کی باتیں کرو یہ تجارتی منڈی تو نہیں ہے جو کاروباری باتیں کر رہے ہو۔''

دوسرے نے کہا۔ ''بے وقوف انسان! میں نے خدا کی اتنی عبادت کی ہے اور اتنے حج کئے ہیں کہ تو نے تو اتنی عبادت اور حج کا تصور بھی نہ کیا ہوگا۔''

آپ نے جواب دیا۔ ''تم لوگ بالکل ٹھیک کہتے ہو، بے شک میں نے تم لوگوں جتنی نہ تو عبادت کی ہے اور نہ ہی تمہارے جتنے حج کئے ہیں۔ پھر بھی میں نے جو کچھ کیا ہے حور وقصور اور جنت دوزخ کے خیال سے نہیں کیا میں نے خدا کو خدا کے لئے یاد کیا ہے اور میں اس پر بالکل مطمئن ہوں۔''

چاروں نے مل کر کہا۔ ''اچھا اب تو یہاں سے چلا جا اور ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دے۔''

آپ حرم کعبہ سے باہر آ گئے اور حرم کعبہ سے قریب ہی لکڑیاں جمع کرنے لگے۔ اب آپ کے پاس بس یہی کام رہ گیا تھا کہ لکڑیوں کا ڈھیر لگاتے رہیں لوگ اس فضول اور بے مقصد کام میں آپ کو مشغول دیکھتے تو ہنستے۔ ان چاروں نے بھی آپ کو لکڑیاں جمع کرتے دیکھا تو آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر خوب خوب قہقہے لگائے۔ ایک نے دوسروں سے کہا۔ ''ملاحظہ فرمایا آپ نے اس پاگل کو یہ وہی ہے نا جو کل ہماری باتوں میں دخل دے رہا تھا۔''

Marfat.com

دوسرے نے کہا۔ ''ہاں یہ وہی ہے اور آج میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ شخص پاگل ہے۔ شاید اس کا دماغی توازن درست نہیں ہے'' آپ نے جواب دیا۔ ''میرا دماغی توازن تو بالکل درست ہے لیکن تم لوگوں کا دماغی توازن البتہ درست نہیں ہے چونکہ تم لوگ دیوانے ہو اس لئے تمہیں ہوش مند لوگ بھی دیوانے لگ رہے ہیں۔''

ایک نے کہا ''اگر تم دیوانے نہیں ہو تو پھر یہ لکڑیاں کیوں جمع کر رہے ہو؟''

آپ نے جواب دیا۔ ''میں نے تم لوگوں کی باتیں سن سن کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں لکڑیاں جمع کر کے کعبہ کو نذر آتش کر دوں، کیونکہ نہ یہ ہوگا اور نہ لوگ خدا کو اس کے ذریعہ یاد کریں گے، میں یہ بتاتا ہوں، تم لوگ خدا کو خدا کے لئے یاد کرو۔ یہ کعبہ حور و قصور، جنت دوزخ، انہیں اس کی یاد میں شامل کر کے اپنی عبادت کو رائیگاں کیوں کرتے ہو،

لوگ سناٹے میں آگئے اور آپ سے اپنے اس طرز عمل کی معافی مانگی۔

ایک آپ دن حرم کے اندر تھے کہ تند و تیز ہواؤں کے جھونکوں نے حرم کے پردوں کو اڑانا شروع کر دیا۔ آپ کو یہ منظر بہت ہی اچھا لگا۔ آپ بے خود (بے اختیار دیر تک یہ منظر دیکھتے رہے، پھر ایک دم اٹھے اور پردہ پکڑ لیا، بڑے جذبات میں بولے۔'' گفت اے رعنا عروس سرفراز، درمیاں تو کہ بنشستہ بناز (اے پردے تو نے جو یہ خود کو دلہن کی طرح آراستہ کر رکھا ہے بتا کہ تیرے اندر کون صاحب ناز جلوہ فرما ہے) اس کے بعد آپ نے خدا سے شکایت کی۔ بارالٰہی! کیا تو نہیں جانتا کہ تیری مخلوق شدت پیاس اور گرمی کی وجہ سے ببول کے پتوں کی طرح تباہ ہے اے حرم اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ بَیْتِیْ فرمایا ہے تو سو مرتبہ عَبْدِیْ بھی کہا ہے۔''

حج کے بعد آپ نیشا پور چلے گئے اور وہاں یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

آپ کی صاف گوئی کا یہاں بھی وہی حال تھا۔ نیشا پور والے بھی آپ کی باتیں نہیں برداشت کر سکے اور آپ کے خلاف باتیں کرنے لگے۔ آپ لوگوں کو جمع کر کے ایسی باتیں کیا کرتے جو لوگوں کے لئے ذرا عجیب و غریب ہوتیں اور وہ ایک دوسرے کی

Marfat.com

صورت دیکھ کر کہتے۔ ''یہ ابوالقاسم! کچھ عجیب باتیں کرتے ہیں، ان کی کچھ باتیں تو سمجھ میں آجاتی ہیں مگر اکثر باتیں نہیں سمجھ میں آتیں کیوں کہ ان کی باتیں دوسروں سے یکسر مختلف ہوتی ہیں۔''

آپ وعظ فرما رہے تھے ''لوگو! بندہ دو نسبتوں کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ ان میں سے ایک نسبت آدم ہے جس کا تعلق شہوت سے ہے اور یہ نسبت بشر یہ ایسی ہے جو محشر میں منقطع ہو جائے گی اور دوسری نسبت، نسبت الٰہیہ ہے اور یہ حق تعالیٰ سے منسلک ہو جانے کی صورت میں ظاہر اور قائم ہوتی ہے اور اس نسبت سے انسان کو کشف و لایت حاصل ہوتی ہے اس کا تعلق عبودیت سے ہے اور یہ نسبت کبھی بھی منقطع نہیں ہوتی کیونکہ جب باری تعالیٰ کسی بندے کی نسبت اپنی جانب مبذول اور منسوب کر لیتا ہے تو پھر بندے پر کسی قسم کا غم اور خوف باقی نہیں رہتا۔''

ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ '' آپ کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ عموماً واعظ جس قسم کی باتیں کرتے ہیں آپ ویسی نہیں کرتے کیا ہم اس سے یہ سمجھیں کہ آپ اپنے نفس کو ابھی تک ادب نہیں سکھا سکے''

آپ نے جواب دیا۔'' میں وہی باتیں کرتا ہوں، جو مجھے کرنا چاہئیں لیکن لوگ جو باتیں کرتے ہیں، وہ انہیں نہیں کرنا چاہئے اور یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ لوگ اپنے نفس کو مودب نہیں بنا سکے اور جو شخص خود اپنے نفس کو مودب نہ بنا سکیں اس کو واقف ادب نہیں کہا جا سکتا لوگو! آدمی کو قلب کے آداب سے آشنا ہونا چاہئے اور جو نا آشنائے ادب قلب ہو اسے واقف ادب کہنا جہالت ہے۔'' کسی نے پوچھا۔'' ادب کی کوئی اور قسم؟''

آپ نے جواب دیا۔'' ہاں ادب کی ایک اور قسم ہوتی ہے اور وہ ہے ادب روح، اور جو شخص روح کے ادب سے نابلد ہوگا وہ کبھی قرب خداوندی نہیں حاصل کر سکتا۔''

اس محفل وعظ میں ایک ایسا شخص بھی موجود تھا جو رقص و سرود میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا اس پر آپ کے وعظ نے ایسا اثر کیا کہ اسکی حالت ہی غیر ہونے لگی وہ بمشکل آپ کی مجلس

Marfat.com

سے اٹھا اور سیدھا اپنے گھر روانہ ہو گیا۔ اس نے بند دروازے پر دستک دی اندر اس کی ماں موجود تھی اس نے پوچھا۔ ''کون ہے؟''

اس شخص نے جواب دیا۔ ''میں ہوں آپ کا بیٹا عارف؟''

ماں نے دروازہ کھول دیا وہ اندر داخل ہوا ماں نے اس کی حالت جو غیر دیکھی تو گھبرا کے پوچھا'' بیٹے عارف! یہ تجھے کیا ہو گیا ہے؟''

بیٹے نے جواب دیا'' آج میں اتفاق سے ابوالقاسم نیشا پوریؒ کے وعظ میں پہنچ گیا تھا اس شخص نے بڑی دل سوزی سے ایسی ایسی باتیں کیں کہ میرا دل ایک عجیب سی آگ میں جلنے لگا اور مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ میں زیادہ دیر زندہ نہیں رہوں گا یہ آگ مجھے خاکستر کر کے رہے گی۔''

ماں نے بیٹے کو چارپائی پر لٹا دیا اور کہا۔'' یہ تجھے ہو کیا گیا ہے عارف؟ تو گھر سے اچھا بھلا گیا تھا۔''

بیٹے نے جواب دیا۔'' ہاں میں اچھا بھلا گیا تھا لیکن ابوالقاسمؒ کی باتوں میں معلوم نہیں کیسا جادو تھا کہ میرا پورا جسم اور دل اس کی آگ میں سلگ رہا ہے جل رہا ہے۔''

ماں نے کہا۔'' بیٹے! اپنے دل کو قابو میں رکھو۔ اللہ نے چاہا تو حالت جلد ہی قابو مین آ جائے گی۔''

بیٹے نے کہا۔''نہیں ماں، میں جانتا ہوں کہ ایسا نہیں ہو گا مجھے اپنی موت سامنے نظر آ رہی ہے اب میں نہیں بچوں گا، شاید جلدی ہی مر جاؤں گا۔''

ماں بہت پریشان ہو گئی، گھبرا کے کہا'' یہ تو کیا کہہ رہا ہے عارف؟ میں کہتی ہوں اپنے دل کو قابو میں رکھ اور اللہ کی رحمت پر نظر رکھ۔''

بیٹے نے افسوس سے کہا۔''ماں! آپ نے میرا نام عارف رکھا تھا، اور میں اب یہ سوچتا ہوں کہ میں کیسا عارف ہوں جو آج تک عرفان ذات سے محروم رہا نہ تو مجھے آداب نفس کا علم ہے نہ ہی آداب قلب کا اور رہا آداب روح کا شعور، تو اس کا سوال ہی نہیں

Marfat.com

پیدا ہوتا میں نے اب تک جیسی زندگی گزاری ہے وہ سر تا پا جہالت اور عدم آگہی کی زندگی تھی۔" میں نے ابوالقاسمؒ کے وعظ سے کیا حاصل کیا؟ نہیں کہہ سکتا لیکن مجھے اتنا علم ضرور حاصل ہو گیا ہے کہ اگر مجھے کچھ بھی معلوم نہیں اور میں ایک جاہل اور بے شعور انسان ہوں تو مجھے اب بھی یہ موقع حاصل ہے کہ میں سچ کو اپنا کر خود کو پاک صاف کرلوں۔"

ماں کو شبہ ہونے لگا کہ عارف پاگل ہو گیا ہے، اس نے کہا۔ "بیٹے! میں طبیب کو بلواتی ہوں، تم آرام کرو، علاج سے تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

بیٹے نے بڑی مایوسی سے کہا "ایسا نہیں ہو گا ماں میں چند ساعتوں بعد مر جاؤں گا، آپ میرا پیراہن تو غسال کے حوالے کر دیجئے گا اور میری قبا بھی اس کو دے دیجئے گا اور رہا میرا استار تو اس کا مضراب میری آنکھ پر چسپاں کر دیجئے گا، کیونکہ میں اپنے رب کے حضور جب حاضری دوں گا تو اس سے کہہ دوں گا کہ میں نے زندگی رقص و سرود میں گزاری ہے اور میرے اعمال نامے میں کراماً کاتبین نے جو کچھ بھی لکھا ہے اس میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں، میری آنکھ پر چسپاں مضراب اس بات کا عین ثبوت ہے کہ میں رقص و سرود کا آدمی ہوں۔"

ماں بیٹے کو تسلیاں ہی دیتی رہی اور وہ چند ساعتوں بعد واقعی چل بسا۔ ماں نے بین کر کر کے پورے گھر کو سر پر اٹھا لیا وہ اپنے بین میں کہتی رہیں کہ "میرے بیٹے کو ابوالقاسم کے وعظ نے کھا لیا۔"

جب اس کے بین کی خبر ابوالقاسمؒ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا "عارف کو اس کے عرفان نے ہلاک کیا، اور میری اس بات کی گواہی خود خدا دے گا۔"

چنانچہ اس رات ماں نے خواب میں دیکھا اس کا بیٹا عارف کہہ رہا تھا۔ "ماں آپ نوحہ و بین کیوں کر رہی ہیں؟ کیا اس کام سے خدا اور خدا کے رسول ﷺ نے منع نہیں فرمایا ہے اور پھر عرفان ذات کا جو فائدہ میں اب یہاں اٹھا رہا ہوں اس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ میں یہاں بہت خوش ہوں۔"

Marfat.com

حضرت کو کسی سلسلے میں بوزہ خریدنے کی ضرورت پیش آ گئی لیکن آپ کے پاس رقم نہ تھی۔ آپ نے رقم کے سلسلے میں ایک مالدار یہودی کا انتخاب کیا۔ آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور عرض کیا "بھائی! مجھے چند درہم درکار ہیں، بوزہ خریدنا ہے، عنایت فرمادیں شکرگزار ہوں گا۔"

یہودی نے جواب دیا "تو چند درہموں کی بات کر رہا ہے میں ایک درہم بھی نہیں دونگا۔"

آپ نے کہا۔ "لیکن میں نے یہ عہد کر لیا ہے کہ کچھ بھی ہو میں یہ درہم تجھی سے لونگا۔"

یہودی نے اپنے ملازم کو آواز دی۔ "ارے کوئی ہے؟"

یہودی کی آواز پر ایک قد آور ملازم اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ یہودی نے حکم دیا۔ "اسے نکال باہر کر، چند درہم اس طرح مانگ رہا ہے جیسے یہ میرے پاس جمع کرا گیا ہے۔"

ملازم نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اسی طرح کھینچتا ہوا باہر لے گیا۔ یہودی نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور دیر تک بڑبڑاتا رہا۔

دوسرے دن صبح ہی صبح یہودی سود پر رقمیں تقسیم کر رہا تھا اس قطار میں آپ بھی بیٹھ گئے۔ یہودی آپ کو دیکھ نہیں سکا۔ لوگوں میں درہم و دینار سود پر تقسیم کرتے ہوئے اس کی نظر اچانک آپ پر پڑ گئی وہ ایک دم مشتعل ہو کر کھڑا ہو گیا، بولا۔ "ارے تو پھر آ گیا؟"

آپ نے جواب دیا۔ "مجھے بوزہ خریدنے کے لئے چند درہم درکار ہیں اور یہ درہم میں تجھی سے لوں گا۔"

یہودی نے کہا "جب میں دونگا تبھی تو تو لے گا۔"

آپ بضد رہے اور کہا۔ "میں بھی دیکھوں گا کہ تو کب تک اپنی نہیں، پر قائم رہتا ہے۔"

Marfat.com

یہودی نے پھر ایک بار اپنے ملازم کو آواز دی "ارے کوئی ہے"؟

وہی گرانڈیل ملازم پھر حاضر ہو گیا، یہودی نے حکم دیا۔ اس مسلمان صوفی کو دھکے دے کر نکال دے"

لیکن اس ملازم پر آپ کی عظمت اور بزرگی کا اثر ہو چکا تھا، اس نے جواب دیا "افسوس کہ میں ملازمت تو چھوڑ سکتا ہوں لیکن اس بزرگ انسان کو دھکے دے کر نہیں نکال سکتا۔"

یہودی اس جواب کے لئے تیار نہیں تھا، غصے میں کہا۔ "میں نے تجھے ملازم کس لئے رکھا ہے؟"

ملازم نے جواب دیا "اس لئے ملازم نہیں رکھا ہے کہ میں شریف انسانوں کو دھکے دے کر نکال باہر کیا کروں۔"

یہودی نے عاجز آ کر پھر حکم دیا "کیا تو دیکھ نہیں رہا ہے کہ یہ شخص بری طرح میرے پیچھے پڑ گیا ہے اور بار بار چند درہم مانگے جا رہا ہے۔ اسے آج تو نکال ہی دے یہاں سے، تیسری بار میں تجھے یہ حکم نہیں دوں گا۔"

ملازم نے کہا "تیسری بار حکم دینے کا موقع ہی نہیں ملے گا میں تیرا یہ دوسرا حکم نہیں مانوں گا کیونکہ جب تو دوسروں کو قرض دے رہا ہے تو ان بزرگ کو دینے میں کیوں تامل ہے؟"

یہودی نے بڑی بے بسی سے کہا "یہ قرض حسنہ چاہتا ہے جب کہ میں سود پر دیتا ہوں۔"

ملازم نے کہا "جہاں تو سینکڑوں ہزاروں کو سود پر قرض دیتا ہے وہیں سے ان بزرگ کو بے سودی قرض کیوں نہیں دیتا۔"

یہودی نے غصے میں ملازم کو بھی ڈانٹ دیا۔ "تو کون ہوتا ہے مجھے ہدایت دینے والا میں ان کو کس شرط پر قرض دے رہا ہوں تو اس پر کوئی دباؤ تو نہیں ڈال سکتا اگر تو

Marfat.com

میرا حکم نہیں مان سکتا تو اس وقت یہاں سے چلا جا۔"

ملازم نے کوئی جواب دیئے بغیر باہر کا رخ کیا اور ملازمت چھوڑ کر چلا گیا۔

آپ نے یہودی سے کہا "تو نے یہ کیا کیا؟"

یہودی نے لال پیلے ہو کر جواب دیا۔ "بس تو چلا جا یہاں سے، کیونکہ میرا یہ ملازم تیری ہی وجہ سے گیا ہے!"

آپ نے کہا "مجھ سے پیچھا چھڑانا تیرے لئے بہت ہی آسان کام تھا، جسے تو نے دشوار بنا رکھا ہے۔"

یہودی نے پوچھا وہ کس طرح؟"

آپ نے جواب دیا "میں بوزہ خریدنے کے لئے تجھ سے چند درہم چاہتا ہوں اگر تو یہ درہم مجھے دے دیتا تو میں تجھے اس طرح پریشان نہ کرتا"

یہودی نے کہا "تو ہے بڑا ضدی، قرض کوئی ایسی چیز تو نہیں ہے جسے لوگ جبراً وصول کریں۔"

آپ نے بڑی نرمی سے کہا "میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ میں مطلوبہ چند درہم تجھ سے جبراً وصول کرلونگا۔"

"تب پھر جب میں نے ایک بار انکار کر دیا ہے تو پھر اس طرح مجھے بار بار تنگ کرنے سے کیا حاصل ہے؟"

آپ نے جواب دیا "دیکھو بھائی! میں نے بھی تمہاری ہی طرح یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ کچھ بھی ہو میں یہ چند درہم بطور قرض تم ہی سے لوں گا اور میں تمہاری تاب نفس کو دیکھوں گا کہ یہ کب تک تمہارا ساتھ دیتی ہے۔"

یہودی عاجز آ چکا تھا بولا اچھا، اس وقت تو تو چلا جا میں ذرا اس پر غور کرلوں کہ اگر میں چند درہم تجھے بطور قرض دے دوں تو انہیں وصول کس طرح کروں گا۔"

آپ نے پوچھا "تو کیا کل حاضر ہو جاؤں۔"

Marfat.com

یہودی نے جواب دیا ''کل تو نہیں پرسوں آ جا۔ اس وقت تک میں فیصلہ کر چکا ہوں گا۔''

آپ نے کہا ''میں نہیں جانتا کہ تم کیا فیصلہ کرو گے مگر میں ایک بات واضح کر دوں وہ یہ کہ میں تمہارے جواب کو نفی میں نہیں سننا چاہتا میں یہ چند درہم لے کر ہی ٹلوں گا۔''

یہودی نے ٹالنے کے لئے کہا۔ اچھا اس وقت تو میرا پیچھا چھوڑ دے، پرسوں دیکھا جائے گا۔''

آپ اپنے گھر چلے گئے اور وعدے کے مطابق دو دن خاموش رہے اور تیسرے دن پھر پہنچ گئے۔ اس دوران یہودی نے ایک نئے آدمی کو رکھ لیا تھا اور اسے ہدایت کر دی تھی کہ وہ ابوالقاسم کے سوا ہر ایک کو آنے دے۔ چنانچہ اس نے آپ کو دیکھا تو دروازے ہی پر روک دیا، بولا ''جناب آپ کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا ہے اس لئے میں اندر نہیں جانے دونگا۔''

آپ نے کہا ''لیکن اس نے تو آج مجھے بلایا تھا اور میں اس سے ملے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔''

ملازم نے کہا۔ ''لیکن افسوس کہ میں آپ کو اندر نہیں جانے دوں گا۔''

آپ نے بڑی نرمی سے جواب دیا۔ ''میں کب اصرار کر رہا ہوں کہ تو مجھے اندر جانے دے میں یہیں دروازے پر بیٹھ جاتا ہوں، وہ جب باہر نکلے گا میں اس سے بات کر لوں گا۔''

ملازم نے آپ کو سر سے پیر تک بڑے غور سے دیکھا اسے آپ پر حیرت تھی کیونکہ اس نے ایسا آدمی آج تک نہیں دیکھا تھا۔ وہ آپ کے سامنے سے ہٹ گیا اور آپ دروازے پر بیٹھ کر یہودی کا انتظار کرنے لگے۔

اندر یہودی کو جب یہ معلوم ہوا کہ آپ اس کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں اور اٹھنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تو بہت پریشان ہوا اور دل ہی دل میں آپ کو برا بھلا کہنے

Marfat.com

لگا۔ دوپہر ہوگئی مگر آپ نہیں ٹلے۔ یہودی اندر بند ہو کر رہ گیا۔ آخر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ان سے پیچھا چھڑانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انہیں چند درہم بطور قرض حسنہ دے دیئے جائیں۔

سہ پہر کو وہ باہر نکلا اور آپ کو دیکھ کر کہنے لگا۔ ''ارے یہ تم! تم کب آئے؟ میں تو صبح سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''

آپ نے جواب دیا ''میں تو کل صبح کا آیا ہوا ہوں، تمہارے ملازم نے ملنے ہی نہیں دیا۔''

یہودی نے پوچھا ''تم کو کتنے درہم درکار ہیں؟''

آپ نے جواب دیا ''دس درہم''

''ان کی واپسی کی کیا صورت ہوگی؟''

''میں انہیں جلد از جلد واپس کر دوں گا، لیکن میں ان پر کوئی سود نہیں دوں گا۔''

یہودی نے کہا ''کیا یہ رقم تم ایک ہفتے کے اندر واپس کر سکتے ہو؟''

آپ نے جواب دیا ''ایک ہفتہ تو بہت ہے ہو سکتا ہے میں ایک دن میں ہی واپس کر دوں۔''

''ایک دن میں؟ یہ ایک دن میں تم کس طرح واپس کرو گے؟''

''یہ میرا دردسر ہے کہ میں ایک دن میں کس طرح واپس کرونگا۔ لیکن اس کا پورا پورا امکان موجود ہے کہ میں تمہارا قرض ایک ہی دن میں اتار دوں۔''

یہودی نے طنزاً کہا ''اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میرا قرض ایک ہی دن میں اتار دو گے تو پھر مجھ سے قرض لینا ہی کیا ضروری ہے۔''

آپ نے جواب دیا۔ ''اے شخص! میری بات تیری سمجھ میں نہیں آئے گی۔''

یہودی نے کہا ''اچھا میرے ساتھ اندر آؤ، میں تمہیں دس درہم دیتا ہوں،

Marfat.com

لیکن اس سلسلے میں تم کو مجھے ایک تحریر دینا ہوگی جس میں تم مجھ سے یہ وعدہ کرو گے کہ تم میری رقم ایک ہفتے کے اندر واپس دے دو گے۔''

آپ نے جواب دیا ''جب میں تم سے درہم قرض لونگا تو ادائیگی کے سلسلے میں وعدہ کرنے میں کیا حرج ہے؟''

یہودی آپ کو اندر لے گیا وہاں اس نے آپ سے ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے آپ کو دس درہم سات دن میں واپس کر دینا تھے۔

جب آپ دس درہم لے چکے تو یہودی نے آپ سے پوچھا۔ ''اچھا اب آپ مجھے ایک بات بتا دیجئے یہ تو آپ کو خوب اندازہ ہو گیا ہو گا کہ آپ کو میں دس درہم دینا نہیں چاہتا تھا۔''

اب یہودی کے لب و لہجے میں ادب و احترام پیدا ہو گیا تھا، اس کے سوال پر آپ نے کہا ''جو بات تو اس وقت کر رہا ہے۔ اگر پہلے ہی کر لیتا تو کتنا اچھا ہوتا۔''

یہودی نے جواب میں کہا ''میں پہلے ہی کیا کر لیتا؟''

آپ نے کہا ''یہی کہ تو مجھے ٹالنے کی کوشش تو کرے گا لیکن میں ٹلنے والا نہیں، لے کر ہی ٹلنے والا انسان ہوں مجھے اور میری یہ عادت ملاحظہ کر لی تم نے؟''

یہودی نے کہا ''ہاں، مگر تم سے ایک سوال کا جواب چاہتا ہوں میرا خیال ہے اس کا صحیح صحیح جواب دو گے!''

''پوچھ، کیا بات ہے؟'' اس وقت آپ کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک پیدا ہو چکی تھی۔

یہودی نے پوچھا۔ ''جب میں نے تم سے بار بار انکار کیا تھا تو تم ضد یوں کر رہے تھے؟ حالانکہ تم میرے انکار کرنے سے بہت ذلیل ہو رہے تھے، تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو ادھر کا دوبارہ رخ ہی نہ کرتا۔''

آپ نے اپنا سر پکڑ لیا اور یہودی کے سامنے بیٹھ گئے، بولے ''دیکھ میں جو

Marfat.com

کچھ کہہ رہا ہوں اسے غور سے سن۔"

یہودی گوش برآواز ہو کر آپ کی طرف مونہہ کر کے بیٹھ گیا۔ آپ نے کہا "بات صرف اتنی سی ہے کہ میں ایک مدت سے خدا سے لو لگائے ہوئے ہوں اور اس سے معلوم نہیں کیا کیا مانگتا رہتا ہوں۔ جو کچھ میں نے مانگا تھا اس میں سے کچھ مل گیا، کچھ نہیں ملا، مجھے جو نہیں ملا تھا، اسے دوبارہ مانگتے ہوئے میں شرمندگی اور ندامت سی محسوس کرنے لگا، ایک دن میں نے یہ سوچا کہ خدا سے مانگتے ہوئے میرا نفس شرم اور ندامت کیوں محسوس کر رہا ہے، میں نے اپنے نفس کی شیطنیت کو کچلنے کے لئے یہ سزا تجویز کی تھی کہ کسی انسان کے آگے ہاتھ پھیلا کر نفس کو ذلیل و خوار کروں، چنانچہ تو نے میرے نفس کو جی بھر کے ذلیل و خوار کر لیا اور اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہ مجھے تنگ نہیں کرے گا۔"

یہودی حیرت سے آپ کی باتیں سنتا رہا، پھر پوچھا "کیا یہ جو کچھ آپ نے کہا درست ہے؟"

آپ نے جواب دیا "میں تجھ سے جھوٹ کیوں بولوں گا ذرا تو خود سوچ کہ میں ٹھہرا درویش، میں بوزہ (جو کی شراب) خرید کر کیا کروں گا، میں شراب پی تو سکتا نہیں اور رہے تیرے دس درہم تو یہ حاضر ہیں۔ انہیں واپس لے لے، اب میں انہیں لے کر کیا کروں گا۔"

یہودی کو بے حد افسوس ہوا، بولا "ابوالقاسم! میں بہت شرمندہ ہوں کہ میں نے آپ کو کئی بار بہت شرمندہ اور ذلیل کیا۔ میں آپ سے معافی کا طلب گار ہوں۔"

آپ نے جواب دیا۔ "معافی کی کوئی ضرورت نہیں بھائی۔ اگر فقراء ان باتوں سے خوف زدہ ہو جایا کریں تو پھر یہ مدارج اعلیٰ حاصل کرنے میں ہمیشہ ناکام رہیں۔ تم مجھ سے معافی کیوں مانگو، معافی تو میں مانگ رہا ہوں اور میں تم سے اب ایک درخواست کرونگا۔"

یہودی نے کہا "آپ مجھ سے درخواست نہ کیجئے، حکم دیجئے اور پھر دیکھئے کہ

Marfat.com

میں اس کی کس طرح تعمیل کرتا ہوں۔"

آپ نے کہا "تم نے میری وجہ سے ملازم کو نکال دیا تھا اسے دوبارہ رکھ لو۔"

"میں اسے آج ہی واپس بلا لونگا، لیکن آپ کو بھی میرا ایک کام کرنا ہوگا۔"

آپ نے جواب دیا۔ "میں تمہارا ہر کام کرنے کو تیار ہوں۔"

یہودی نے لجاجت سے عرض کیا "میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں آج سے میں سودی کاروبار ختم کر رہا ہوں اور میرے پاس جو کچھ بھی ہے، یہ حاجت مندوں کا ہے، میں چاہتا ہوں کہ جو آگ آپ کے سینے میں جل رہی ہے وہی میرے دل میں بھی روشن ہو جائے۔"

آپ نے یہودی کو اسی وقت مسلمان کر لیا اور اس کے حق میں دعا کی اور اس دعا کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ نومسلم یہودی نے اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں لٹا دیا اور آپ کی خدمت میں رہنے لگا۔

آپ نے بارہا حج کئے اور شوق کا عالم یہ تھا کہ لوگ انہیں اکثر حرم کعبہ میں موجود دیکھا کرتے۔ آپ کے وجدان میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور اس نے کچھ ایسی خطرناک صورت اختیار کر لی کہ لوگ آپ سے دور دور رہنے لگے اس جذب و کیفیت میں آپ کعبے میں تشریف لے گئے۔ وہاں گھنٹوں مؤدب کھڑے رہے اور جب باہر نکلے تو ایک جگہ الاؤ روشن دیکھا۔ آپ الاؤ کے پاس پہنچے اور کچھ دیر کھڑے اسے دیکھتے رہے پھر حالت جذب اور وجد میں آگ کا طواف شروع کر دیا۔ لوگ حیرت زدہ آپ کی یہ حرکت دیکھتے رہے آخر ایک شخص برداشت نہ کر سکا۔ اس نے پوچھا "کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کس چیز کا طواف فرما رہے ہیں؟"

آپ نے جواب دیا۔ "ہاں، میں خوب جانتا ہوں میں تجلی الٰہی کا طواف کر رہا ہوں۔"

اس شخص نے کہا "حضرت! یہ تجلی الٰہی نہیں آگ ہے آپ ہوش میں تو

Marfat.com

آئیں۔"

آپ نے جواب دیا۔"اے شخص! تو نہیں جانتا میں نے خدا کو کعبے میں برسوں تلاش کیا مگر نہ پا سکا اب میں اس کی طلب اور جستجو میں کوچہ و بازار کی خاک چھان رہا ہوں اور جہاں اس کا پرتو نظر آ جاتا ہے طواف شروع کر دیتا ہوں۔ اس آگ کو بھی تجلی الٰہی سمجھ کر یہاں آ گیا ہوں کہ شاید وہ یہاں مل جائے میں نے اپنے رب کی تلاش اور طلب میں اپنے ہوش و حواس گنوا دیئے ہیں، اس لئے میں نہیں جانتا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں، وہ درست ہے یا غلط۔"

لوگوں نے آپ پر پتھر برسانے شروع کر دیئے اور آواز بلند کرنا شروع کر دی۔"یہ گمراہ ہے، کفر کی باتیں کرتا ہے، بھگا دو اسے۔"

آپ زخمی ہو کر وہاں سے ہٹ آئے۔ آپ کے پیچھے پیچھے ایک عجمی بھی بھاگتا ہوا آیا اور اس نے آپ کو بڑی تسلی دی، بولا"جناب! مجھے بہت افسوس ہے کہ لوگوں نے آپ کے ساتھ بہت برا سلوک کیا میں آپ کا مرتبہ سمجھ گیا ہوں، آپ مجھے اجازت دیجئے کہ آپ کے ساتھ ساتھ رہا کروں۔"

آپ نے جواب دیا"میں اگر اجازت دے بھی دوں گا، تب بھی تو میری صحبت اور ہم نشینی سے بہت جلد عاجز آ جائے گا۔"

عجمی نے عرض کیا"ممکن ہے آپ جو کچھ فرما رہے ہیں درست ہو لیکن مجھے اپنی خدمت کا موقع ضرور دیجئے۔"

آپ نے کہا"اگر تو ساتھ رہنے پر مصر ہی ہے تو میرے ساتھ رہ۔"

وہ عجمی آپ کے ساتھ ہی رہنے لگا، سفر حضر ہر جگہ وہ آپ کا ہم نشین رہنے لگا۔ آپ اس کے ساتھ سفر کرتے ہوئے جبل رحمت پر پہنچ گئے۔ وہاں آپ کے اس عجمی دوست نے کہا"حضرت! آپ کی کوئی خواہش؟ آپ کی طبیعت کس چیز کو چاہتی ہے؟"

آپ نے جواب دیا۔"ہاں ایک چیز کے لئے میں بے تاب ہوں اگر مل

Marfat.com

جائے تو بہت خوب ورنہ کوئی شکایت نہیں۔''

عجمی دوست نے دریافت کیا ''تو فرمایئے کس چیز کی طرف آپ کی طبیعت راغب ہے۔''

آپ نے جواب دیا ''ٹھنڈے پانی کی خواہش مجھے پریشان کرتی رہتی ہے۔''

عجمی نے فوراً جواب دیا ''اس میں کون سی خاص بات ہے میں ٹھنڈے پانی کی تلاش میں جاتا ہوں اور یہ جہاں بھی ملے گا، آپ کے لئے لے کر حاضر ہو جاتا ہوں۔''

عجمی آپ سے جدا ہو گیا اور ادھر ادھر پانی کی تلاش میں پھرنے لگا، گرمی اپنے شباب پر تھی اس نے آپ سے وعدہ تو کر لیا تھا۔ لیکن اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اسے ٹھنڈا پانی ملے گا کہاں؟ اور ٹھنڈا پانی حاصل کیے بغیر اس کا آپ کے پاس جانا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ برتن اس کے ہاتھ میں تھا اور نظریں ادھر ادھر پانی کی تلاش اور فکر میں بھٹک رہی تھیں عجمی اپنے دل میں پشیمان تھا کہ اس نے ٹھنڈے پانی کا ناحق وعدہ کر لیا جب وہ ہر طرف سے مایوس ہو چکا تو، اچانک دھوپ غائب ہونے لگی اور فضا بادلوں سے تیرہ و تار ہونے لگی۔ عجمی پناہ کی تلاش میں بھاگا اور ایک چٹان کے نیچے بیٹھ کر بارش کا انتظار کرنے لگا کچھ دیر بعد بارش شروع ہو گئی اور پھر یہ بارش اولوں میں تبدیل ہو گئی عجمی نے آبخورے میں اولے بھرنا شروع کر دیئے۔ اسے خوشی تھی کہ وہ ٹھنڈا پانی حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ جب بارش رک گئی تو یہ اولوں سے بھرا ہوا پیالہ لے کر آپ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ اسے حیرت تھی کہ جہاں آپ بیٹھے تھے وہاں بارش نہیں ہوئی تھی۔ عجمی نے اولوں سے بھرا ہوا پیالہ آپ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''حضرت: خدا نے میری شرم رکھ لی، ورنہ میں سوچ رہا تھا کہ میں نے وعدہ تو ٹھنڈے پانی کا کر لیا ہے مگر میں یہ لاؤں گا کہاں سے؟''

آپ نے پوچھا ''پھر یہ ٹھنڈا پانی ملا کہاں سے؟''

عجمی نے جواب دیا ''اب میں کیا بتاؤں، بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ آپ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اور یہ اولوں کی بارش بھی آپ ہی کی کرامت سے ظہور میں آئی

Marfat.com

ہے۔"

آپ نے کہا "اب میں کیا کہہ سکتا ہوں" اس کے بعد اپنے آپ سے کہا "اب میں کیا کہہ سکتا ہوں" اس کے بعد اپنے آپ سے کہا "تو ٹھنڈے پانی کی خواہش کی خدا نے تیرا خیال کیا اور اولے برسا کر تیری خواہش پوری کر دی لیکن میرا خیال ہے تو نے اپنے رب کے ساتھ یہ گستاخی کی ہے اور تجھے تو کھولتا ہوا گرم پانی ملنا چاہئے تھا۔"

آپ نے کئی حج کر رکھے تھے اور لوگوں کو آپ پر رشک آتا تھا کہ آپ کتنے خوش قسمت انسان ہیں جو اتنے سارے حج کر ڈالے ایک بار جو آپ حج کے لئے تشریف لے گئے تو ایک کتے کو بھوک سے نڈھال لڑکھڑاتے گرتے دیکھا۔ آپ کو اس پر بڑا رحم آیا اس وقت آپ کے پاس کچھ بھی نہ تھا، آپ نے کئی آدمیوں سے کتے کے لئے روٹیاں مانگیں لیکن لوگ انکار کرتے رہے آپ نے پوچھا۔ "لوگو! کیا اس شہر میں ایک بھی ایسا فارغ البال شخص نہیں ہے، جو اس کتے کا پیٹ بھر سکے۔"

کسی نے جواب دیا۔ "اس شہر میں روٹیوں کی کوئی کمی نہیں۔ لیکن کتے کے لئے روٹی نہیں ہے ہاں آپ کو اپنے لئے درکار ہو تو روٹی ہی روٹی۔"

آپ نے کہا مجھے اپنے لئے نہیں اس کتے کے لئے روٹیاں درکار ہیں۔

جواب ملا۔ "افسوس کہ کتے کے لئے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں"۔

آپ نے اعلان کیا "میں نے اب تک جتنے بھی حج کئے ہیں ان کا ثواب اس شخص کو دینے پر تیار ہوں جو اس کتے کا پیٹ بھر دے۔"

لوگوں نے آپ کا یہ اعلان بڑی حیرت سے سنا۔

اور ایک شخص نے قریب آ کر دریافت کیا "کیا یہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو سچ ہے؟"

آپ نے جواب دیا "بالکل سچ ہے۔"

اس شخص نے کہا "میں کتے کا پیٹ بھرنے کو تیار ہوں تم اپنے تمام حجوں کا ثواب میری نذر کر دو۔"

Marfat.com

آپ نے جواب دیا۔ ''تو اس کتے کو پیٹ بھر دے میں اس وقت اپنے حجوں کا ثواب تیری نذر کر دوں گا۔''

وہ شخص اپنے گھر سے بہت ساری روٹیاں لایا اور کتے کو کھلانے لگا کتے میں توانائی آ گئی اور وہ اچھلنے کودنے لگا۔ آپ کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ آپ قبلہ رو ہو کر سجدے میں گر گئے اور گڑگڑا کے خدا سے التجا کی ''یا اللہ العالمین اس شخص نے میری درخواست پر کتے کا پیٹ بھر دیا ہے میں اس کے عوض اپنے تمام حجوں کا ثواب اس شخص کی نذر کر رہا ہوں، میری دعا قبول فرما۔''

آپ کی اس بات کا بڑا چرچا ہوا، بہتوں نے آپ کا مذاق اڑایا اور کہا۔ ''ابوالقاسم بھی عجیب آدمی ہیں کہ کتے کی خاطر اپنے حجوں کا ثواب ایک گنہگار کو بخش دیا یہ بھی کوئی دانائی کی بات ہوئی۔''

کسی بزرگ نے جب یہ واقعہ سنا تو آپ سے ملاقات کی اور کہا۔ ''ابوالقاسم! یہ تم نے کیا کیا؟''

آپ نے جواب دیا'' میں نے وہی کیا جو انسانیت کا تقاضا تھا۔''

بزرگ نے آپ سے پوچھا'' کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ اس طرح تم نے کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے؟''

آپ نے جواب دیا'' میں نے جو کچھ کیا اس سے میری یہ مراد ہرگز نہ تھی کہ یہ واقعہ مشہور ہو۔''

اس بزرگ نے کہا'' ابوالقاسم جو غلطی تم نے کی ہے اس قسم کی ایک غلطی حضرت آدم بھی کر چکے ہیں۔''

آپ نے پوچھا'' آدم نے کیا غلطی کی تھی۔''

بزرگ نے جواب دیا'' آدم نے گیہوں کے عوض اپنی جنت فروخت کر دی تھی۔''

آپ نے کہا'' آدم نے جنت فروخت کر کے شرمندگی اور ندامت محسوس کی تھی اور

Marfat.com

ایک مدت تک توبہ استغفار کرتے رہے تھے لیکن میں نے جو کچھ کیا ہے اس پر شرمندہ یا نادم نہیں ہوں اس لیئے میں توبہ استغفار بھی نہیں کروں گا۔"

آپ کے خلاف شہر بھر میں ہنگامہ کھڑا کر دیا گیا اور لوگوں نے آپ کو شہر بدر کر دیا۔ ان بزرگ نے کہا۔"ابوالقاسم کے ساتھ وہی کچھ ہوا جو آدم کے ساتھ ہوا تھا، آدم کو خدا نے ان کی غلطی پر جنت سے نکال دیا تھا، ابوالقاسم کو ان کی غلطی پر لوگوں نے شہر بدر کر دیا۔"

آپ نے کہا"میں خوش ہوں کہ مجھے انسانوں نے شہر بدر کیا ہے خدا نے نہیں، اور انسان خطاؤنسیان کا پتلا ہے۔"

مدینے میں جنت البقیع کے سامنے ایک واعظ کہہ رہا تھا"حضورﷺ نے فرمایا تھا کہ اس دنیا میں چند ایسے قبرستان بھی ہیں جن کے چاروں کونے فرشتوں کے کاندھوں پر ہوتے ہیں چنانچہ ان میں جو لوگ دفن کیے جائیں گے فرشتے انہیں جنت میں پہنچا دیں گے۔"

آپ نے جنت البقیع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا"اے شخص! یہ جنت البقیع انہی میں سے ایک ہے، سامعین مڑ مڑ کر آپ کی طرف دیکھنے لگے واعظ نے تائید کی "ہاں ان میں جنت البقیع کا نام سرفہرست ہے۔"

کئی دن بعد آپ جنت البقیع تشریف لے گئے۔ آپ نے وہاں ایک قبر دیکھی جو کئی دن کی کھدی ہوئی معلوم ہوتی تھی اور میت کا کہیں پتہ نہ تھا۔"گورکنوں سے پوچھا وہ میت کہاں ہے، جن کے لئے قبر کھودی گئی ہے؟"

کسی گورکن نے جواب دیا۔"اسے مشہور صوفی ابوعثمان نے اپنے لئے کھدوایا ہے اور ہدایت کی ہے کہ انہیں مرنے کے بعد اس میں دفن کیا جائے۔"

آپ نے قبر کی مٹی اٹھا کر سونگھی اور کہا"مجھے اس مٹی سے بوئے رفاقت آ رہی ہے۔ اس لئے اس میں ابوعثمان کے دفن ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، یہ میری جگہ ہے میری آخری آرام گاہ۔"

Marfat.com

آپ تو یہ کہہ کر وہاں سے چلے آئے'' آپ کی یہ باتیں کسی نے ابوعثان تک پہنچا دیں وہ ابوالقاسم کے پاس بھاگتے ہوئے آئے اور پوچھا'' کیوں ابوالقاسم! کیا تم نے گورکنوں سے اس قسم کی باتیں کی ہیں؟''

آپ نے جواب دیا'' ہاں میں نے یہ باتیں کی تھیں۔''

ابوعثان نے کہا'' لیکن وہ میری جگہ ہے اور وہاں میں دفن ہوں گا۔''

آپ نے جواب دیا'' ابوعثان! افسوس کہ تم اس نکتے سے واقف نہیں ہو کہ اگر جنت البقیع میں کوئی ایسا شخص دفن ہونا بھی چاہتا ہے جو اس کا مستحق نہیں ہوتا تو جنت البقیع کے فرشتے اسے وہاں سے نکال پھینکتے ہیں۔''

ابوعثان نے کہا'' ابوالقاسم! تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔''

آپ نے کہا'' ابوعثان! رات میں نے خواب میں دیکھا کہ جنت البقیع کے مردے ہوا میں پرواز کر رہے ہیں میں نے کسی سے اس کی وجہ پوچھی تو مجھے بتایا گیا کہ جو شخص اس جگہ دفن ہونے کا اہل نہیں ہوتا اس کو اگر یہاں دفن کر بھی دیا جاتا ہے تو فرشتے اسے یہاں سے کسی اور جگہ منتقل کر دیتے ہیں۔''

ابوعثان سہم گئے اور پوچھا۔'' تو کیا میں جنت البقیع کا مستحق نہیں ہوں؟''

ابوالقاسم نے جواب دیا'' ابوعثان! تمہاری آخری آرام گاہ نیشا پور کے قریب تیرہ نامی جگہ ہے اور میں جنت البقیع میں دفن کیا جاؤں گا۔''

ابوعثان خاموش ہو گئے ان ہی دنوں نیشا پور میں استاد اسحاق ایک مخصوص نشست میں موت کی دشواری اور سختی کا حال بیان کر رہے تھے، آپ نے کسی سے یہ بات سنی تو کہا'' استاد اسحاق سے جا کر کہہ دو کہ موت کی بجائے محبت کی باتیں کیا کریں۔''

استاد اسحاق نے جواب میں کہلا بھیجا'' ابوالقاسم موت کی سختی اور دشواری محبت کی سختی اور دشواری سے کہیں زیادہ ہوتی ہے اور اس کا تم اپنے آخری لمحوں میں تجربہ بھی کر لو گے۔''

Marfat.com

آپ مستقلاً مدینہ ہی میں قیام فرما ہو گئے۔ ایک دن آپ نے خلوت میں سنا، کوئی غیبی آواز کہہ رہی تھی ''ابوالقاسم! تو بہت زیادہ باتیں کرنے لگا ہے ہم تجھ پر اس کا عذاب نازل کریں گے۔''

آپ نے جواب دیا ''اگر میں غلط باتیں کرتا ہوں تو مجھ پر اس کا عذاب ضرور نازل ہونا چاہئے لیکن اگر میں اپنی باتوں میں سچا ہوں تو میں انہیں جاری رکھوں گا اور میں جو کچھ کہہ رہا ہوں سچ سمجھ کر ہی کہتا ہوں۔''

آپ کو جواب ملا ''ہمیں تیری یہ بات پسند آئی اس لئے تجھ پر عذاب نہیں کیا جائے گا۔''

ایک دن آپ نے دیکھا، ایک جگہ انسانوں کا ہجوم جمع ہے اور اس ہجوم میں کسی شخص کی پٹائی کی جا رہی ہے، آپ صورتحال سمجھنے کے لئے اس ہجوم میں تشریف لے گئے دیکھا لوگ ابوعثمان کو مار رہے ہیں۔ آپ نے لوگوں کو منع کیا ''کہ خواہ مخواہ ابوعثمان کو کیوں مار رہے ہو؟''

لوگوں نے جواب دیا۔ ''ابوعثمان کی باتیں ہمارے لئے ناقابل برداشت ہیں، اس لئے ہم انہیں معاف نہیں کریں گے۔''

مجمع میں سے کسی نے کہا ''ابوعثمان کو مارنے کی بجائے انہیں مدینے سے نکال دو، یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم لوگ ابوعثمان کو مار مار کر ہلاک کر دو۔''

لوگوں نے یہ مشورہ مان لیا اور ابوعثمان کو اسی وقت مدینے سے نکال دیا۔ ابوالقاسم نے ابوعثمان سے ملاقات کی اور پوچھا ''ابوعثمان! اب تم کہاں جاؤ گے؟''

ابوعثمان نے جواب دیا ''ابوالقاسم! میں نیشا پور جا رہا ہوں اور زندگی کے بقیہ ایام وہیں گزار دوں گا۔''

آپ نے انہیں خدا حافظ کہا۔ ابوعثمان نے کہا ''ابوالقاسم! اب میں شاید مدینے واپس نہیں آسکوں گا اس لئے جنت البقیع کی قبر، جو میں نے اپنے لئے کھدوائی تھی

Marfat.com

اسے تم اپنے لئے وقف کرلو۔''

ابوعثمان نیشاپور چلے گئے۔

ابوالقاسم نے چند آدمیوں کو آپس میں اس طرح باتیں کرتے دیکھا کہ ان کے درمیان چند عورتیں بھی تھیں اور یہ لوگ دعویٰ کر رہے تھے کہ ان پر عورتوں کی قربت اور صحبت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ آپ نے انہیں ڈانٹا۔ ''لوگو! تم یہ کیسا دعویٰ کر رہے ہو؟ کیا تم میں نفس موجود نہیں ہے جو اس قسم کا دعویٰ کر رہے ہو؟''

ان لوگوں نے آپ کا مذاق اڑایا، بولے۔ ''ہمیں اپنے آپ پر اعتماد ہے تبھی تو ایسی باتیں کر رہے ہیں۔''

آپ نے لوگوں سے کہا۔ ''میں نے جیسا کہ تم سے کہا کہ جب تک تم میں نفس موجود ہے اس قسم کی باتیں مت کرو اور نفس کی موجودگی میں ''امر ونواہی سے'' کسی کو بھی بری الذمہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔'' پھر عورتوں سے کہا۔ ''تم خود بھی گمراہی میں پڑو گی ان مردوں کو بھی اپنے ساتھ گمراہ کرو گی۔'' مرد اور عورتیں آپ کی باتیں سن کر شرمندہ ہو کر الگ ہو گئے۔

آپ کا آخری وقت آیا تو جنت البقیع کے قریب ہی رہنے لگے۔ نیشاپور سے جو لوگ آتے تھے۔ آپ ان سے ان کا حال پوچھتے رہتے تھے آپ نے انہی میں سے کسی سے پوچھا۔ ''آج کل ابوعثمان وہاں کیا کر رہے ہیں؟''۔

اس شخص نے جواب دیا ''ان کا تو انتقال بھی ہو گیا۔''

آپ نے دریافت کیا ''ان کا انتقال کہاں ہوا اور وہ کہاں دفن ہوئے؟''

جواب ملا ''انتقال نیشاپور میں ہوا اور دفن حیرہ میں ہوئے۔''

آپ نے آہستہ سے کہا۔ ''خدا ابوعثمان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ مجھے ان کی آخری آرام گاہ کا علم تھا۔''

آخری لمحوں میں موت کی سختی اور شدت نے آپ کو بہت پریشان کیا۔ آپ کے آس پاس ارادت مندوں کا ہجوم تھا۔ آپ نے ان میں سے ایک نیشاپوری سے کہا ''اے

Marfat.com

شخص جب تم نیشا پور جانا تو استاد اسحاق سے کہہ دینا کہ وہ موت کی جس سختی اور شدت، کا ذکر کیا کرتے تھے وہ درست تھا، اب میں اس کی گواہی دے رہا ہوں۔

انتقال کے بعد آپ کو جنت البقیع کی اس قبر میں دفن کیا گیا جسے ابوعثمان نے اپنے لئے کھدوایا تھا۔

حضرت عبداللہ حفیف رحمۃ اللہ علیہ

لوگ یہ دیکھ کر حیران ہوا کرتے تھے کہ شیراز کے شاہی خاندان کا ایک فرد عبداللہؒ تکلفات اور تعیشات شاہی سے بے نیاز بلکہ نفور، نفس کشی اور چلوں میں مشغول رہتا ہے ٹاٹ کا لباس زیب تن کئے ہوئے بیس سال گزر چکے تھے۔ خاندان کے لوگ آپ کے پاس آتے اور کہتے؟ ''عبداللہؒ! یہ تمہیں کیا سوجھی ہے؟ اللہ نے تمہیں سب کچھ دے رکھا ہے لیکن تم نے ٹاٹ کا لباس پہن رکھا ہے کیا یہ کفرانِ نعمت نہیں ہے؟''

عبداللہؒ نے جواب دیا۔ ''کفرانِ نعمت یہ نہیں ہے کہ میں نے اپنے جسم کو دیبا و حریر اور زرکار لباس سے محروم رکھا ہے بلکہ کفرانِ نعمت یہ ہے کہ انسان اپنے اعضائے جسمانی کو اپنے معبود کی عبادت اور شکر گزاری سے محروم رکھے اور میں اپنے رب کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے ایسی عقل عطا فرمائی جس سے میں اپنے دنیوی اور آخروی نفع و نقصان کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں۔''

انہوں نے اپنے کاموں کے لئے ایک آدمی رکھ لیا تھا جو گھر کے علاوہ آپ کے کھانے کی خاص فکر رکھتا تھا۔ آپ کا حکم تھا کہ جب دن بھر کے روزے کے بعد افطار کا وقت آئے تو خادم گن کر سات منقے دے دیا کرے ایک عرصے تک اس پر عملدرآمد ہوتا رہا۔ آپ کی صحت گرتی رہی لیکن آہ نیم شبی میں لذت محسوس ہوتی رہی۔ اس لذت نے ان کے دل سے ضعف و نقاہت کا خیال تک نکال دیا تھا۔

نصف رات گزر چکی تھی وہ خدا کی بارگاہ میں گرے ہوئے آہ زاری میں مشغول تھے لیکن آج روز جیسی لذت اور کیفیت سے محروم تھے۔ وہ جب بھی اپنی زبان سے اللہ کہتے تو

Marfat.com

دل میں وہ چمک اور لذت نہیں پیدا ہوتی تھی جو ہمیشہ کا خاصہ تھا۔ ان کا دل سوز و گداز سے محروم ہو چکا تھا۔ عبداللہؒ بہت پریشان تھے۔ ان کی تو گویا متاع حیات ہی چھن چکی تھی، اب ان کا دل اللہ کی یاد میں نہیں، اس میں مشغول تھا کہ اس سقم کا پتہ چلایا جائے جس نے ان کی لذت و کیفیت چھین کر انہیں خالی کر دیا ہے انہوں نے رات کے پچھلے پہر اپنے خادم کو طلب کیا وہ آنکھیں ملتا ہوا آپ کے سامنے آ کھڑا ہوا، ادب سے عرض کیا "خلاف معمول طلبی پر یہ عاجز پریشان اور خوف زدہ ہے اس ناچیز سے کوئی غلطی تو سرزد نہیں ہو گئی؟"

آپ نے دریافت کیا "میں تجھ سے ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں اور اس یقین کے ساتھ کہ تو جھوٹ نہیں بولے گا۔"

خادم نے عرض کیا "یہ میری مجال کہ میں جھوٹ بولوں اور وہ بھی آپ سے مجھ میں نہ اتنی ہمت ہے اور نہ حوصلہ۔"

آپ نے کہا "آج رات معلوم نہیں کیوں، مجھ پر نیند غلبہ کر رہی ہے اور اعصاب آسودگی سی محسوس کر رہے ہیں میں بڑی کوشش کرتا ہوں کہ ان لذتوں اور کیفیتوں کا مزہ چکھوں، جو ہر رات مجھے حاصل رہی ہیں لیکن انتہائی کوشش کے باوجود میں ان سے محروم ہوں۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تو نے افطار میں مجھے جو منقے دیئے تھے، ان میں کوئی خاص فرق تو نہیں تھا، کوئی تبدیلی؟ کوئی تغیر؟"

خادم سناٹے میں آ گیا، بڑی بے بسی سے آپ کی صورت دیکھنے لگا، بولا، "میں ایک عرصے سے یہ محسوس کر رہا ہوں کہ حضور کی صحت روز بروز گرتی جا رہی ہے اور ضعف و نقاہت سے حضور کی آنکھیں حلقوں میں چلی گئی ہیں اور اوپر کا نصف جسم جھکتا جا رہا ہے میں اس کا اور کوئی علاج تو نہیں کر سکتا تھا، فوری اور قابل عمل جو تدبیر میرے ذہن میں آئی وہ یہ تھی کہ میں حضور کے منقوں کی تعداد میں نہایت ہوشیاری سے اضافہ کرتا چلا جاؤں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ منقوں کی تعداد میں ایک معتد بہ اضافہ حضور کی کمزوری اور نقاہت پر غالب آ جائے گا۔"

Marfat.com

آپ نے غصے میں پوچھا ''تو نے آج افطار میں مجھے کتنے منقے دیئے تھے؟''

خادم نے جواب دیا'' آٹھ منقے آج میں نے ایک کا اضافہ کیا تھا۔''

آپ کو رونا آ گیا، گلوگرفتہ آواز میں بولے۔''ظالم! تو نے یہ کیا غضب کر دیا؟ تو جانتا ہے اس ایک منقے نے میرے جسم میں کیا فتور کر رکھا ہے۔ میرے اعصاب آرام طلبی میں مبتلا ہیں اور دل و دماغ سو جانے پر مائل ہیں۔ آہ! مجھ سے میری آہ نیم شبی کی لذت اور کیفیت چھن گئی۔ تو نے یہ کیا کر دیا ظالم انسان!''

خادم سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ آپ بھی بڑی دیر تک سر جھکائے کچھ سوچتے رہے، آخر فرمایا۔''اب جا، آرام کر، میں تجھ سے صبح بات کروں گا لیکن صبح مجھ سے یہ امید ہرگز نہ رکھنا کہ میں تجھے معاف کر دوں گا تو مجھے جسمانی اذیت پہنچاتا تو میں تجھے معاف کر دیتا لیکن تو نے میری زندگی بھر کی کمائی چھین لی، میرا سوز چھین لیا میری آہ کی لذت لوٹ لی، پھر میں تجھے کس طرح معاف کر دوں گا۔''

خادم نے لجاجت سے عرض کیا۔''میں نے جو کچھ کیا تھا آپ کی بھلائی کے پیش نظر کیا تھا۔''

آپ نے جواب دیا''وہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں کہ مجھے نادان دوست کو اپنے ساتھ نہیں رکھنا ہے تو نے جو کام میری فلاح کے خیال سے کیا تھا اس سے مجھے زبردست نقصان پہنچ گیا کل ایسی نوع کا تو کوئی اور کام میری بہبود کی خاطر کرے گا اور اس سے میں بالکل ہی تباہ و برباد ہو گیا تو کیا ہو گا؟ میں نا ن دوست کو برداشت نہیں کر سکتا۔''

خادم خوفزدہ و لرزیدہ سامنے سے ہٹ گیا اور آپ پوری قوت ارادی سے خدا سے لو لگاتے رہے لیکن اس وقت ان کی عجیب سے کیفیت تھی کسی کسی لمحے سوز درونی کی شمعیں جھلملاتی تھیں اور پھر بجھ جاتیں۔ وہ رونے لگے انہوں نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا۔''اے الہٰ العالمین ایک منقے کی اتنی بڑی سزا نہ دے کہ میں اپنی لذت آہ نیم شبی ہی سے محروم ہو جاؤں۔ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میں اس غلطی کو نظر انداز فرما دے۔ اب

Marfat.com

آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی۔"

صبح آپ نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے خادم کو رخصت کر دیا اور اس کی جگہ دوسرا آدمی رکھ لیا۔ اس واقعے کے بعد لوگ آپ کو خفیف کہنے لگے۔

توکل اور استغنا کا یہ عالم تھا کہ آپ کسی سے اپنا کوئی کام نہ کہتے تھے نہ لیتے، ہاں دوسروں کا کام البتہ کر دیا کرتے تھے۔ آپ نے حج کا ارادہ کیا تو قافلے والوں سے اتنی بے تعلقی اختیار کی کہ صرف پیاس کا خیال رکھا اور کسی چیز کی پروہ نہ کی۔ سامان سفر میں ایک ڈول اور ایک رسی ساتھ لی اور حج کی نیت سے نکل کھڑے ہوئے۔ قافلے والوں کی اتباع، پیروی یا پابندی آپ کے بس کی بات نہ تھی۔ چنانچہ کچھ دور تک تو آپ قافلے کے ساتھ رہے۔ اس کے بعد آپ اس سے الگ ہو گئے۔ بھوک لگتی تو چند منقے کھا لیتے اور پیاس لگتی تو کسی چشمے سے اپنا ڈول بھر کر پیاس بجھا لیتے۔

دوران سفر ایک ایسا مرحلہ بھی پیش آیا کہ کافی دور تک آپ کو کوئی چشمہ نہ ملا۔ پیاس آپ کو تنگ کرنے لگی آپ چشمے کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑا رہے تھے آخر آپ نے کافی فاصلے پر ایک ہرن کو زمین کی طرف سر جھکائے کھڑے دیکھا اس کے کھڑے ہونے کا انداز بتا رہا تھا کہ ہرن پانی پی رہا ہے۔ آپ بے چینی سے اس طرف چل پڑے جب قریب پہنچے تو ہرن ان کی آہٹ محسوس کر کے بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ نے آگے بڑھ کر دیکھا تو نشیب میں ایک چشمہ رواں تھا۔ پانی کی سطح اتنی بلند تھی کہ ڈول رسی کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اگر سطح نیچی ہوتی تو ہرن اپنی پیاس نہ بجھا سکتا۔ آپ نے دونوں ہاتھوں کو چلو بنا کے پانی پینا چاہا لیکن انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ جیسے جیسے وہ ہاتھ پانی کی طرف لے جاتے تھے پانی کی سطح نیچے ہوتی چلی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ پانی کی طرف منہ کے بل کافی جھک گئے اور بڑی کوشش کی کہ پانی پی لیں لیکن پانی تک ان کے ہاتھ نہیں پہنچ سکے۔ آخر تنگ آ کر انہوں نے اپنے ہاتھ کھینچ لئے اور چشمے کے کنارے بیٹھ کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے عرض کیا "میرے مولا! یہ کیا اسرار ہے کہ ابھی تو ہرن نے بھی پانی پیا تھا اور اس وقت اس کی سطح

Marfat.com

اونچی تھی لیکن جب میں نے پانی پینا چاہا تو اس کی سطح حیرت انگیز طور پر نیچی ہوتی چلی گئی کیا تو مجھ سے ناراض ہے؟ خفا ہے؟''

یہ خاموش ہو کر رونے لگے ان کے دونوں رخسار آنسوؤں سے تر ہو گئے کچھ دیر بعد بولے۔''اے اللہ! میں اپنی گریہ وزاری کا جواب چاہتا ہوں مجھے صرف یہ بتا دے کہ کیا میرا مرتبہ ہرن سے بھی کم ہے؟''

یہ خاموش ہو کر رونے لگے ان کے دونوں رخسار آنسوؤں سے تر ہو گئے کچھ دیر بعد بولے اے اللہ میں اپنی گریہ وزاری کا جواب چاہتا ہوں مجھے صرف یہ بتا دے کہ کیا میرا مرتبہ ہرن سے بھی کم ہے؟

انہیں اپنے قریب ہی سے جواب ملا، کوئی کہہ رہا تھا۔ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ ہرن کے پاس ڈول رسی نہیں تھی اس لئے اس کے لئے پانی کی سطح اونچی کر دی گئی تھی لیکن تو نے ڈول رسی کا سہارا لیا، تو اب رو کیوں رہا ہے؟ گریہ وزاری کیوں کر رہا ہے؟ رسی میں ڈول پھنسا اور بھر لے پانی، ہم سے شکوہ کیوں کر رہا ہے؟''

آپ نے بڑی ندامت محسوس کی اور ڈول رسی پھینک کر آگے روانہ ہو گئے۔ بولے ''میں پیاسا رہ لوں گا لیکن اب ڈول رسی کا سہارا نہیں لوں گا۔

آپ کچھ ہی دور گئے ہوں گے کہ پھر آواز سنائی دی عبداللہ کہاں جاتے ہو کیا ناراض ہو گئے؟

عبداللہ لرز گئے، بولے اے اللہ! کیا کسی بندے میں اتنی ہمت ہے کہ اپنے آقا سے ناراض ہو جائے؟

آواز آئی پھر تو پانی پیئے بغیر ہی کیوں چل پڑا۔ جب کہ میں جانتا ہوں کہ تو بہت زیادہ پیاسا ہے۔

عبداللہ نے کہا مجھے میری غیرت اور ندامت نے سختی سے منع کر دیا ہے کہ میں یہ پانی

Marfat.com

ہرگز نہ پیوں۔

جواب ملا نہیں چشمے پر واپس جا اور پانی پی لے۔ دراصل اس طرح تیرے صبر کا امتحان لیا جارہا تھا چشمے پر واپس جاوٴ اس کے پانی سے اپنی پیاس بجھا۔

آپ چشمے پر دوبارہ واپس پہنچے اور یہ دیکھ کر ان کا دل بھر آیا کہ پانی کی سطح اتنی ہی اونچی ہو چکی ہے جتنی ہرن کے پانی پینے کے وقت تھی آپ نے ہاتھ کو چلو بنا کے پانی پینا شروع کر دیا۔ پانی پیتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ جب خوب شکم سیر ہو کر پانی پی چکے تو اس پانی سے وضو بھی کیا۔

آپ حج وغیرہ سے فارغ ہو کر جب بغداد واپس آئے تو آپ نے اس عہد کے سب سے بڑے صوفی جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی اور ان کے سامنے پانی والا واقعہ دہرایا۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اگر تم ذرا سا صبر اور کر لیتے تو چشمہ تمہارے قدموں میں بہنے لگتا۔

آپ خاموش ہو گئے، کچھ دیر بعد فرمایا جنید رحمۃ اللہ علیہ اگر تمہارے جیسا مشیر اور دوست اس وقت مجھے میسر آجاتا تو آج میں اس سعادت سے بھی ہمکنار ہو چکا ہوتا۔

کچھ دن بغداد میں رہنے کے بعد آپ کو کسی نے بتایا۔ عبداللہ تم کیا مراقبہ کرو گے؟

میں نے مصر میں ایک نوجوان کو کچھ ایسا مراقبے میں دیکھا کہ حیران رہ گیا۔ اسے اپنے آس پاس کی کوئی خبر ہی نہیں۔

آپ نے تڑپ کر پوچھا۔ کیا تو مجھے اس شخص کا پتہ بتا سکتا ہے؟

اس شخص نے جواب دیا کیوں نہیں۔

اس کے بعد اس شخص نے آپ کو اس نوجوان کا پتہ بتا دیا۔ آپ اسی وقت مصر روانہ ہو گئے کافی دنوں بعد سفر کی صعوبتیں اور پریشانیاں جھیل کر جب آپ مصر میں اس نوجوان کے پاس پہنچے تو یہ دیکھ کر واقعی حیران رہ گئے کہ اس کے آس پاس لوگوں کا مجمع لگا ہوا ہے مگر

Marfat.com

اس نوجوان کے خضوع وخشوع، انہاک اور مراقبے میں کوئی فرق نہیں آ رہا۔

عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس نوجوان کو سلام کیا۔ لیکن نوجوان نے اسلام کا جواب نہ دیا۔

عبداللہ نے اسے پھر سلام کیا اور نوجوان نے اس بار پھر کوئی جواب نہ دیا۔

آپ نے تیسری بار بھی سلام کیا مگر اس بار بھی جواب سے محروم رہے۔

آپ نے چوتھی بار بھی سلام کیا اور ساتھ ہی کہا اے نوجوان ایسا بھی انہاک اور مراقبہ کس کام کا؟ کہ میں تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ادا کر رہا ہوں اور تو میرے سلام کا جواب تک نہیں دے رہا۔

نوجوان نے اپنا سر اٹھایا اور آہستہ سے جواب دیا۔ اے خفیف میرا خیال ہے کہ تیرے پاس بڑا وقت ہے اور تم اپنے اہم کام کو انجام دے کر فرصت حاصل کر چکے ہو حالانکہ تمہیں اس حقیقت کا علم ہونا چاہیے تھا کہ دنیا بہت قلیل اور عمر بہت مختصر ہے اگر تم چاہو تو اس قلت سے کثرت حاصل کر لو لیکن تمہارا یہ حال ہے کہ تم نے میرے جیسے بے کار آدمی سے ملنے کی خاطر مصر تک کا سفر کیا اور بار بار سلام کر کے اپنا ہی نہیں بلکہ میرا بھی وقت ضائع کرنا چاہتے ہو۔

اتنا کہہ کر اس نے عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کا بھی انتظار نہیں کیا اور پھر مراقبے میں چلا گیا۔

جب یہ اس نوجوان کے پاس پہنچے تھے تو ان کا بھوک سے بہت برا حال تھا لیکن نوجوان کے جواب نے ان کی بھوک اڑا دی تھی یہ اس کے قدموں میں بیٹھ گئے اور کہنے لگے اے نوجوان! میں نے تو فیصلہ کر لیا ہے کہ ظہر اور عصر کی نماز میں تیرے ساتھ ہی پڑھوں گا۔

آپ اطمینان سے اس کے پاس بیٹھ گئے ظہر سے ذرا پہلے یہ شخص مراقبے سے بیدار ہوا اور آہستہ سے کہا، اے خفیف! آؤ ہم دونوں ظہر کی نماز پڑھ لیں۔

دونوں نے ظہر کی نماز پڑھ لیں۔

Marfat.com

دونوں نے ظہر کی نماز پڑھی اور اس کے بعد عصر کی نماز بھی ایک ساتھ ادا کی آپ نے اس نوجوان کا بہت شکریہ ادا کیا اور کہا میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے میری خواہش پوری کی اور دو نمازیں میرے ساتھ ادا کیں اب ایک آخری خواہش بھی پوری کر دے۔

نوجوان نے پوچھا۔ کون سی خواہش؟

آپ نے جواب دیا۔ میں چاہتا ہوں تو مجھے کوئی نصیحت کرے۔

نوجوان نے کہا خفیف! جو شخص خود ہی گرفتار بلا ہو، اس کی زبان اس لائق کہاں کہ کسی کو نصیحت کرے میں تو خود ہی ایک عرصے سے یہ امید لگائے ہوئے ہوں کہ کوئی مجھے نصیحت کرے۔

عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ اے شخص! میں کوئی نصیحت سنے بغیر واپس نہ جاؤں گا۔

نوجوان نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ خفیف! اس وقت تمہارے اصرار پر میں ایک ہی نصیحت کروں گا وہ یہ کہ تم ہمیشہ ایسوں کی صحبت اختیار کرو، جن سے خدا کی یاد تازہ رہے اور یہ لوگ ایسے ہوں جو خدا کی یاد کی زبانی تلقین نہ کرتے ہوں بلکہ صحیح معنوں میں عمل کر کے تمہیں اس کا عامل بنا دیں۔

آپ اس نصیحت پر زار و قطار روئے اور کہا۔ آہ میں ایسے دوست کہاں پاؤں گا جو اپنے عمل سے مجھے خدا کی یاد پر ڈال دیں جب کہ میں خود بھی اس راہ کا ایک ادنیٰ سا مسافر ہوں۔

آپ نے واپسی میں ایک جنگل سے گزرتے ہوئے ایک لاش پڑی دیکھی اس لاش کے آس پاس آہستہ آہستہ لوگ آ آ کر جمع ہو رہے تھے آپ ان لوگوں کے قریب پہنچے اور پوچھا یہ کس شخص کی لاش ہے؟

کسی نے جواب دیا یہ ہمارا راہب تھا اور اس نے اپنی پوری زندگی خدا کی یاد میں گزار دی؟

Marfat.com

آپ نے دریافت کیا اب اس لاش کا تم لوگ کیا کرو گے؟ جواب ملا۔ اس راہب نے مرنے سے پہلے ایک وصیت کی تھی ہم لوگ اس پر عمل کرنے جا رہے ہیں۔

آپ نے تعجب سے پوچھا اس نے کیا وصیت کی تھی؟

جواب دیا گیا اس نے کہا تھا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے دفن کرنے کی بجائے جلا دیا جائے اور میری راکھ کو محفوظ کر لیا جائے اور یہ راکھ ان لوگوں کی آنکھوں میں سرمے کے طور پر لگائی جائے جن کی آنکھیں خراب ہوں یا ان کی بینائی رخصت ہو چکی ہو۔

آپ نے کہا لیکن اس عمل کا فائدہ؟

کسی نے جواب دیا اس عمل کا فائدہ یہ ہوگا کہ خراب آنکھ ٹھیک ہو جائے گی اور کور چشم بینا ہو جائیں گے۔

آپ کو ان باتوں پر یقین نہیں آیا۔ آپ وہیں کھڑے ہو کر لاش کے جلنے کا منظر دیکھنے لگے۔ لوگوں نے واقعی راہب کی راکھ کو اپنی اپنی شیشیوں میں محفوظ کر لیا۔ آپ ان کی خوش عقیدگی پر افسوس کرتے رہے آپ نے پوچھا کیا تم لوگوں کو واقعی یقین ہے کہ اس راکھ سے خراب آنکھیں درست اور نابینا بینا ہو جائیں گے؟

ایک کٹر مسیحی نے طنزاً کہا۔ تم مسلمان ہو اس لئے تمہیں ہماری باتوں پر یقین نہیں آ رہا لیکن میں تمہیں اس کا مشاہدہ ہی کیوں نہ کرا دوں۔

وہ مسیحی آپ کو اپنے گھر لے گیا اور میزبانی کے فرائض انجام دیئے اس کے بعد اس نے بستی کے ان آدمیوں کو تلاش کرنا شروع کر دیا جن کی آنکھیں خراب تھیں یا ان کی بینائی رخصت ہو چکی تھی بمشکل اس نے چار آدمی تلاش کر لئے ان میں تین کی تو آنکھیں خراب تھیں اور ایک اندھا تھا۔

اس مسیحی نے ان چاروں کو عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کھڑا کر دیا، کہا حضرت ان چاروں کی آنکھیں ملاحظہ فرمالیں ان میں سے تین کی تو آنکھیں خراب ہیں اور ایک نابینا ہے

Marfat.com

اب میں اس راکھ کا اثر آپ کو دکھانا چاہتا ہوں۔

آپ دم بخود، حیرت زدہ یہ تماشا دیکھنے لگے۔

اس مسیحی نے یکے بعد دیگرے خراب آنکھوں میں راکھ کی سلائیاں پھیریں اور انہیں ایک تاریک کمرے میں لے جا کر چھوڑ دیا۔ بولا جب تک میں بلاؤں نہ تم تینوں اندر ہی رہو گے۔

یہ تینوں کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گئے۔ آخر میں اس نے نابینا کی آنکھوں میں راکھ کی سلائیاں پھیر کر انہیں پٹی سے باندھ دیا اور کہا تم یوں ہی بیٹھے رہو، یہ پٹی میں خود ہی کھولوں گا۔

عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ حیرت سے یہ سب دیکھتے رہے۔ وہ شخص آپ کو لے کر اس کمرے میں چلا گیا جہاں ان کی اقامت کا انتظام کر دیا گیا تھا آپ نے شام تک کا وقت بڑی بے چینی اور اضطراب میں گزارا۔ مغرب کے بعد آہستہ آہستہ اندھیرا پھیلنے لگا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دن کی سپیدی کو رات کو چادر نے لپیٹ کر انسانی نظروں سے اوجھل کر دیا اس رات آسمان پر بارہویں کا چاند چمک رہا تھا اور چاند کی روشنی میں ستارے اپنی چمک دمک کمزور کر چکے تھے۔ مسیحی، عبداللہ سے باتیں کرتے کرتے اپنی جگہ سے اٹھا اور کہا شاید اب وقت آ گیا ہے کہ میں ان چاروں کو آپ کے پاس لے آؤں اور راہب کی راکھ کے کرشمے دکھا دوں۔

آپ نے پوچھا کیا تیرا یہ خیال ہے کہ وہ فضول راکھ اپنا کام کر چکی ہوگی۔

مسیحی نے کہا جناب! آپ کی بڑی مہربانی ہوگی اگر آپ اس مقدس راکھ کو فضول نہ کہیں۔

آپ نے آہستہ سے کہا اگر میری اس بات نے تیرے دل کو دکھ پہنچایا ہے تو میں معذرت خواہ ہوں۔

مسیحی ان تینوں کو کمرے سے باہر لے آیا ان تینوں نے ابھی تک اپنی آنکھیں بند کر

Marfat.com

رکھی تھی مسیحی نے ایک شخص کو عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قریب کھڑا کر دیا اور اسے حکم دیا۔ اے شخص آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں کھول اور ہمیں بتا کر اس راکھ نے کوئی اثر کیا یا آنکھیں اب بھی خراب ہیں؟

اس شخص نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولنا شروع کر دیں اور جب اس کی دونوں آنکھیں پوری طرح کھل گئیں تو وہ خوشی سے میں چیخ اٹھا۔ آہ، اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میری آنکھیں بالکل درست ہو چکی ہیں۔

آپ کو اس کی باتوں پر یقین نہیں آیا اس شخص سے کہا اے شخص تو جو کچھ کہہ رہا ہے وہ درست ہے یا اپنے مذہب اور عقائد کی طرفداری میں ایسی بات کر رہا ہے؟

اس شخص نے جواب دیا میں نہیں جانتا کہ تو کون ہے اور ایسی بات کیوں کر رہا ہے لیکن میں اب مسیح کی قسم کھا کر تجھے یقین دلانے کی کوشش کروں گا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تو اس کی صداقت پر شک وشبہ نہ کر۔

اس کے بعد دوسرے اور تیسرے شخص کی آنکھیں بھی کھلوائی گئیں اور ان دونوں نے بھی ویسی ہی باتیں کیں جیسی پہلا شخص کر چکا تھا ان تینوں کی آنکھیں درست ہو چکی تھی۔

آپ نے مسیحی سے کہا بھائی میں حیران ہوں اور مجھے ان تینوں کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ کسی مردے کی راکھ دوا کا کام دے۔

مسیحی نے جواب دیا اے مسلمان درویش! مردے کی راکھ کہہ کر ہمارے مقدس بزرگ کی بے حرمتی نہ کیجئے۔ اگر وہ مقدس نہ ہوتا تو کبھی بھی اس کی راکھ میں یہ اثر نہ ہوتا۔

آپ نے کہا اب اس نابینا کی پٹی تو کھول کر دکھاؤ۔ اس اعتبار سے وہ گویا بینا ہو چکا ہوگا۔

بے شک مسیحی نے جواب دیا مجھے اس پر ذرا سا بھی شبہ نہیں۔

اس کے بعد وہ مسیحی اس نابینا کو لے آیا اور آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں پر سے پٹی

Marfat.com

ہٹانے لگا۔

ایک آنکھ پر سے ذرا سی پٹی ہٹا کر اس نے کہا۔ اے شخص اپنی آنکھ کے گوشے سے دنیا دیکھنے کی کوشش کر، کیا تجھے کچھ نظر آیا۔

اس شخص نے جواب دیا ہاں میں اپنی آنکھ کے کھلے ہوئے گوشے سے بادلوں کا جھنڈ دیکھ رہا ہوں یا پھر ایسا ہے کہ میں کہر آلود فضا میں کھڑا ہوں۔

مسیحی نے پٹی ذرا سی اور کھسکا دی، پوچھا اور اب؟

بادل بدستور موجود ہے، کہر آلود فضا۔

اس کے بعد مسیحی نے پوری پٹی ہٹا دی نابینا کی بینائی واپس آچکی تھی۔ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ حیران تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ کیا مسیحی حق پر ہیں؟ کیا ایک راہب اپنی موت کے بعد بھی مخلوق کے لئے اتنا مفید اور فائدہ رساں ہو سکتا ہے؟ یہ سوالات انہیں پریشان کرتے رہے رات کو جب یہ سو گئے تو خواب میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم مقبول کو دیکھا، آپ نے فرمایا اے خفیف تم الجھنوں کا شکار کیوں ہو گئے ہو؟

ان باتوں سے تمہیں ایک بات ذہن نشین کر لینی چاہیے صدق ریاضتم سے باطل دین والوں میں بھی یہ اثر پیدا ہو سکتا ہے اگر دین حق والے بھی صدق ریاضت سے کام لیں تو ان میں اس راہب سے زیادہ کمالات پیدا ہو سکتے ہیں۔ صدق و دیانت، ریاضت اور خلوص، یہ کہیں بھی ہوں، ظاہر ہو کر رہتے ہیں۔

آپ کے دل کو قرار آ گیا اور کچھ دن اس مسیحی کے مہمان رہ کر شیراز کے لئے روانہ ہو گئے۔

آپ نے ایک بار پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم مقبول کو خواب میں دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا اے خفیف! اگر راہ طریقت کا واقف بھی اس راستہ پر گامزن نہ ہو گا تو محشر میں یہی شخص عذاب کا سب سے زیادہ مستحق قرار پائیگا۔

Marfat.com

آپ پر اس قول کا اتنا شدید اثر ہوا کہ آپ نے اتباع سنت میں انگوٹھوں کے بل پر کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیابی نہ حاصل کر سکے۔ آپ نے زارو قطار روتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے تو بڑی کوشش کی کہ آپ کی اتباع میں انگوٹھوں کے بل کھڑے ہو کر نماز پڑھو لیکن اس میں ناکام رہا اب آپ ﷺ ہی فرمایئے کہ میں راہ طریقت پر کس طرح چلوں کہ محشر میں مجھے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

آپ نے اسی رات خواب میں دیکھا۔ رسول اللہ صلعم فرما رہے ہیں اے خفیف! انگوٹھوں کے بل کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا تیرے بس کی بات نہیں ہے یہ بات میری ذات تک مخصوص تھی تجھے اس معاملے میں میری اتباع نہیں کرنا چاہیے۔

ایک بار آپ نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہو چکی ہے ہر طرف نفسانفسی کا بازار گرم ہے لوگ حیران و سرگرداں ادھر ادھر بھٹکتے پھر رہے ہیں پل صراط پر لوگوں کا ہجوم ہے اور اس پر سے گزرنا مشکل ہو رہا ہے اسی عالم میں آپ نے دیکھا ایک چھوٹا سا بچہ کسی طرف سے نمودار ہوا اور ایک شخص کا ہاتھ پکڑ لیا، بولا۔ ابا جان آپ یہاں کھڑے کیا اگر رہے ہیں؟ ادھر آیئے میرے ساتھ تاکہ میں آپ کو پل صراط کے اس پار پہنچا دوں۔

اس شخص نے اپنا ہاتھ اس لڑکے کے ہاتھ میں دے دیا۔ لڑکے نے اسے نہایت آسانی سے پل صراط کے اس پار پہنچا دیا۔ سامنے ہی جنت تھی، لڑکے نے کہا ابا جان! آیئے میرے ساتھ، میں آپ کو جنت میں داخل کرا دوں۔

چنانچہ اس لڑکے نے اپنے باپ کو جنت میں پہنچا دیا اور خود کہیں غائب ہو گیا۔

آپ نے بیدار ہوتے ہی کسی عورت سے نکاح کر لیا۔ اس کے گیارہ ماہ بعد گھر میں ایک حسین بچہ پیدا ہوا جو چند گھنٹے زندہ رہ کر چل بسا۔ بیوی چیخیں مار مار کر رونے لگی۔ آپ بھی بہت اداس تھے، آہستہ آہستہ چل کر بیوی کے پاس پہنچے اور کہا بی بی! تم استقامت رو، خدا کی مشیت میں کوئی کس طرح دم مار سکتا ہے۔ رضائے الٰہی پر تمہیں اپنا سر جھکا دینا چاہیے

Marfat.com

کیونکہ اللہ اس بات سے بہت خوش ہوتا ہے۔

بیوی نے روتے ہوئے پوچھا کیا آپ میرے پاس اس قسم کی کر کے دل دکھانے آئے ہیں میں کس طرح صبر کرلوں۔

آپ نے جواب دیا۔تم کس طرح یہ کہہ سکتی ہو کہ مجھ میں یا میرے کسی رویے میں تمہارے لئے تکلیف اور اذیت کا محرک پایا جاتا ہے۔ میں نے تو تم سے کسی اور ہی مقصد سے شادی کی تھی، آج وہ مقصد پورا ہو چکا ہے اس لئے مجھے اجازت دیجئے میں کہیں اور چلا جاؤں گا میں تمہیں طلاق بھی دے سکتا ہوں کیونکہ لڑکے کی پیدائش اور اس کی فوری موت نے میرے مسائل حل کر دیئے اب میں اس فکر سے بے نیاز ہو چکا ہوں۔

بیوی نے آہستہ سے جواب دیا۔ میں طلاق لینے کے لئے یہ شادی نہیں کی تھی۔ میں طلاق کیوں لوں؟

آپ نے جواب دیا اگر تم اب بھی میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو میں ہر طرح سے حاضر ہوں۔

بیوی کا دل گداز اور کمزور تھا، شوہر کو اداس اور ملول دیکھ کر خود بھی رونے لگی۔

آپ کے مریدوں میں دو ایسے بھی تھے جن کا نام احمد تھا۔آپ نے ان دونوں میں تمیز کی خاطر ایک کا نام احمد کہہ اور دوسرے کا نام احمد مہ رکھ دیا لیکن آپ کو احمد کہہ سے بڑی انسیت تھی۔ حالانکہ عبادت اور ریاضت میں احمد مہ کا کوئی جواب ہی نہ تھا۔ دوسرے مرید نے جب یہ دیکھا کہ ایک دیندار کے مقابلے میں دوسرے کمتر درجے کے دیندار کو زیادہ چاہا جا رہا ہے تو وہ پریشان ہو گئے۔ ایک دن ایک مرید نے عرض کیا۔ حضرت میں ایک بات معلوم کرنے کی جسارت کر رہا ہوں اگر اس کا صحیح جواب مل جائے گا تو میں نہایت خشوع و خضوع سے یاد الٰہی میں مشغول رہ سکوں گا۔

آپ نے کہا وہ کیا؟ پوچھو۔

Marfat.com

مرید نے عرض کیا آپ کے دونوں مرید احمد کہہ اور احمد مہ میں جو زیادہ عبادت گزار اور متقی ہے آپ اس کے مقابلے میں اسے زیادہ چاہتے ہیں جو نسبتا کم عبادت گزار ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ مین تیرے سوال کا جواب کسی خاص وقت پر دوں گا اس کے لئے تجھے انتظار کرنا ہوگا۔

مرید چپ ہو گیا اس بات کو ایک عرصہ گزر گیا آپ ایک بڑے اجتماع سے مخاطب تھے۔ آپ کے دلکش انداز وعظ گوئی نے مجمع پر سحر سا کر رکھا تھا۔ وعظ کے خاتمہ پر آپ نے احمد مہ سے کہا احمد مہ میرا ایک کام تو کر دے۔

احمد مہ نے ادب سے عرض کیا ارشاد، ایک کیا دس کام اشاد فرمایئے ہمیں یہ دل و جان اس کی تعمیل کروں گا۔

آپ نے کہا۔ میرے اونٹ کو، جو باہر بندھا ہوا ہے، ذرا اوپر چھت پر باندھ دے۔

احمد مہ نے کہا حضرت ذرا غور تو فرمایئے، اونٹ کوئی بکری یا بھیڑ کا بچہ تو ہے نہیں جسے میں گود میں لے کر چھت پر پہنچا دوں۔

آپ نے احمد کہہ کو آواز دی۔ احمد کہہ ذرا میرے قریب تو آنا۔

احمد کہہ بھاگا بھاگا آپ کے روبرو آ کھڑا ہوا۔ ارشاد!

آپ نے فرمایا:۔ ذرا میرے اونٹ کو چھت پر لے جا کر باندھ تو دے۔

احمد کہہ نے گردن جھکا کر بصد ادب عرض کیا۔ بہتر ہے، ابھی لیجئے احمد کہہ فوراً اٹھا اور اونٹ کے پاس پہنچ گیا اس نے اونٹ کو دونوں ہاتھوں میں سمیٹنے کی کوشش کی لیکن اس کا ایک ہاتھ اگر اونٹ کی پچھلی ٹانگ پر تھا تو دوسرا اونٹ کے نصف حصے تک پہنچ کر رک جاتا تھا۔ اس نے کئی بار کوشش کی کہ اونٹ کو گود میں اٹھا لے لیکن ناکام رہا۔

آپ اپنے چند مریدوں کو ساتھ لے کر احمد کہہ کے پاس پہنچ گئے ان میں وہ مرید بھی شامل تھا جس نے کچھ عرصہ پہلے یہ سوال کیا تھا کہ آپ عبادت گزار احمد مہ کے مقابلے میں

Marfat.com

نسبتاً کم عبادت گزار احمد کہہ کو کیوں زیادہ چاہتے ہیں، آپ نے اپنے مریدوں کے ساتھ یہ تماشا دیکھا کہ احمد کہہ پسینے میں تر بتر اونٹ کو اٹھا لینے کی کوشش میں ہلکان ہو رہا ہے لیکن اونٹ کو جنبش تک نہیں دے پا رہا۔ آپ نے احمد کہہ سے کہا۔ اب بس کر، اگر اونٹ تیرے اٹھائے نہیں اٹھتا تو مت اٹھا میرا منشا پورا ہو چکا۔

مرید حیرت سے آپ کی شکل دیکھنے لگے۔ احمد کہہ نے عرض کیا۔ حضرت میں کوشش کر رہا ہوں کہ آپ کا حکم بجا لاؤں۔

آپ نے کہا میرا حکم تو تو بجا لایا اب مزید ہلکان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اونٹ تیرے اٹھائے نہیں اٹھے گا۔

جس مرید نے کچھ عرصہ پہلے اعتراض کیا تھا، اس نے کہا۔

آپ کو خود بھی اس کا پہلے ہی علم ہوگا کہ اونٹ اس کے اٹھائے نہیں اٹھے گا پھر اسے خواہ مخواہ ہلکان فرمایا۔

آپ نے جواب دیا۔ تجھے اور تیرے جیسے دوسروں کو یہ بتانے کے لئے کہ میں عبادت گزار احمد مہ کے مقابلے میں کم عبادت گزار احمد کہہ کو کیوں زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔

مرید نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا۔ اس طرح اس ناچیز کی سمجھ میں یہ بات اب بھی نہیں آئی۔

آپ نے جواب دیا۔ میں نے ایک ہی حکم دونوں کو دیا ان میں سے جو زیادہ عبادت گزار تھا، وہ اپنی عبادت پر نازاں رہا اور میرے حکم کی بجا آوری کے بجائے یہ عذر پیش کر دیا کہ اونٹ کو چھت پر لے جانا اس کے بس کی بات ہی نہیں اس کے برعکس احمد کہہ جو تم سب کی نظروں میں احمد مہ کے مقابلے میں کم عبادت گزار ہے، میرا زیادہ فرمانبردار ہے۔ چنانچہ جب میں نے اسے یہ حکم دیا کہ اونٹ چھت پر باندھ دے تو اس غریب نے کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ تعمیل حکم کی کوشش میں مشغول ہو گیا مجھے ایسا ہی انسان زیادہ پسند ہے جو حکم کی بجا

Marfat.com

آوری میں احمد کہہ جیسا ہو۔

معترض معید اور اس جیسے دوسرے مریدوں کو اپنے اپنے شک وشبہات کا جواب مل چکا تھا وہ اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔

ایک شخص آپ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ میرے ساتھ کھانا تناول فرمانے کی سعادت عطا فرمائیں۔

آپ نے پہلے تو تامل سے کام لیا لیکن جب اس کا اصرار بہت زیادہ بڑھ گیا تو آپ نے کی دعوت قبول کر لی اور ارشاد فرمایا مجھے کھانے کے وقت اپنے ساتھ لے جانا۔

وہ شخص چلا گیا اور کھانے کا اہتمام کرنے لگا جب کھانا پک چکا تو وہ آپ کو بلانے آ گیا۔

آپ کھانا کھانے بیٹھے تو پہلے ہی لقمے پر کچھ کراہت سی محسوس ہوئی۔ آپ کو گوشت میں کچھ خرابی محسوس ہوئی۔ صاحب خانہ نے پوچھا حضرت کوئی خاص بات؟

آپ نے اس کی پردہ پوشی کی نہیں تو کوئی خاص بات نہیں اس شخص نے نہایت عقیدت اور محبت سے عرض کیا حضرت میں ایک سعادت اور حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

آپ نے پوچھا وہ کیا؟

اس نے عرض کیا۔ میں لقمے اپنے ہاتھ سے آپ کو کھلانا چاہتا ہوں آپ نے اپنے ہاتھ کھینچ لئے، بولے تو اپنی یہ خواہش بھی پوری کر لے اس شخص نے اپنے ہاتھ سے آپ کو کھلانا شروع کر دیا جیسے جیسے آپ لقموں کو چباتے تھے آپ کو گوشت کی خرابی اور سڑاند کا شدید احساس ہوتا جا رہا تھا جب وہ آپ کے چہرے سے نظریں ہٹا لیتا تو آپ کے چہرے پر کراہت کی شکنیں نمودار ہو جاتیں اور جب وہ دیکھنے لگتا تو آپ ضبط و احتیاط سے کام لیتے کہ کہیں اس کی دل شکنی نہ ہو جائے لیکن آخر کار صاحب خانہ کو اس کا احساس ہو گیا کہ گوشت صحیح نہیں ہے اور اس میں سے سڑاند محسوس ہو رہی ہے اس نے شرمندگی سے منہ چھپا لیا آپ

Marfat.com

نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا اور اسے اچھی طرح نادم ہونے کا موقع دیا۔

اسی سال آپ ایک بار پھر حج پر روانہ ہو گئے۔ آپ جس قافلے کے ساتھ سفر کر رہے تھے، وہ قادسیہ پہنچ کر راستہ بھول گیا یہ اپنے قافلے کے ساتھ بھٹکنے لگے پاس کھانے کو جو کچھ تھا ختم ہونے لگا آس پاس کوئی بستی بھی نہ تھی یہ کئی دن تک بھٹکنے کے بعد اپنا کھانے پینے کا سامان تک ختم کر بیٹھے اور نوبت فاقوں تک پہنچ گئی، ان لوگوں نے کھانے کے لئے بڑی دوڑ دھوپ کی لیکن بڑی مایوسی رہی اور بھوک حد سے تجاوز کرتی رہی آخر وہ لوگ اضطراری حالت کو پہنچ گئے جہاں حرام بھی حلال ہو جاتا ہے بھوک۔ نے ان سب کو جاں بلب کر رکھا تھا قافلے کے لوگ ادھر ادھر پھیل گئے وہ آبادی کی تلاش میں پریشان اور سرگرداں تھے آخر شام کے وقت قافلے ایک آدمی نے انہیں اطلاع دی کہ اس ویرانے میں ایک گھر ایسا مل گیا ہے جس کے پاس ایک ہی جانور ہے جسے وہ چالیس دینار سے کم پر دینے کو تیار نہیں۔

آپ نے جواب دیا؟ اسے فورا حاصل کر لیا جائے کیونکہ اہل قافلہ کی بھوک حالت اضطراری میں داخل ہو چکی ہے۔

خبر دینے والے نے ذرا تامل سے کہا۔ لیکن یہ بھی تو سنئے کہ وہ جانور کون سا ہے؟

آپ نے جواب دیا۔ وہ کوئی سا بھی ہوا، اس حالت میں تو حرام بھی حلال کر دیا گیا ہے۔

اس شخص نے قافلے والوں سے پوچھا آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟

اہل قافلہ نے متفقہ عرض کیا۔ عبداللہ خفیف علیہ الرحمۃ صحیح کہہ رہے ہیں۔

اس شخص نے آنکھیں بند کر لیں اور دانت بھینچ کر عرض کیا۔

حضرت وہ جانور کتا، موٹا تازہ خاصے تن و توش کا بنے جیسا ہے۔

قافلے والوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

اس شخص نے کہا۔ آپ لوگ جلدی فیصلہ کر لیجئے کیا اس بھوک کو کتے کے گوشت سے

Marfat.com

مٹانے کی ہمت رکھتے ہیں آپ لوگ؟

ان میں سے بیشتر کی حالت اتنی خراب ہو چکی تھی کہ صبح تک ہلاک ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا ان میں سے ایک نے جواب دیا بھوک سے مر جانے کی نسبت یہ زیادہ اچھا ہے کہ کتے کا گوشت کھا کر زندہ رہا جائے اس طرح ہمیں زندگی کے کچھ دن تو مل جائیں گے اور ہم ان دونوں میں اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کر سکیں گے، جس سے اس حرام کے گناہ کو دھو دیں گے۔

اس شخص نے عبداللہ خفیف رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا اور آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا۔ میں حالت اضطراری میں حرام کو حلال قرار دیتا ہوں۔

اس وقت آپ کو وہ شخص یاد آ رہا تھا جس نے آپ کی دعوت کی تھی کہ گوشت کی سڑاند کا علم ہو جانے کے بعد شرمندہ اور نادم ہو کر ایک طرف جا بیٹھا تھا اور آپ نے اس کی ندامت دور کرنے کی ذرا سی بھی کوشش نہ کی تھی آپ کو اچانک احساس ہوا کہ یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے، اس کے عذاب میں ہو رہا ہے آپ کو اس شخص کی ندامت اور دل شکنی کا خیال ضرور کرنا چاہیے تھا شاید یہ کتے کا گوشت اسی سزا میں کھلایا جا رہا ہے۔

چالیس دینار میں فربہ کتا خرید لیا گیا۔ اسے ذبح کر کے بھونا گیا اور قافلے والوں نے خوب مزے لے لے کر اپنی بھوک مٹائی۔ لیکن عبداللہ خفیف رحمۃ اللہ علیہ ان سب سے دور بیٹھ کر ان کے کھانے کا منظر دیکھتے رہے وہ اس وقت کفارہ ادا کر رہے تھے وہ مزید بھوکے رہ کر خود کو سزا دے رہے تھے۔ آنتیں کھرچ رہی تھیں اور سارے جسم میں سنسناہٹ سی دوڑ رہی تھی لیکن انہوں نے حیرت انگیز قوت برداشت کا مظاہرہ کیا اور کھانے کا ایک لقمہ بھی اپنی زبان پر نہیں رکھا۔

آپ نے آخری عمر میں بادشاہ کے دربار میں جانا شروع کر دیا تھا لوگ اس تغیر پر حیران تھے لیکن آپ بڑی پابندی سے دربار جانے لگے تھے آپ کے مرید اس پر معترض تو

Marfat.com

تھے لیکن زبان سے کچھ بھی نہ کہتے تھے کسی نے احمد کبہ کو آمادہ کرنا چاہا کہ وہ آپ سے پوچھے کہ آپ نے بادشاہ کی درباداری کیوں شروع کر دی ہے لیکن احمد کبہ نے صاف انکار کر دیا کہ میں یہ سوال نہیں کروں گا۔ آپ دربار جارہے تھے اور آپ کے مرید گومگو میں بیٹھے یہ منظر دیکھ رہے تھے ان میں سے ہر شخص اس تبدیلی کو بڑی ناگواری سے محسوس کر رہا تھا جب آپ دربار چلے گئے تو آپ کی عدم موجودگی میں دو درویش نہایت دور دراز سے سفر کر کے آپ کی ملاقات کو حاضر ہوئے۔ انہوں نے پوچھا عبداللہ خفیف کہاں ہیں؟

کسی مرید نے کہا۔ وہ بادشاہ کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔

درویشوں نے حضرت سے کہا عبداللہ خفیف رحمۃ اللہ علیہ اور بادشاہ؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

مرید نے جواب دیا ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں سچ کہہ رہے ہیں، ادھر کچھ دنوں سے وہ شاہی دربار میں باقاعدگی سے حاضری دے رہے ہیں۔

ایک درویش نے اپنے ساتھی دوسرے درویش سے کہا۔ یہ کیسے بزرگ ہیں جو شاہی دربار جایا کرتے ہیں حالانکہ درویشوں کو شاہوں اور ان کے درباروں سے کیا تعلق؟

دوسرے درویش نے جواب دیا۔ خدا عالم الغیب ہے، وہی چھپی باتوں اور دلوں کے رازوں سے واقف ہوتا ہے۔

دونوں درویش آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ عبداللہ خفیف کا کہاں انتظار کیا جائے؟ ان کی خانقاہ میں یا کہیں اور پھر دونوں نے یہ طے کیا کہ شیراز کے بازاروں میں گھوم پھر لیا جائے یہ طے کر کے دونوں بازار کی طرف نکل گئے وہ کافی دیر تک گھومتے پھرتے رہے اچانک ان کی نظریں ایک درزی پر پڑیں ایک درویش کے خرقے کی جیب پھٹی ہوئی تھی اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔ میرا خیال ہے وقت غنیمت ہے، کیوں نہ میں اپنے خرقے کی جیب سلوالوں

Marfat.com

دوسرے درویش نے تائید کی، بولا بے شک، وقت غنیمت ہے۔

دونوں درزی کی دکان پر بیٹھ گئے اور ایک درویش نے اپنا خرقہ اتار کر درزی کے حوالے کیا اور کہا۔ او بھائی درزی! ذرا میری یہ پھٹی ہوئی جیب تو سی دے۔

درزی نے خرقہ لیا اور جیب سینے لگا اسی دوران اسے قینچی کی ضرورت پیش آ گئی اس نے اپنے سامان میں قینچی تلاش کی لیکن وہ نہیں ملی اس نے ان درویشوں کی طرف دیکھا کوسوں کی مسافت طے کئے ہوئے یہ درویش پراگندہ و پریشان عجیب بے اعتبار سے محسوس ہوئے درزی نے ان سے پوچھا۔ تم دونوں نے میری قینچی تو نہیں دیکھی؟

دونوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔ بابا ہم دونوں اس شہر میں نو وارد ہیں اور بھلا ہمیں تیری قینچی کا کیا علم؟ یہ سوال تو تو ان سے کر جو تیری دکان پر اٹھتے بیٹھتے ہیں۔

درزی کا شک اور بڑھا بولا سیدھی طرح بتا دو کہ میری قینچی کہاں ہے ورنہ میں کوئی دوسرا طریقہ اختیار کروں گا۔

ایک درویش نے کہا۔ تو دوسرا نہیں تیسرا طریقہ اختیار کر، جب ہمارے پاس تیری قینچی موجود نہیں تو تیرا دوسرا یا تیسرا طریقہ اسے کہاں سے فراہم کر دے گا۔

درزی نے کہا۔ تم دو ساتھی ہی میری دکان پر آئے تھے یا تمہارے ساتھ کوئی تیسرا بھی تھا؟

ایک درویش نے جواب دیا ہم دو ساتھی ہیں، بہت دور سے دو ہی آئے ہیں اور تیری دکان پر بھی ہم دونوں ہی آئے ہیں تیسرے ساتھی سے تیری کیا مراد ہے؟

درزی نے کہا۔ تم دونوں کا کوئی تیسرا ساتھی ضرور ہو گا اور تم دونوں نے میری قینچی اس کے حوالے کر کے اسے چلتا کر دیا ہو گا۔

دونوں درویشوں کو غصہ آ گیا، ایک نے ذرا جوشیلے لہجے میں کہا۔ تیرا دماغ تو صحیح ہے، تو ہم دونوں کو چور ٹھہراتا ہے تجھے شرم آنی چاہیے ہم درویشوں کا چوری چکاری سے کیا

Marfat.com

تعلق؟

درزی نے کہا۔ میں تمہاری کوئی بات نہ سنوں گا بس سیدھی طرح میری قینچی فراہم کر دو، ورنہ میں پولیس کو بلالوں گا۔

ایک درویش نے عاجزی سے کہا۔ بھائی یہ تجھے ہو کیا گیا ہے جو ہم کو چور بناتا ہے، کچھ تو خدا کا خوف کر۔

درزی نے جواب دیا۔ میں خدا کا خوف کیوں کروں؟ تم چوری کر کے تو خدا سے ڈر نہیں رہے اور مجھے خدا کے خوف سے ڈرا رہے ہو۔ کمال کے ہو تم دونوں۔

دوسرے درویش نے کہا بھائی! یہ تکرار بعد میں کر لینا، پہلے میرے خرقے کی جیب تو سی دو۔

درزی نے خرقہ اٹھا کر دوکان کے اندر پھینک دیا اور کہا۔ اب یہ اس وقت تک نہیں ملے گا جب تک تم دونوں میری قینچی نہیں دو گے۔

ایک درویش نے اپنا سر پکڑ لیا، پیشانی دباتا ہوا بولا۔ بھائی تو نے تو کمال ہی کر دیا ہم دونوں پر چوری کا الزام لگاتا ہے اور خدا کے غضب سے ذرا بھی نہیں ڈرتا۔

درزی نے جھنجھلا کر کہا دیکھو مجھے بار بار خدا کے غضب سے مت ڈراؤ میں بہت برداشت سے کام لے رہا ہوں ورنہ اب تک پولیس آ چکی ہوتی۔

درویشوں نے کہا دیکھ تنگ نہ کر ہم چور نہیں ہیں۔

درزی نے کہا۔ تم چور اگر نہیں ہو تو پھر میری قینچی کہاں چلی گئی؟

درویشوں نے گرم ہو کر کہا۔ ہم کیا جانیں تیری قینچی کہاں چلی گئی؟

درزی نے کہا واہ جناب! ایک تو میری قینچی غائب کر دی، دوسرے مجھ کو آنکھیں بھی دکھاتے ہو۔

ایک درویش نے نرمی سے کہا۔ بابا کیسی باتیں کرتے ہو، ہم تمہیں کس طرح یقین

Marfat.com

دلائیں کہ ہم نے تمہاری قینچی نہیں لی۔

درزی نے جواب دیا۔ تمہیں یقین دلانے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ میں یقین کرنے کو تیار ہی نہیں مجھے یا تو میری قینچی واپس کر دو ورنہ میں سپاہیوں کو بلاتا ہوں۔

درویش نے کہا۔ تم ہمیں بار بار سپاہیوں کی دھمکی دیئے جا رہے ہو۔ اگر تم واقعی ہماری بے گناہی پر یقین نہیں رکھتے تو کوئی بات نہیں، اور وہی کرو جس پر تمہارا دل راغب ہے۔

درزی نے اس وقت سپاہیوں کو بلا لیا اور ان دونوں درویشوں کو قینچی چرانے کے جرم میں گرفتار کرا دیا۔ سپاہیوں نے انہیں حکمران کے دربار میں پیش کر دیا۔ وہاں عبداللہ خفیف پہلے ہی موجود تھے آپ نے دونوں درویشوں کو دیکھا اور مسکرا دیئے اور ان سے سوال کیا۔

درویشو! میں تمہیں بتاؤں کہ میں بادشاہ کے دربار میں کیوں آتا ہوں؟

دونوں درویش بہت پریشان تھے، بولے۔ اس وقت تو ہم دونوں مصیبت میں گرفتار ہیں، اس سے نجات ملے تو کچھ عرض کریں۔

عبداللہ خفیف نے بادشاہ سے کہا۔ تیرا میری بابت کیا خیال ہے؟

بادشاہ نے جواب دیا میں آپ کو انتہائی بزرگ سمجھتا ہوں۔

آپ نے پوچھا میں سچا ہوں یا جھوٹا؟

بادشاہ نے جواب دیا۔ آپ سچے ہیں۔

آپ نے جواب دیا۔ اگر تو مجھے سچا سمجھتا ہے تو میری بات کا یقین کر، یہ دونوں درویش دور دراز سے میری ملاقات کو آئے ہیں یہاں بے وجہ چوری کے الزام میں گرفتار کر کے، تیرے دربار میں لا کھڑے کیے گئے۔ ان بے گناہوں کو چھوڑ دے۔

بادشاہ نے ان دونوں کو اسی وقت رہا کر دیا۔ آپ ان دونوں کو لے کر دربار سے باہر نکلے اور سیدھے درزی کے پاس پہنچے درزی سے پوچھا کیا تو ان دونوں کو چور سمجھتا ہے؟

درزی بہت ڈرا سہا تھا، اس نے جواب دیا نہیں تو میں اپنی غلطی پر نادم ہوں۔

Marfat.com

آپ نے پوچھا تیری قینچی ملی یا نہیں؟

درزی نے جواب دیا مل گئی، وہ کپڑوں میں بندھ گئی تھی۔

آپ نے کہا تب پھر تو نے اپنے کپڑوں میں پہلے ہی اسے اچھی طرح کیوں نہیں تلاش کر لیا تھا؟

درزی نے عاجزی سے جواب دیا۔ حضرت میں حیران اور پریشان ہوں کہ میں نے ان دونوں درویشوں پر چوری کا الزام لگایا کیوں؟ میں اپنی اس حرکت پر بہت زیادہ پشیمان ہوں۔

آپ نے دونوں درویشوں سے کہا۔ میں شاہی دربار کیوں جاتا ہوں؟ یہ تو تم دونوں کو معلوم ہی ہو چکا ہوگا آج اگر میں دربار میں موجود نہ ہوتا تو تم دونوں کا معلوم نہیں کیا حشر ہوتا۔ پھر درزی سے کہا: کیا ان کے خرقے کی جیب سل گئی؟ اگر سل گئی ہو تو وہ دے دے۔
درزی نے خرقہ آپ کے حوالے کر دیا اور کہا اسے تو میں نے سب سے پہلے سی دیا تھا۔

آپ نے اس کی سلائی دریافت کی، لیکن درزی نے سلائی نہیں لی۔ آپ نے دونوں درویشوں کو اپنی خانقاہ لے گئے۔ وہاں ان دونوں نے اپنی بدگمانی کی معافی مانگی ایک مسافر نے آپ کی خانقاہ میں قیام کیا۔ وہ بہت تھکا ہارا تھا۔ معلوم نہیں اس نے ناقص کھانے یا شیراز کے پانی کی ناموافقت سے اپنے پیٹ میں گڑبڑ محسوس کی پھر اجابت کا سلسلہ شروع ہو گیا آپ اس کی تیمارداری میں لگ گئے اس کی حالت نازک ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ رات کے پچھلے پہر تک اسے پچاس بار رفع حاجت کے لئے جانا پڑا رات کے آخری حصے میں آپ کی آنکھ لگ گئی، مہمان کو ایک بار پھر رفع حاجت کی ضرورت پیش آ گئی اس نے آپ کو آواز دی لیکن نیند اتنی گہری آئی ہوئی تھی کہ آپ کی آنکھ نہیں کھلی۔ اس نے پھر آواز دی، لیکن آپ سوتے رہے مہمان پر کمزوری اتنی غالب تھی کہ اس کا دماغی توازن خراب ہو چکا تھا۔ اس نے آپ کو پوری قوت سے پکارا اور جب یہ محسوس کیا کہ آپ بیدار نہیں ہوئے ہیں تو اس نے

Marfat.com

گستاخانہ لہجے میں کہا۔ او شیخ تجھ پر خدا کی لعنت، کہاں چلا گیا؟

مریدوں نے آپ سے کہا حضرت! آپ نے اس کے گستاخانہ کلمات سنے؟

آپ نے جواب دیا ہاں میں نے اس کے کلمات رحمت سن لئے۔

اس کے بعد آپ مہمان کو بیت الخلاء لے گئے جب واپس آئے تو مریدوں نے کہا گستاخانہ کلمات کو کلمات رحمت کیوں کہہ رہے ہیں آپ؟

آپ نے جواب دیا۔ خدا نے مجھے خراب بات سننے کے لئے کان نہیں دیئے میں نے تو اسے یہ کہتے سنا کہ او شیخ! تجھ پر خدا کی رحمت، کہاں چلا گیا۔

مریدوں نے عرض کیا۔ آپ اس گستاخ کی بے جا طرف داری فرما رہے ہیں۔

آپ نے جواب دیا۔ نہیں، ایسی بات نہیں ہے میں اپنے منصب کا حق ادا کر رہا ہوں۔ مریدوں نے خاموشی اختیار کی۔

ایک مسافر آپ کی خدمت میں اس طرح حاضر ہوا کہ اس نے جو کچھ پہن رکھا تھا۔ سیاہ تھا، گویا ماتم کدے کی چلتی پھرتی تصویر تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا۔ تو نے یہ سیاہ لباس کیوں پہن رکھا ہے؟

اس نے جواب دیا۔ اے خفیف رحمۃ اللہ علیہ! میرے حکمران یعنی نفس اور خواہش، دونوں فوت ہو چکے ہیں اس لئے میں نے ماتمی لباس پہن لیا ہے۔

آپ نے حکم دیا۔ اس شخص کو فوراً نکال باہر کرو۔

مریدوں نے حکم کی تعمیل کر دی اور اس شخص کو نکال باہر کیا لیکن ذرا دیر بعد دیکھا کہ وہ شخص پھر آ گیا ہے۔ آپ نے اسے پھر نکلوا دیا۔ لیکن وہ پھر آ گیا۔ اس طرح آپ نے اس شخص کو ستر بار نکلوایا اور وہ ستر بار واپس آیا اور اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار تک نظر نہ آئے۔ آخر آپ نے فرمایا۔ اے شخص! واقعی یہ لباس تجھے زیب دیتا ہے کیونکہ ستر بار کی تذلیل بھی تجھے آزردہ نہیں کر سکی۔ آپ نے ایک بار دوران وعظ ارشاد فرمایا۔ لوگو اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے پہلے پہل ملائکہ اور انس و جن کو تخلیق فرمایا۔ اس کے بعد عصمت، کفایت اور جبلت کو تخلیق فرما کر حکم دیا کہ تینوں ان میں سے ایک ایک شے اپنے لئے پسند کر لیں چنانچہ ملائکہ نے عصمت کو اختیار کیا، جنات نے کفایت کو، اور انسانوں نے جبلت کو منتخب کر لیا یہی وجہ ہے کہ انسان کثرت سے حیلہ سازی سے کام لیتا ہے۔ عہد گزشتہ میں انسان جنات پر غالب رہتے تھے لیکن پھر معاملہ الٹا ہو گیا۔

کسی مرید نے دریافت کیا۔ حضرت! فقیر کی خوبیاں بیان فرمائیے۔

آپ نے جواب دیا۔ وہ تو میں بیان کر دوں گا، لیکن یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لے کہ اظہار فقیر معیوب شے ہے۔ پھر فرمایا۔ جو کچھ میسر آ جائے کھا کر خدا کا شکر ادا کرے اور میسر نہ آئے تو صبر سے کام لے۔

آپ نے ایک دوسرے موقع پر فرمایا۔ لوگو! کچھ جانتے ہو، عبادت کسے کہتے ہیں؟

لوگوں نے جواب دیا۔ نہیں، آپ اس کی وضاحت فرما دیجئے۔

آپ نے فرمایا عبادت نام ہے دائمی غم اور خوشی کو ترک کر دینے کا۔

پھر پوچھا۔ اور وصل کیا ہوتا ہے؟۔ لوگوں نے جواب دیا۔ آپ ہی ارشاد فرمائیں۔ ہم نہیں جانتے ہیں۔ آپ نے کہا۔ وصل نام ہے محبوب سے اس اتصال کا جس کے بعد کچھ بھی نہ یاد رہے۔ پھر پوچھا اور تقویٰ کیا ہے۔ لوگوں نے پھر نفی میں جواب دیا۔ حضرت! اس سوال کا جواب بھی آپ ہی مرحمت فرمائیں گے۔ آپ نے کہا۔ نفس، دنیا اور ابلیس سے بیک وقت کنارہ کشی اختیار کرنے کا نام تقویٰ ہے۔ اور رہی ریاضت تو اس کے معنی ہیں عبادت الٰہی سے نفس کو شکست دینا اسی چیز کو ریاضت کہتے ہیں۔ آخری عمر میں جب آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو آپ نے فرمایا۔ اے خادم ادھر میرے پاس آ ؤ۔ خادم آپ کے روبرو آ کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے وصیت فرمائی کہ موت کے بعد میرے ہاتھوں میں رسی باندھ کر اور گلے میں طوق ڈالوا کر قبلہ رو بٹھا دینا، شاید اسی طرح میری مغفرت ہو جائے۔ آپ

Marfat.com

کے انتقال کے بعد خادم نے اس پر عمل کرنے کی کوشش کی تو کسی نے اسے ڈانٹ دیا۔ خبر دار! او بے ادب! جو تو نے خفیف رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت پر عمل کیا۔ کیا تو ہمارے محبوب کو رسوا کرنا چاہتا ہے؟

خادم نے خوفزدہ ہو کر آپ کی وصیت پر عمل نہیں کیا۔ آپ کے بعد کسی نے آپ کے مزار پر لکھ دیا۔ قابو یافتہ شے سے اغراض اور غیر قابو یافتہ شے کو طلب نہ کرنا قناعت ہے۔ زہد نام ہے زر و مال کو نظر انداز کر دینے کا، اور اپنے تمام امور کو خدا کے سپرد کر کے مصائب پر صبر کرنے کا نام ہے عبودیت۔ آپ کو آپ کے ہم عصر بزرگوں نے مشائخین کے شیخ کا لقب دیا تھا جو آپ کے نام کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وابستہ ہو گیا۔

حضرت ابو داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ

کوئی گویا بازار مین گا گا کر لوگوں کو محظوظ کر رہا تھا اسے لوگوں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا ان میں نوجوان داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے گویے نے یہ شعر پڑھا۔

بایّ خدیک تبدی البلا   وبایِ عینک ماذا اسالا

کون سا چہرہ خاک میں نہیں ملا   اور کون سی آنکھ زمین پر نہیں بہی

اس شعر میں معلوم نہیں کیا جادو تھا یا کون سی کہربائی قوت تھی کہ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کی حالت غیر ہو گئی۔ وہ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ لوگوں مین ہلچل مچ گئی اور داؤد طلائی رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے جانے لگے۔ بمشکل جب انہیں ہوش آیا تو ان میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ اپنے آپ سے چل سکتے۔ لوگوں نے پوچھا تم کون ہو اور کہاں رہتے ہو؟

داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے کمزور آواز میں جواب دیا۔ میرا نام داؤد ہے اور قبیلہ بنی طے سے تعلق رکھتا ہوں۔

ایک تماشائی نے پوچھا۔ یہ تمہیں ہو کیا گیا؟ تم بے ہوش کیوں ہو گئے تھے؟۔

داؤد نے جواب دیا۔ لوگو! یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جب تک میں بے ہوش تھا لوگ

Marfat.com

مجھے ہوش مند سمجھتے رہے اور اب جب کہ میں ہوش میں آچکا ہوں لوگ مجھے بے ہوش کہہ رہے ہیں۔

لوگوں نے آپس میں چہ میگوئیاں شروع کر دیں، ایک نے کہا زمین پر بے اختیار گرنے سے دماغ پر چوٹ آ گئی ہے جس سے اس کا دماغی توازن جاتا رہا ہے۔

دوسرے نے کہا نہیں جناب یہ صرع (مرگی) کا مریض معلوم ہوتا ہے اور شاید کچھ کچھ دماغی حالت بھی خراب ہے۔

آپ نے آہستہ سے کہا۔ لوگو! نہ تو میں مرگی کا مریض ہوں اور نہ ہی میرا دماغی توازن بگڑا ہے، میں اچھا بھلا ہوں، ہاں تم لوگ ضرور کہہ سکتے ہو کہ اب میں دنیا کے کام کا نہیں رہا۔

ایک نے پوچھا۔ جناب! آپ کی حالت اس لائق نہیں ہے کہ اپنے پیروں سے چل کر گھر تک جا سکیں، اس لئے ہمیں اپنے گھر کا پتہ بتا دیجئے تا کہ ہم پہنچا دیں۔

داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا۔ کیا تمہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا پتہ معلوم ہے؟ کئی نے ایک ساتھ جواب دیا۔ ہاں ہاں، کیوں نہیں اور ان کا پتہ کون نہیں جانتا۔

آپ نے کہا۔ مجھے ان کے پاس پہنچا دو، یہی میرا پتہ ہے۔

لوگوں نے سوال جواب تو کیئے بند اور آپ کو گاڑی میں بٹھا کر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پہنچا دیا۔ امام رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کو غور سے دیکھا اور دریافت کیا۔ نوجوان! میں نے تمہیں پہچانا نہیں؟۔

داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ ہاں آپ مجھے نہیں جانتے لیکن میرے لئے یہی کافی ہے کہ میں آپ کو جانتا ہوں اور بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔

امام رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے پوچھا مجھ سے کوئی کام؟

داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ ابھی ابھی بازار میں میں نے ایک گویے سے یہ

Marfat.com

شعر سنا، کون سا چہرہ خاک میں نہیں ملا، اور کون سی آنکھ زمین پر نہیں بہی بس اس شعر نے میری حالت ہی غیر کر دی، میں بے ہوش ہو گیا تھا لیکن اب میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ میں اپنے ہوش میں آچکا ہوں اور میں پہلے واقعی بے ہوش تھا۔

امام رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے کہا۔ گویا اب تجھے عرفان ذات ہو رہا ہے۔

داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ شائد۔

امام رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے پوچھا تو میرے پاس کیوں آیا ہے؟

داؤد رحمۃ اللہ علیہ طائی نے جواب دیا۔ یہ معلوم کرنے کہ اب میں کیا کروں؟

امام رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے حیرت اور سوالیہ نظروں سے داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھا اور کہا اس سلسلے میں میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں، ہاں میں یہ مشورہ دوں گا کہ تم گوشہ نشینی اختیار کر لو۔ فقیر کی پہلی سیڑھی ترک دنیا ہے جب تم اس میں کامیاب ہو جاؤ گے تو میں کچھ اور بتاؤں گا۔

داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے درخواست کی حضرت! آپ کا ارشاد سر آنکھوں پر، لیکن ایک درخواست کروں گا۔

امام رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے جواب دیا۔ کرو درخواست۔

داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا۔ میں آپ کا تلمذ چاہتا ہوں، آپ مجھے اپنی شاگردی میں لے لیجئے۔

امام رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے جواب دیا۔ میں نے تجھے اپنی شاگردی میں لیا اب تو میری ہم نشینی اختیار کر سکتا ہے۔

داؤد طائی سراپا تشکر و امتنان بن گئے، بولے حضرت! آپ نے میری ہر درخواست بے چون و چرا مان لی، آخر کیوں؟

امام رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے جواب دیا۔ تو حاتم سخی کا ہم نسب ہے اور عدی میرے ہی

Marfat.com

خاندان کا ایک بزرگ فرد تھا، میں قبیلہ نبی طے کی عزت کرتا ہوں، کیوں کہ حاتم اور عدی بن حاتم بھی اس خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا چھوڑ دی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی یہ بیس سال تک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رہے۔

ایک عرصہ تک گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر کے انہوں نے امام صاحب سے دریافت کیا۔ حضرت ابھی کتنے عرصے اور گوشہ نشین رہنا ہے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ تم گوشہ نشینی ختم کر دو اور لوگوں سے رابطہ قائم کرو لیکن اس سے پہلے یہ ضروری ہے کہ خود میں ضبط و تحمل پیدا کر لو۔

داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے نرمی سے عرض کیا۔ حضرت! میں نے ایک عرصے کی گوشہ نشینی میں اپنے نفس کو اذیتیں پہنچائی ہیں اس لئے اب مجھ میں اتنا زیادہ ضبط و تحمل پیدا ہو چکا ہے کہ لوگ مجھے پریشان نہیں کر سکتے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو تو لوگوں سے ربط وضبط بڑھاؤ۔

داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں سے ربط وضبط بڑھانا شروع کر دیا اس عالم میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو مشورہ دیا کہ مشہور صوفی حبیب داعی رحمۃ اللہ علیہ سے بعیت کر لو، چنانچہ یہ حبیب داعی کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے اب آپ کا یہ حال تھا کہ لوگوں کو کی سن تو ضرور لیتے تھے لیکن خود بہت کم بولتے تھے۔

آپ کو ورثے میں بیس دینار ملے آپ نے انہیں احتیاط سے رکھ لیا کچھ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور طنزاً کہا؟ جناب آپ نے دینار محفوظ کر لئے ہیں حالانکہ فقیر کی شان یہ ہے کہ انہیں خرچ کر کے بے نیازی اختیار کی جائے۔ آپ نے جواب دیا لیکن میں انہیں نہیں خرچ کروں گا کیوں کہ میں نے حساب لگا کر جو دیکھا تو معلوم ہوا یہ بیس دینار مجھے زندگی بھر کے لئے کافی ہیں اور پھر ان دینار کی موجودگی سے میں ایک قسم کی طمانیت محسوس کرتا رہتا

Marfat.com

ہوں اسی لئے میں انہیں زندگی بھر خرچ نہیں کروں گا۔

معترض خاموش ہو گئے۔

آپ کی قناعت اور استغنا کا یہ حال تھا کہ آپ ہمیشہ روٹی کو پانی میں بھگو کر کھاتے تھے

ایک دن دوسرے ہم عصر صوفی ابو بکر عیاش رحمۃ اللہ علیہ آپ سے ملنے پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک ہاتھ سے روٹی پکڑے زار وقطار رو رہے ہیں۔

ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا حضرت! کیا بات ہوئی؟ یہ روٹی پکڑے آپ رو کیوں رہے ہیں؟

آپ نے بدستور روتے ہوئے جواب دیا۔ ابو بکر! میں اس لئے رو رہا ہوں کہ اگر روٹیاں کھانے کا مسئلہ نہ ہوتا تو یہ وقت بھی عبادت ہی میں صرف ہوتا مجھے یہ سوچ سوچ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ اے کاش میرے اور خدا کے درمیان پیٹ نہ ہوتا۔

ابو بکرؒ نے دیکھا، داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے پانی کا گھڑا دھوپ میں رکھا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا داؤد! یہ گھڑا دھوپ میں کیوں رکھ چھوڑا ہے؟

داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ جب میں نے یہ گھڑا یہاں رکھا تھا، دھوپ نہیں تھی، اب دھوپ آ گئی ہے، میں نے سوچا اگر میں اسے دھوپ سے سایہ میں رکھوں گا تو محض اپنی ذات کے لئے کچھ وقت ضائع کروں گا، اس لئے میں خاموش بیٹھا اللہ اللہ کرتا رہا۔

ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سبحان اللہ! اور ایک میں ہوں کہ ادھر ادھر ملاقاتوں میں اپنا وقت ضائع کرتا پھرتا ہوں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے امام رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی اجازت کے باوجود لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی تھی آپ کو لوگ مختلف مجلسوں میں لے جانا چاہتے مگر آپ ان سے عذر کرتے آپ کی یہ بات لوگوں کو گراں گزرتی آپ کی اس عادت کا سبھی کو علم تھا۔ ایک دن آپ کے

Marfat.com

پاس چند آدمی آئے اور بولے حضرت! کیا بات ہے؟ آپ خدا سے تو محبت کرتے ہیں، مگر اس کی مخلوق سے دور رہتے ہیں حالانکہ یہ بات ثابت ہے کہ ایک عاشق کو اپنے محبوب کی چیزوں سے بھی محبت ہوتی ہے اس لئے اگر آپ کو خالق سے محبت ہے تو اس کی مخلوق سے بھی پیار ہونا چاہیے۔

آپ نے جواب دیا۔ میں مخلوق سے نفرت تھوڑا کرتا ہوں، مجھے اس کی مخلوق سے پیار ہے لیکن میں خالق کی یاد میں وقت دیتا ہوں، ابھی میں خالق کی محبت کے مزے لے رہا ہوں اور اتنی فرصت کہاں کہ اس کی طرف دیکھوں۔

ایک شخص نے کہا۔ آپ اگر اپنے سے کم عمر لوگوں میں بیٹھیں تو میرے خیال میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ کم عمر لوگوں کی باتیں آپ کے معیار سے کم ہوں گی اس لئے آپ انہیں حقیر اور کم تر سمجھ کر ان کا اثر نہیں قبول کریں گے۔

آپ نے جواب دیا۔ یہ بات نہیں ہے بلکہ میں ان کی محبت سے اس لئے گریز کرتا ہوں کہ وہ مجھے کچھ دے نہیں سکیں گے اور جن سے میں کچھ حاصل نہ کر سکوں ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا وقت کا زیاں سمجھتا ہوں۔

اس شخص نے کہا۔ چھوٹوں سے اگر کچھ حاصل نہ ہوگا تو کوئی نقصان بھی نہ ہوگا۔

آپ نے جواب دیا۔ نقصان تو ہوگا اور نقصان یہ ہوگا کہ وہ میرا احترام کریں گے اور اس احترام میں وہ مجھے کچھ سکھا نہیں پائیں گے۔

اس شخص نے کہا۔ تب پھر آپ عمر رسیدہ لوگوں کی صحبت اختیار کریں۔

آپ نے جواب دیا وہ مجھے میرے عیوب سے آگاہ نہ کر سکیں گے، اس لئے ان کی صحبت بھی میرے لئے بے کار ہے۔

کسی اور شخص نے کہا لیکن آپ کی باتیں ہیں بڑی عجیب۔ آپ نے اب تک شادی بھی نہیں کی معلوم نہیں کیوں۔

Marfat.com

آپ نے جواب دیا۔ میں کیا شادی کروں، میری مالی حالت تو لوگوں کو معلوم ہی ہے اور یہ بات بھی سب پر ظاہر ہے کہ میرا ذریعہ معاش بھی کچھ نہیں پھر میں کسی عورت سے شادی کر کے اپنی ہی جیسی سخت حالت میں کیوں مبتلا کروں اور جس حالت کو میں بخوشی گوارا کیے ہوئے ہوں اسے ایک عام عورت پر کیوں مسلط کر دوں۔

ایک اور شخص نے کہا۔ جناب! آپ جس مشکل زندگی کو اختیار کرے ہوئے ہیں کوئی اور نہیں اختیار کر سکتا۔

آپ نے جواب دیا۔ میری زندگی میرے لئے اور دوسروں کی زندگی ان کے اپنے لئے۔

کسی اور شخص نے کہا کمال تو یہ ہے کہ آپ اپنی داڑھی میں کنگھی بھی نہیں کرتے، ہمیشہ بال الجھے الجھے رہتے ہیں۔

آپ نے جواب دیا۔ بھائی! یہ ساری باتیں فرصت کی ہیں اور میں یاد الٰہی سے فرصت ہی نہیں پاتا پھر میں داڑھی میں کنگھی کس طرح اور کب کیا کروں؟

ایک عرصہ بعد آپ کی نظر آسمان کی طرف اٹھ گئی۔ اس وقت آپ اپنی چھت پر کھڑے تھے چودھویں کا چاند مشرق سے ابھر رہا تھا اور اس کی کمزور چاندنی سیاہی میں ڈوبی ہوئی محسوس ہوتی تھی گویا چاندنی تاریکی میں غوطہ لگا کر نمودار ہو رہی تھی۔ آپ اس دلکش منظر میں کھو گئے چاند کے اوپر ہر طرف تاروں کی محفل سجی ہوئی تھی اور وہ اس طرح چشمک زنی کر رہے تھے گویا داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارے کر کر کے کہہ رہے ہوں کہ اس طرف کو تو دیکھو، زہے نصیب جو اس نے ہماری طرف نظریں تو اٹھائی ہمیں دیکھا تو اے داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ! تمہارا بہت بہت شکریہ۔

داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے چاند کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اے چاند! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تو نے یہ نور کہاں سے حاصل کیا ہے؟ کیا تو انسانوں کے لئے یہ پیغام لے کر نہیں آیا

Marfat.com

کہ اس خاکی کو بھی نورانی ذات کا قرب اور اتصال حاصل کر کے نور بن جانا چاہیے۔

آپ پر جذب و مدہوشی طاری تھی اور آپ اس کیفیت میں اپنی چھت پر ادھر ادھر ٹہلنے لگے۔ آپ کی زبان سے بے اختیار یہ کلمات جاری تھے۔ اے آسمان کے دل کش ستارو! تم مجھے دیکھ دیکھ کر پلکیں کیوں جھپکا رہے ہوں۔؟ کیا تم مجھ پر ہنس رہے ہو؟ کیا تم میرا مذاق اڑا رہے ہو؟ میں تمہیں دیکھ دیکھ کر یہ محسوس کر رہا ہوں کہ میرا وہ خالق جس نے تمہیں پیدا کیا ہے تمہیں پلکیں جھپکانے اور سیماب صفت کی کیفیت عطا کی ہے وہ کتنا عظیم اور اعلیٰ ہے۔ اے کاش میں تم میں سے ہوتا کہ خاموشی سے وہی کچھ کر رہا ہوتا جس پر میرے رب نے مجھے مامور کیا ہوتا لیکن مجھے انسان بنا دیا اور انسان کے پیچھے اتنے بہت سارے آزار لگا دیئے گئے ہیں کہ یہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے، اے کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا، اے کاش اگر میں پیدا ہوا تھا تو مجھے پیدائشی طور پر یہ توفیق ملی ہوتی کہ میں اپنے رب کے سوا کسی اور کی طرف آنکھ بھی نہ اٹھاتا۔

آپ پر وارفتگی طاری ہو گئی اور اس وارفتگی میں آپ بے ہوش ہو کر پڑوسی کی چھت پر جا گرے، گرنے کے دھماکے سے پڑوسی یہ سمجھا کہ اس کی چھت پر شاید کوئی چور پھاندا ہے۔

اس نے تلوار نیام سے نکال لی اور آہستہ آہستہ چھت پر چڑھنے لگا آخر وہ چھت پر پہنچ گیا اور کسی کو مونہہ کے بل پڑا ہوا دیکھا وہ سمجھا یہ کوئی چور ہے جو اسے دیکھ کر چالاکی سے پڑا رہا ہے وہ داؤد طائی علیہ الرحمہ کے سر پر جا کھڑا ہوا، کڑک کر بولا اے شریر! اٹھ اور دیکھ کہ موت تیرے سر پر کھڑی تیری گردن کا انتظار کر رہی ہے۔

لیکن آپ پر تو بے ہوشی طاری تھی، آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس شخص نے آپ کو ٹھوکر لگائی اور غصے میں کہا چالاکی سے پڑے رہنے سے تجھے معاف تھوڑی کر دوں گا، اٹھ اور بتا کہ تو یہاں کیا لینے آیا تھا اور تو کہاں سے آیا ہے؟

لیکن آپ نے اس کی ٹھوکر کا بھی اثر نہ ہوا آپ اسی طرح پڑے رہے پڑوسی نے

Marfat.com

آپ کے سر پر ایک شدید ٹھوکر لگائی۔ بولا میں کہتا ہوں اب بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اٹھ اور میری باتوں کا جواب دے۔

لیکن آپ بدستور پڑے رہے۔ پڑوسی نے چاندنی میں آپ کے سر سے خون بہتے دیکھا تو ذرا چونکا، کیونکہ کسی آدمی میں کتنی ہی قوت برداشت کیوں نہ ہو، سر میں اتنی شدید چوٹ کھا کراف یا سی سوں تو کرتا ہی ہے، مگر یہ کیسا چور ہے کہ سر سے خون بہہ رہا ہے مگر خاموش پڑا ہے۔ اس نے ایک ہاتھ سے آپ کو سیدھا کیا اور صورت دیکھتے ہی آپ کو پہچان لیا، حیرت سے بولا ارے یہ آپ! داؤد یہ آپ ہیں؟ یہ آپ کو کیا ہو گیا؟ خیریت تو ہے؟ میری چھت پر کیسے؟

آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پڑوسی نیچے گیا پانی لے کر پھر چھت پر پہنچ گیا اور آپ کے منہ پر چھینٹے دیئے کچھ دیر بعد آپ میں حرکت پیدا ہوئی اور آپ نے آنکھیں کھول دیں پڑوسی نے خوش ہو کر پوچھا۔ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ! یہ آپ میری چھت پر کس طرح آ گئے خیریت تو ہے؟۔

آپ نے آہستہ سے جواب دیا۔ میں نہیں جانتا کہ تمہاری چھت پر کس طرح آ گیا۔ لیکن یہ جانتا ہوں کہ میں چاند ستاروں کے نظاروں میں کھویا ہوا تھا اور اس میں میں کچھ اتنا وارفتہ ہو گیا کہ تمہاری چھت پر بے ہوش ہو کر گر گیا اب تم جو چاہو سزا دے لو، میں تمہارا مجرم یا گناہگار ہوں۔

پڑوسی نے شرمندگی سے کہا حضرت میں تو اس پر شرمندہ ہوں کہ لاعلمی میں میں نے نہ صرف یہ کہ آپ کو برا بھلا کہا بلکہ آپ کے ٹھوکریں بھی لگائیں اور آپ کو لہولہان کر دیا۔ خدا کے لئے آپ مجھے معاف کر دیجئے۔

آپ نے کہا۔ معافی تو مجھے مانگنی چاہیے کیوں کہ میں تیری چھت پر آ گیا ہوں اور تیری اجازت کے بغیر میں اس کوتاہی اور غلطی پر نادم ہوں اور معافی چاہتا ہوں۔

Marfat.com

پڑوسی رونے لگا، بولا میں اس وقت تک آپ کو نہیں جانے دوں گا جب تک آپ مجھے معاف نہیں کر دیں گے۔

آپ نے جواب دیا۔ اچھا چلو، ہم دونوں ایک دوسرے کو معاف کر دیں۔

چنانچہ ان دونوں نے ایک دوسرے کو معاف کیا اور پڑوسی نے آپ کو نہایت احترام سے آپ کے گھر تک پہنچایا۔

آپ کے پاس ایک ہی چادر تھی، آپ اس چادر کو اوڑھ کر باجماعت نماز ادا کیا کرتے تھے بغداد کے لوگ آپ کو بعض وجوہ سے ناپسند کرتے تھے۔ انہیں آپ کے توکل اور نامانوس باتوں سے بڑھ الجھن ہوتی تھی، جب آپ نماز پڑھنے جاتے تو لوگ آپ پر ہنستے آپ ان پر کوئی توجہ دیئے بغیر نماز باجماعت ادا کرنے مسجد چلے جاتے اور نماز ادا کر کے فورا ہی واپس آجاتے ایک دن ظہر کی نماز پڑھ کر آپ واپس آنے ہی والے تھے کہ چند لوگوں نے آپ کو روک لیا، بولے حضرت! آپ سے ہمیں کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں براہ کرم ہمیں بات چیت کا موقع دیجئے۔

آپ نے جواب دیا۔ میں تم لوگوں کو بات چیت کا بہت تھوڑا وقت دے سکتا ہوں، بولو، کیا بات کرنا چاہتے ہو؟

ایک نے دریافت کیا۔ آخر آپ کو جلدی کس بات کی ہے کیا آپ کہیں ملازمت کرتے ہیں یا کسی دربار سے وابستہ ہیں، جہاں تاخیر سے پہنچنے پر آپ کو جواب دہ ہونا پڑے گا۔

آپ نے جواب دیا۔ بھائی! میں نے سب سے بڑے دربار کی ملازمت اختیار کر رکھی ہے اور وہاں مجھے جواب دہ نہیں ہونا پڑے گا مگر پھر بھی میں اس لئے خوف زدہ رہتا ہوں کہ اگر وہ میری کسی بات پر ناراض ہو گیا تو وہاں کسی کی سفارش بھی کام نہ آئے گی۔ اور وہاں میری کوتاہیوں یا خامیوں کی تلافی کا ازالہ بھی ناممکن ہو گا۔

Marfat.com

وہ لوگ ہنسنے لگے دوسرے نے کہا۔ حضرت کیا بات ہے جو آپ نے الدنیا کو دیکھنا ہی ترک کر دیا اور معلوم نہیں کن خیالوں میں گم رہتے ہیں، کیا آپ تارک دنیا ہو کر یہ سمجھنے لگے ہیں کہ پوری دنیا غلط راہ پر جا رہی ہے اور صرف آپ نے صحیح راہ اختیار کر رکھی ہے؟۔

آپ نے جواب دیا نہیں بھائی میں ایسا بھی نہیں سمجھتا یہاں کون غلط ہے اور کون درست؟ اس کا فیصلہ کرنا ہمارا کام نہیں ہے میں نے جو راستہ اختیار کیا ہے اسے میں اپنے لئے بہتر سمجھتا ہوں، کیونکہ میرے دل میں جیسی خشیت پائی جاتی ہے اگر تم میں سے کسی کے دل میں پیدا ہو جائے تو تمہاری بھوک پیاس اڑ جائے اور تم پر تمہاری نیندیں حرام ہو جائیں۔

کسی نے طنزاً ہنس کر کہا بھائی ہماری بھوک پیاس اور نیند تو آپ کو دیکھ رہی اڑی ہوئی ہے ایک چادر، ٹوٹا پھوٹ امکان سڑا گلا پانی کا گھڑا، گھر میں مستقل قحط سالی، واللہ ہم جب بھی آپ کی بت سوچتے ہیں غمگین ہو جاتے ہیں۔

آپ نے بڑے افسوس سے کہا۔ افسوس کہ تم لوگ جس قسم کی باتیں کر رہے ہو اس میں وقت کی بربادی کے سوا کچھ بھی نہیں کیا تم لوگ مجھے معذور نہیں سمجھو گے؟

لوگوں نے ہنس کر جواب دیا۔ ہم لوگ آپ کا وقت نہیں ضائع کر رہے ہیں بلکہ ان سوال و جواب سے ہم کچھ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، کیا آپ بخیل بنتے رہیں گے اور ہمیں کچھ بھی نہ دیں گے۔ آپ نے کہا۔ میں جانتا ہوں تم لوگ مجھ سے کچھ بھی نہیں حاصل کر سکو گے بلکہ مجھے ٹٹول کی غرض سے روک رکھا ہے۔

ایک نے زوردار قہقہہ لگایا۔ خوب خوب یار تم تو بہت ہوشیار نکلے میں تو تمہیں غبی سمجھ رہا تھا، اچھا بتاؤ تم اور کیا سمجھے؟

دوسرے نے بھی قہقہہ لگایا۔ یارو یہ دنیا کو چھوڑ دینے والے غبی نہیں ہوتے ذرا کم ہمت ضرور ہوتے ہیں اور دنیا کا مقابلہ کرنے کا ان میں حوصلہ نہیں ہوتا۔ انہی میں یہ داؤد

Marfat.com

بھی شامل ہیں

داؤد طائی عُرالشعلیہ نے جواب دیا۔ بھائی اب میں تمہاری باتوں کا کیا جواب دوں ورنہ تم خود سوچو کہ یہ دنیا، جہاں قدم قدم پر ترغیب وتحریص کے جال بچھے ہوئے ہیں اور اگر اس سے ایک قدم پیچھے ہٹاؤ تو یہ دس قدم آگے بڑھ کر پکڑ لیتی ہے اس سے پیچھا چھڑانا بڑے حوصلے کی بات ہے یہ تعجب کی بات ہے کہ تم لوگ ترک دنیا کو کم ہمتی پر محمول کر رہے ہو۔ ایک نے اور زور کا قہقہہ لگایا اور بولا۔ میں تو پہلے ہی داؤد کی عقل کا قائل تھا۔ دیکھو تو کیسی عقل کی باتیں کر رہا ہے اے کاش یہ شخص ہم میں شامل ہوتا اور ہم اس سے عقل کی باتیں سیکھ سکتے۔

داؤد طائی عُرالشعلیہ نے اپنی راہ لی، بولے لوگو! خدا کے لئے مجھے تنگ نہ کرو تم نے مجھے کس خرافات پر لگا دیا!!

سب نے مل کر قہقہہ لگایا اور سیٹیاں بجائیں، بولے میاں اس صوفی کو یوں ہی زور روک لیا کرو اور مختلف مسائل پر باتیں کیا کرو، واقعی مزہ آ گیا اس سے باتیں کر کے۔ کسی نے آپ کی چادر پکڑ کر کھینچ لی آپ روہانسے ہو گئے تیز تیز قدم اٹھاتے گھر آئے دروازے کو اندر سے بند کر لیا سجدے میں گر کر گڑگڑانا شروع کیا خدایا تو مجھے کس بات کی سزا دے رہا ہے میں تو تیرے لئے زیادہ سے زیادہ وقت وقف کرنا چاہتا ہوں لیکن یہ دنیا والے شیطان کا کردار ادا کر رہے ہیں، مجھے چھیڑتے ہیں ستاتے ہیں، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں انہیں کیا جواب دوں اور انہیں کس طرح منع کروں اب تو ان لوگوں نے میرے خلاف ایسا منصوبہ بنا لیا ہے کہ مجھے مسجد جاتے ہوئے ڈر لگنے لگا ہے، میں مسجد میں باجماعت نماز کے لئے جاتا ہوں لیکن چند لوگوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ وہ مجھے ستائیں اگر ان حالات میں، میں مسجد میں جانا بند کر دوں تو اسے گناہ میں تو نہیں شمار کیا جائے گا؟

میں نہیں جانتا کہ اس معاملے میں، میں تیری منشا کس طرح معلوم کروں اگر تجھے اس

Marfat.com

میں کوئی اعتراض نہ ہو کہ میں مسجد نہ جاؤں تو تو میری چادر چوری کرا دے کیونکہ نہ یہ چادر ہو گی اور نہ میں عریاں مسجد جانے کی ہمت کروں گا اور اس طرح میں تیری مشیت سے بھی آگاہ ہوسکوں گا۔

آپ عشاء کی نماز پڑھ کر واپس آئے اور بیت الخلاء چلے گئے پیٹ میں قراقر ہو رہی تھی جب وہاں سے فارغ ہو کر باہر نکلے تو سردی سی محسوس ہونے لگی چادر اتار کر بستر پر ڈال گئے تھے لیکن واپس آ کر چادر اوڑھنے کے لئے جو تلاش کی تو وہ غائب تھی، اسے کوئی چرا لے گیا تھا، سردی میں چادر کا گم ہو جانا آپ کے لئے بڑا تکلیف دہ ثابت ہوا لیکن پھر فوراً ہی یہ خیال آیا کہ اس طرح انہیں حیرت انگیز طور پر خدا کی مشیت معلوم ہو چکی ہے، آپ نے دوسرے ہی دن سے مسجد جانا بند کر دیا اور اپنے گوشے ہی میں نماز پڑھنا شروع کر دی، اب وہ زیادہ خشوع خضوع سے عبادت کرنے لگے تھے۔

باہر بڑی سخت دھوپ پڑ رہی تھی، آپ دھوپ میں بیٹھے عبادت کر رہے تھے، آپ کے ارادت مندوں نے آپ کو اس حال میں دیکھا تو بڑا قلق ہوا، وہ آپ کو ٹوکنا چاہتے تھے لیکن ٹوکنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی، کیونکہ اس طرح اندیشہ تھا کہ آپ کی عبادت میں خلل پڑے گا، پسینے نے آپ کو شرابور کر دیا تھا۔ کپڑا بھیگ کر چپک رہا تھا اور پیشانی سے بہے ہوئے پسینے کے قطرے گالوں تک آ چکے تھے، آپ کے انتہائی محبت کرنے والے مرید نے بلند آواز میں کہا حضرت سائے میں آ جائیے۔ کیا گرمی آپ کو پریشان نہیں کر رہی؟۔

آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اس نے پھر کہا۔ جناب! کیا میری آواز آپ نے نہیں سنی؟۔ میں آپ سے درخواست کر رہا ہوں کہ خود پر رحم کیجئے کہیں آپ کو کچھ ہو نہ جائے، سائے میں آ جائیے۔

آپ نے جواب دیا۔ ''اے شخص! مجھے پریشان نہ کر، میری مشغولیت میں مخل نہ ہو''۔ مرید نے عرض کیا ''میں آپ کی مشغولیت میں مخل ہونے کی جرات نہ کرتا لیکن میں آپ

Marfat.com

کو گرمی کی مصیبت میں مبتلا دیکھ رہا ہوں اس لئے آپ کو اس اذیت میں دیکھ کر اپنے دل میں تکلیف محسوس کر رہا ہوں، اگر آپ وہاں سے نہیں ہٹیں گے تو ہم سب بھی بے چین رہیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہم سب بھی دھوپ ہی میں آ جائیں اور آپ جیسی اذیتوں میں خود کو بھی مبتلا کر لیں''۔

آپ نے جواب دیا ''نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں اپنے نفس کو خوش کرنے کے لئے سائے میں آنے سے گریز کر رہاں ہوں تم لوگ یہاں دھوپ میں ہرگز نہ آنا کیونکہ میں جو کچھ کر رہا ہوں اس میں نفس کشی سے زیادہ رضائے الٰہی کو دخل ہے شاید میرا خدا اسی طرح میری عبادت کو شرف قبولیت عطا فرماوے''۔

لوگ خوشامدیں کرتے ہی رہ گئے مگر آپ نے ان کی ایک نہ سنی آخر وہ اپنا سامنہ لے کر وہاں سے چلے گئے۔

آپ ہر وقت اداس اور غمگین رہا کرتے تھے دیکھنے والے یہ محسوس کرتے گویا داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کسی بہت بڑے سانحے سے گزر چکے ہیں۔

ایک دن آپ کے مریدوں نے سوچا کہ ان سے بحث و مباحثہ کر کے کوشش کریں گے کہ وہ خوش رہنے لگیں، آخر اس اداسی میں رکھا ہی کیا ہے چنانچہ انہوں نے ایک دن صبح ہی صبح آپ سے اس مسئلے پر بات چیت شروع کر دی پوچھا۔''حضرت! آج ہم آپ سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتے ہیں امید ہے کہ آپ ان کے صحیح صحیح جواب مرحمت فرمائیں گے۔''

آپ نے جواب دیا۔''پوچھو، بہر حال تم یقین کرو کہ میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔''

ایک مرید نے پوچھا ''شاید آپ کے ایک بہت ہی قریبی عزیز کا انتقال ہو چکا ہے'' حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تم نے میرے حالات سے صحیح اندازہ لگایا۔''

مرید نے پوچھا ''کس عزیز کا۔''؟

Marfat.com

آپ نے جواب دیا۔ میرے نفس کا، جسے میں نے خود ہی ہلاک کر دیا ہے۔

مرید نے عرض کیا جب آپ نے اپنے نفس کو خود ہی ہلاک کر دیا ہے تو اس کامیابی سے آپ کو بہت خوش ہونا چاہیے، لیکن ہم لوگ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ آپ اپنے نفس کی ہلاکت سے خوش نہیں ہیں۔

آپ نے جواب دیا۔ نہیں یہ بات نہیں ہے، میں اپنے نفس کو ہلاک کر کے بہت خوش ہوا تھا مگر کچھ عرصے بعد مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ نفس انسانی بہت ہی سخت جان ہوتا ہے اور اس کا ہمیشہ امکان باقی رہتا ہے کہ یہ دوبارہ پیدا ہو جائے اور اس کی دوبارہ پیدائش کا دھڑکے نے مجھے ہمیشہ کے لئے ملول کر دیا ہے۔

دوسرے مرید نے پوچھا۔ میرا خیال یہ ہے کہ آپ پر کوئی بڑی مصیبت پڑی ہے جس نے آپ سے آپ کی خوشیاں چھین لی ہیں۔

آپ نے جواب دیا تیرا اندازہ بھی درست ہے اس سے بڑی مصیبت اور کیا ہو گی کہ مجھے جس نے پیدا کیا ہے میں اس کا پوری طرح شکر نہیں ادا کر پا رہا ہوں، دوسری بات یہ کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں اس سے ایک زمانہ ناراض ہے، میں یہ سوچ سوچ کر کڑھتا رہتا ہوں کہ جب میں ایک زمانے کو خوش نہیں رکھ سکا تو وہ ذات، جس کی وجہ سے میں نے ایک زمانے کو ناراض کیا ہے، اگر مجھ سے ناراض رہی اور میں اسے خوش نہ کر سکا تو میرا کیا حشر ہو گا، اب تم لوگ خود ہی سوچو کہ جس پر اتنی بڑی مصیبت آ پڑی ہو وہ کس طرح خوش رہ سکتا ہے۔

تیسرے مرید نے پوچھا۔ مجھے تو آپ بیمار سے لگتے ہیں۔

آپ نے جواب دیا۔ ہاں میں بیمار بھی ہوں اور یہ بیماری عصیاں کی ہے، تائب ہونے سے پہلے میں نے نہ معلوم کیسے کیسے گناہ کئے ہیں، معلوم نہیں خدا انہیں معاف بھی کرے گا یا نہیں اور اس وسوسے نے مجھے بیمار بنا رکھا ہے۔

Marfat.com

مرید نے مزید کہا اور حضرت! صاف بات تو یہ ہے کہ آپ رجائی نہیں ہیں، قنوطی ہیں آپ ہر چیز سے مایوس ہی نظر آتے ہیں اگر آپ رجائی انداز فکر اختیار کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ کے چہرے پر مستقلاً بشاشت نظر آنے لگے۔

آپ نے جواب دیا۔ تجھے جو بات کہنی تھی، کہہ چکا، اب اپنی زبان بند کر لے کیونکہ یہ تو نہیں بول رہا ہے، بلکہ یہاں مجھ سے وہ شخص ہم کلام ہے جس کے قبضہ واختیار میں بہت کچھ ہے اور خدا نے اسے ڈھیل دے رکھی ہے، کیا تجھ میں شیطان نے حلول نہیں کیا ہے اور تیرے سوال اس کے مرتب کیے ہوئے ہیں۔

آپ کے سارے مرید شرمندہ ہو کر چلے گئے۔

لیکن ایک دن آپ کو لوگوں نے اس حال میں دیکھا کہ آپ مسکرا رہے ہیں، یہ مسکراہٹ ایسی تھی جیسے گرہن کی مصیبت میں مبتلا چاند اپنی پوری آب وتاب سے دنیا کو روشن کرنے کی ناکام کوشش کرے آپ کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر ایک درویش نے کہا۔ جناب! آج کیا بات ہے کہ میں آپ کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ رہا ہوں۔

آپ نے کیف وسرمستی میں جواب دیا۔ ہاں، مجھے خدا نے شراب محبت پلا دی ہے آج میں اس کا غیر معمولی سرور محسوس کر رہا ہوں اور اسی خمار نے مجھے مسرور کر رکھا ہے۔

ایک دن آپ اپنے حجرے سے نکلے اور بازار کا رخ کیا، لیکن ابھی وہ بازار میں چند لمحے ہی رکے ہوں گے کہ وحشت زدہ ہو کر ایک طرف بھاگ کھڑے ہوئے وہ اپنے حجرے کی جانب بھاگ رہے تھے کسی نے آپ کو روکنے کی کوشش کی، پوچھا۔ یہ آپ کو ہو گیا کیا ہے، آپ بھاگ کیوں رہے ہیں؟''

آپ نے جواب دیا۔ ارے کیا تیری بینائی تجھ سے چھین لی گئی۔؟

وہ سامنے دیکھ وہ کون آرہا ہے۔؟

اس شخص نے سامنے دیکھا لیکن اسے کچھ بھی نظر نہ آیا بولا جناب وہاں تو کچھ بھی نہیں

Marfat.com

یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔؟''

آپ نے جواب دیا۔ بس جناب! چل گیا پتہ، نہ تو تو کچھ دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی کچھ سن سکتا ہے۔ دیکھ میری انگلی کی سیدھ میں دیکھ، وہ سامنے دیکھ، مردوں کا لشکر ہماری طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔

یہ کہتے ہوئے آپ اپنے حجرے میں گھس گئے اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

جب یہ بات جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے رو برو ہرائی گئی تو انہوں نے کہا۔ داؤد جھوٹ نہیں بول سکتا ہے اس کی تائید کرتا ہوں کہ اس نے مردوں کا لشکر ضرور دیکھا ہوگا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد شہر میں وباء چلی اور اس میں آبادی کا بڑا حصہ ہلاک ہو گیا۔

ایک دن اس عہد کے مشہور بزرگ ابو ربیع رحمۃ اللہ علیہ آپ کے پاس ملنے آئے اور بڑی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ آخر میں انہوں نے کہا حضرت! میں آپ کے پاس سے خالی ہاتھ ہرگز نہ جاؤں گا۔

آپ نے جواب دیا۔ ابو ربیع رحمۃ اللہ علیہ! میرے پاس رکھا ہی کیا ہے۔؟ ایک چادر تھی وہ بھی کوئی چرا لے گیا۔''

کابو ربیع رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ میں کچھ نہیں جانتا میں تو آپ سے کچھ نہ کچھ لے کر ہی ہلوں گا۔

آپ نے کہا۔ کچھ مانگ کر تو بھی شرمندہ ہوگا اور نہ دے کر میں بھی ندامت محسوس کروں گا اس لئے بہتر یہی ہے کہ تو خاموش رہے اور ملاقات کا وقت پورا کر کے اپنی راہ لے۔

ابو ربیع رحمۃ اللہ علیہ بھی بڑی ضدی تھے، بولے، آپ کچھ بھی کہیں لیکن میں نے جو بات کہہ دی ہے اس پر عمل کروں گا اور آپ کے پاس سے خالی ہاتھ ہرگز نہ جاؤں گا۔

آپ نے عاجز آ کر کہا۔ بھائی ابو ربیع! تم معلوم نہیں ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو،

Marfat.com

خدا کے لئے مجھے تنگ نہ کرو۔

ابو ربیع رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کیا۔ حضرت! میں نے آپ سے جو بات کہی ہے آپ کو اس کا اہل سمجھ کر کہی ہے آپ کے پاس جو کچھ ہے میں اس میں میں اپنے مطلب کی چیز مانگ لوں گا۔

آپ نے عاجز آ کر کہا اچھا بھائی! اگر یہ بات ہے اور وہ چیز میرے پاس موجود ہے جو تم مانگنا چاہتے ہو تو ضرور مانگو موجود ہوگی تو میں انکار بھی نہیں کروں گا۔

ابو ربیع رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کیا حضرت میں آپ کے پاس سے ایک آدھ نصیحت لے کر جاؤں گا اور وہ نصیحت بھی ایسی ویسی نہیں ہونی چاہیے۔

آپ نے مسکرا کر پوچھا۔ ابو ربیع رحمتہ اللہ علیہ! تم روزہ رکھتے ہو یا نہیں؟ ابو ربیع رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ ہاں میں روزے رکھتا ہوں۔

آپ نے نصیحت کی۔ ابو ربیع رحمتہ اللہ علیہ! اب تم روزہ دنیا سے رکھو اور اس کی افطار آخرت سے کرنا۔

ابو ربیع رحمتہ اللہ علیہ جھوم گئے، بولے حضرت! ایک نصیحت اور؟ آپ نے جواب دیا ابو ربیع رحمتہ اللہ علیہ میری دوسری نصیحت یہ ہے کہ تم بدگوئی سے پرہیز کرو، مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کرو دین کو دنیا پر ترجیح دو اور ہمیشہ یہ کوشش کرو کہ مخلوق کا خیال تک دل سے محو ہو جائے۔

ابو ربیع رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کیا۔ کوئی اور نصیحت؟

آپ نے بڑے جوش میں کہا۔ ابو ربیع! کیا تمہیں معلوم ہے کہ مردے تمہارا انتظار کر رہے ہیں یعنی تمہیں بھی مرنا ہے اس لئے آخرت کا سامان کرو۔

ابو ربیع رحمتہ اللہ علیہ مارے خوشی کے رونے لگے، بولے حضرت اور کچھ؟ آپ نے جواب دیا۔ ابو ربیع رحمتہ اللہ علیہ! ترک دنیا سے بندہ خدا تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔

ابو ربیع رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کیا۔ حضرت آپ نے یہ فرمایا تھا کہ آپ تہی دست ہیں اور

Marfat.com

یہ کہ آپ کے پاس کچھ بھی نہیں لیکن میں جانتا تھا کہ آپ دولت مند ہیں اور آپ کے پاس گراں مایہ خزانہ موجود ہے میں اس میں سے کچھ نہ کچھ ضرور حاصل کرلوں گا چنانچہ میں نے اس میں سے اپنا حصہ حاصل کرلیا ہے اور اب خوشی خوشی آپ کے سے رخصت ہو رہا ہوں۔

ابو ربیع رحمۃ اللہ علیہ چلے گئے، آپ نے بڑے دکھ سے خود کو مخاطب کیا۔ داؤد! تو دنیا کو تو نصیحتوں کے خزانے دے رہا ہے لیکن ذرا یہ تو بتاؤ کہ خود اس پر کس حد تک عمل پیرا ہے؟ شاید کچھ بھی نہیں، خدا تجھ پر رحم کرے۔

حضرت ابرہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ آپ سے ملنے گئے آپ ان سے مل کر بہت خوش ہوئے دونوں دین کی باتیں کرتے رہے دوران گفتگو فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ داؤد! میں محسوس کر رہا ہوں کہ اگر آپ اس چھت کے نیچے عبادت کرتے رہے تو یہ کمزور چھت کسی بھی دن آپ کے اوپر چڑھ جائے گی۔

آپ نے جواب دیا ابن عیاض! تم پر رحمت ہو کہ تم نے پہلی ملاقات ہی میں میری چھت کی بوسیدگی کا اندازہ لگا لیا حالانکہ میں اس چھت کے نیچے برس ہا برس سے بیٹھا ذکر و فکر میں لگا ہوا ہوں اور میں نے ایک بار بھی گردن اٹھا کر اس چھت کی طرف نہیں دیکھا۔

فضیل بن عیاض نے عرض کیا۔ حضرت میں یہ کب کہتا ہوں کہ آپ چھت کی طرف نہ دیکھئے، آپ ہر اس طرف ضرور دیکھئے جدھر آپ کی نظر جا سکتی ہے۔

آپ نے جواب دیا واہ ابن عیاض یہ مجھے کیا مشورہ دے رہے ہو تم؟

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جناب والا! آپ کو مسلسل غلط فہمی ہوئی ہے اب میں آپ سے کیا بات کروں؟ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا، خدا نے آپ کو وہ مرتبہ عطا کیا ہے کہ ہم لوگ آپ پر رشک ہی کرتے رہیں گے میرے لئے کوئی نصیحت؟''

آپ نے جواب دیا۔ فضیل! دنیا سے کنارکشی، دنیا سے حذر، دنیا سے پرہیز، دنیا سے گریز۔''

Marfat.com

فضیل رونے لگے بولے۔''داؤد! آپ کی باتوں میں کتنا سوز ہے، بخدا آپ نے میرے سینے کی آگ اور تیز کر دی ہے، خدا آپ کو جزائے خیر دے۔''

داؤد نے کہا۔ فضیل ! تم مستجاب الدعوات ہو خدا سے دعا کرو وہ میرا انجام بخیر کرے۔''

فضیل نے جواب دیا۔'' آپ میرے لئے دعا کیجئے میں آپ کے لئے کروں گا۔''

داؤد اس پر راضی ہو گئے اور ان دونوں نے ایک دوسرے کے لئے دعائے آخرت بخیر کی۔ اس عہد کے ہی دوسرے بزرگ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی بابت یہ خیال ظاہر کیا کہ میں نے داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ دنیا سے نفرت کرنے والا کوئی اور انسان نہیں دیکھا۔

آپ کے بال بہت بڑھ گئے تھے، آپ حجام کے پاس چلے گئے اور اس سے کہا ''میری حجامت بنا دے۔''

اس نے دوسروں کی حجامت روک کر آپ کی حجامت بنانا شروع کر دی اور باتیں بھی کرنا شروع کر دیں وہ بولتا رہا آپ خاموش رہے آخر اس کی بک بک سے تنگ آ کر آپ نے کہا اے شخص! تو اپنا کام کر، زبان کو ذرا آرام کرنے دے۔

حجام شرمندہ ہو کر چپ ہو رہا۔ آخر میں آپ نے اسے ایک دینار دے دیا حجام کو اس اجرت پر حیرت ہوئی، وہاں کچھ اور لوگ بھی موجود تھے، انہوں نے آپ کو روک لیا بولے۔

''جناب! آپ سچ سچ بتایئے، آپ اپنے ہوش میں تو ہیں؟''

آپ نے جواب دیا'' آپ نے ایک حجام کو ایک دینار دے کر بہت زیادہ اجرت دے دی ہے۔''

ایک شخص نے کہا۔''اگر میں نے ایک دینار دیا ہے تو اس پر تو کیوں اعتراض کر رہا ہے؟''

Marfat.com

اس شخص نے کہا۔ ''میرے خیال میں یہ اسراف بے جا ہے''

آپ نے جواب دیا۔ ''میں اسے اسراف میں شمار نہیں کرتا کیونکہ دین میں مروت ضروری ہے اور اسے میں نے مروت سمجھ کر دیا ہے بے جا اسراف سمجھ کر نہیں دیا۔''

وہ شخص خاموش ہو رہا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دو شاگرد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک زمانہ احترام کرتا تھا، خلیفہ ہارون رشید نے ان دونوں کو قاضی القضاۃ کا منصب پیش کیا، امام ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد امام ابو حنیفہؒ کی پیروی میں یہ منصب قبول نہیں کیا لیکن ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے قبول کر لیا۔ آپ کو ابو محمد سے عقیدت ہو گئی لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی قدر و منزلت دل سے نکل گئی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے پوچھا حضرت! میں نے سنا ہے کہ آپ ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ کو مجھ پر ترجیح دیتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟''

آپ نے جواب دیا۔ ''ہاں یہ درست ہے۔''

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ ''آپ مجھے کیوں ناپسند فرماتے ہیں؟''

آپ نے دوٹوک جواب دیا ''صرف اس لئے جب آپ کے استاد امام ابو حنیفہ کو خلافت کی طرف سے یہ منصب پیش کیا گیا تھا تو انہوں نے اسے ٹھکرا دیا تھا اور اس انکار کی انہیں سزا بھی دی گئی تھی اور تم نے اسی منصب کو قبول کر لیا ہے۔ پھر میں تم کو کس طرح پسند کروں، مجھے امام ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ زیادہ پسند ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنے استاد کی پیروی میں یہ منصب نہیں قبول کیا۔

امام ابو یوسف نے جواب دیا۔ لیکن میں اس منصب کے ذریعے لوگوں کی خدمت کر رہا ہوں۔''

آپ نے طنزیہ کہا ''ہاں ایک طرف خلیفہ لوگوں کی خدمت کر رہا ہے دوسری طرف تم

Marfat.com

کر رہے ہو اور تم دونوں لوگوں کی کون سی خدمت انجام دے رہے ہو میں آج یہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔''

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے۔

ایک دن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ حضرت! امیر المومنین ہارون رشید آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں جب فرمائیں لے کر حاضر ہو جاؤں۔''

آپ نے صاف انکار کر دیا بولے۔''نہ نہ اسے میرے پاس ہرگز نہ لانا وہ میرے پاس کیوں آنا چاہتا ہے؟ میں اس سے نہیں ملوں گا ہرگز نہیں ملوں گا۔''

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے التجا کی ''حضرت! میں نے امیر المومنین سے وعدہ کر لیا ہے کہ میں آپ سے ان کی ملاقات ضرور کرادوں گا۔

آپ نے جواب دیا۔ مجھ سے ملے بغیر تو نے ہارون سے وعدہ کیوں کر لیا۔؟''

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس لئے کہ میں جانتا ہوں آپ ایک خوش اخلاق انسان ہیں میری بات ضرور مان لیں گے۔

آپ نے جواب دیا تو نے سخت غلطی کی، میں دنیا دار ظالموں سے سخت نفرت کرتا ہوں اور ہارون رشید بھی ظالموں میں سے ایک ہے اسی لئے میں اس سے نہیں ملنا چاہتا۔''

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ مایوس ہو کر چلے گئے، جب ہارون رشید کو اس بات کا علم ہوا کہ داؤد نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا ہے تو وہ بہت سٹ پٹایا، بولا۔ اب کیا ہو گا؟ اور میں ان سے ہر قیمت پر ملوں گا۔

آخر بڑی گفتگو کے بعد یہ طے پایا کہ ہارون رشید اپنی ماں خیر زاں کو آپ کے پاس بھیجے گا اور وہ خوشامد درآمد سے آپ کو ہارون کی ملاقات پر آمادہ کر لیں گی خیر زاں کوئی معمولی عورت نہیں تھی چنانچہ اس نے آپ کو ملاقات پر آمادہ کر لیا آپ نے شکایتاً کہا۔ خیر زاں

Marfat.com

ہارون تیرا بیٹا ہے کیوں تو اپنی آخرت کی طرف سے فکر مند نہیں ہے؟

اس نے جواب دیا۔ میں تو سوچ سوچ کر قدم اٹھاتی ہوں اسی لئے میں شرمندگی سے محفوظ رہتی ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ اچھا اپنے بیٹے کے پاس جا اور اسے اس شرط پر میرے پاس بھیج دے کہ وہ مجھے کچھ دینے کی کوشش ہرگز نہ کرے، کیونکہ میں بادشاہوں کو ظالم اور جابر سمجھتا ہوں اور اسی لئے میں بادشاہ سے کچھ لینا بالکل پسند نہیں کرتا۔

خیرزاں! اپنے بیٹے ہارون رشید کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی، ان دونوں کے ساتھ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ ہارون رشید بڑے احترام سے پیش آیا۔ آپ نے کہا۔ ہارون! تیرے پاس کس چیز کی کمی ہے پھر وہ کیا چیز تھی جو تجھے میرے پاس لائی۔

ہارون نے جواب دیا۔ آپ کی بے نیازی، آپ کو استغنا۔ واللہ میں جو چاہوں، خرید لوں، جسے چاہوں ملازم رکھ لوں لیکن آپؒ کے سامنے میری کوئی حیثیت ہی نہیں اور اس وقت تو مجھے اپنی اس کمزوری اور بے بضاعتی کا بہت زیادہ احساس ہوا جب میں نے آپ کی خدمت میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا اور آپ نے انہیں یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ آپ مجھ سے نہیں مل سکتے۔

آپ نے جواب دیا۔ ہاں ہارون! میں بادشاہوں اور حکمرانوں کو جابر اور ظالم سمجھتا ہوں تم لوگ عوام کی امانت کو اپنے آپ پر خرچ کرتے ہو، اپنی خواہشات میں عدل و انصاف سے کام نہیں لیتے۔ چنانچہ روز قیامت جتنا بڑا محاسبہ تم لوگوں کا ہوگا کسی اور کا اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوگا۔

ہارون کچھ دیر آپ کی خدمت میں رکا رہا اس کے بعد کہا۔ حضرت مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔

آپ نے جواب دیا۔ میں تجھے نصیحت نہیں، تجھ سے خواہش کروں گا۔

Marfat.com

ہارون نے پوچھا۔ وہ کیا؟''

آپ نے جواب دیا۔ اب آئندہ تو مجھے یا میرے جیسے کسی اور کو ملاقات کی زحمت سے محفوظ رکھے گا۔

ہارون نے کہا۔ میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ میں آپ کو کچھ پیش کروں۔

آپ نے جواب دیا۔ خواہش کو مار، نفس کشی کر، کیونکہ یہ وہ موذی ہیں جو انسان کو زندگی بھر سانپ کی طرف ڈستے رہتے ہیں۔

ہارون کے ہاتھ میں ایک دینار تھا اسے آپ کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ آپ زیادہ نہیں تو ایک دینا تو قبول ہی فرمالیں۔

آپ نے ہارون کی ماں خیرزان کی طرف دیکھا اور کہا۔ کیا میں نے ملاقات سے پہلے ہی یہ شرط نہیں رکھ دی تھی کہ میں ملاقات اس شرط پر کروں گا کہ بادشاہ سے کچھ قبول نہ کروں گا۔؟''

خیرزان نے جواب دیا۔ ہاں یہ شرط آپ نے رکھی ضرور تھی لیکن میرے بیٹے کی یہ معمولی خواہش اگر آپ پوری کر دیں گے تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

آپ نے کہا۔ میرے پاس اپنے خرچ کے لئے جائز رقم موجود ہے اس لئے بادشاہ سے کچھ لینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

ہارون نے کہا۔ آپ یہ دینار رکھ لیجئے کیونکہ زندگی کا کوئی بھروسا نہیں، جب آپ کے پاس اپنی رقم خرچ ہو جائے گی اس وقت یہ میرا دینار آپ کے کام آجائے گا۔

آپ نے جواب دیا۔ اول تو یہ کہ میرے پاس جتنی رقم موجود ہے وہ زندگی بھر کے لئے کافی ہے لیکن اگر یہ رقم ناکافی بھی ہوگی تو میں خدا سے دعا کروں گا کہ میری اسی دن موت واقع ہو جائے، جب یہ میری رقم میرے پاس ختم ہو جائے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ہارون رشید کو منع کیا۔ امیر المومنین! آپ داؤد کو مجبور نہ

Marfat.com

کیجئے، انہوں نے اگر ایک بار کچھ لینے سے منع کر دیا ہے تو یہ ہمارے لاکھ اصرار اور خوشامد کے باوجود کچھ بھی نہ لیں گے۔

آپ جس مکان میں رہتے تھے وہ آپ کا آبائی تھا اور خاصا بڑھ مکان تھا۔ ایک مدت سے دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے یہ مکان جگہ جگہ سے ٹوٹ پھوٹ رہا تھا، آپ کے مریدوں نے آپ کو منع کیا کہ وہاں سے ہٹ جائیے ورنہ یہ کسی دن سر پر آرہے گا، لیکن آپ نے اس کی کوئی پروانہ کی اور بدستور عبادت وریاضت میں مشغول رہے۔ آپ کے ایک مرید نے کہا۔ حضرت آپ توجہ نہیں دے رہے ہیں اور مجھے بڑا خوف محسوس ہو رہا ہے کہ کہیں مکان کا یہ حصہ آپ پر نہ گر جائے۔

آپ نے جواب دیا۔ لیکن میں خوف نہیں محسوس کر رہا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ اگر یہ گرا بھی تو مجھ پر ہرگز نہ گرے گا۔

مرید نے کہا یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں یہ بوسیدہ عمارت ہر اس شخص پر گر سکتی ہے جو اس کے نیچے موجود ہو گا۔

آپ نے کہا اگر میرا رب یہی چاہتا ہے کہ میں اس کا ذکر کرتے کرتے دیوار تلے دب کر اس کے پاس پہنچ جاؤں تو مجھے کیا انکار ہو سکتا ہے مرضی مولی از ہمہ اولی۔

جب مریدوں نے یہ دیکھا کہ آپ پر نصیحتیں کارگر نہیں ہو رہی ہیں تو خاموشی اختیار کر لی، مگر خود احتیاط کرنے لگے وہ آپ کے پاس جاتے، لیکن آپ سے باتیں کرتے وقت بوسیدہ دیوار سے دور رہتے کیونکہ وہ اس یقین کی دولت سے محروم تھے، جو داؤد طائی کو حاصل تھی۔

ایک دن فجر کی نماز سے فارغ ہو کر آپ جیسے ہی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھے دیوار ہلنے لگی اور اس سے گرد وغبار جھڑنے لگا مریدوں نے شور کیا حضرت! بچیئے، دیوار لرز رہی ہے۔

Marfat.com

آپ نے دیوار کی طرف دیکھا اور فرمایا اے دیوار! میں نے تجھ سے اپنی پشت ہی تو ٹکائی تھی، تجھ پر اپنا پورا بوجھ تو نہیں ڈالا تھا۔ پھر تو کیوں کانپ رہی ہے!''؟

لوگوں نے دیکھا دیوار نے ہلنا بند کر دیا تھا، آپ اس سے پشت ٹکا کر دوبارہ بیٹھ گئے۔

آپ نے اپنے مریدوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ اگر انسان خود کو اللہ کے حوالے کر دے تو اللہ کی مخلوق اسے گزند نہیں پہنچا سکتی۔ ہاں اگر اللہ ہی نہ چاہے تو دوسری بات!''

ایک مرید نے کہا۔حضرت! آپ کی بات میری سمجھ میں اس لئے نہیں آتی کہ چیزیں کسی کے لئے اپنا خواص کس طرح بدل سکتی ہیں؟ آگ کی گرمی برف کی ٹھنڈک یہ تو قائم ہی رہیں گی۔''

ہاں، بے شک ان کے خواص میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوگی۔''

مرید نے عرض کیا۔ پھر جب یہ طے ہوگیا کہ چیزیں اپنے خواص نہیں بدلتیں تب پھر یہ شکستہ دیوار اپنی عمر پوری کر کے کس طرح کھڑی رہ سکتی ہے۔؟''

آپ نے جواب دیا۔''

''چیزوں کے خواص اللہ کے حکم سے ہی تو قائم ہیں ان خواص میں اللہ کے حکم ہی سے ردو بدل بھی ہو سکتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح خدا کے حکم سے حضرت خلیل اللہ کے لئے آگ گل زار بن گئی تھی۔

آپ باتوں میں مشغول ہی تھے کہ دیوار لرزی اور لرز کر دوسری طرف گر گئی آپ بالکل محفوظ رہے، آپ نے گری ہوئی دیوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا دیکھو خدا نے شکستگی میں کوئی تبدیلی نہیں فرمائی، بس اس کے گرنے کا رخ بدل دیا اور اس طرح اس نے اپنے بندے کو بچا لیا۔

Marfat.com

مریدوں کو اس پر بڑی حیرت ہوئی، بولے بے شک خدا چاہے تو آگ گل زار بن سکتی ہے۔

آپ نے اپنا مختصر سامان سمیٹا اور دوسری دیوار کے سائے میں جا بیٹھے۔

آپ کا پورا مکان ہی شکستہ و بوسیدہ ہو چکا تھا، جس دوسری دیوار کے سائے میں آپ جا کر بیٹھے تھے، وہ بھی بہت کمزور تھی مریدوں نے ایک بار پھر اصرار کیا کہ آپ یہاں سے بھی ہٹ جائیں۔

آپ نے جواب دیا میں اس دیوار کے سائے سے ہٹ کر کہیں تو جاؤں گا ہی اور یہ پورا مکان بوسیدہ و خستہ ہو رہا ہے تم لوگ پورے مکان میں گھوم پھر کر وہ جگہ تو بتاؤ جو نسبتا زیادہ اچھی اور مضبوط ہو، میں وہیں منتقل ہو جاؤں گا۔

مریدوں نے مکان کا ہر حصہ خوب غور سے دیکھا اور اس نتیجے پر پہنچے اس کی ہر جگہ ہر حصہ غیر محفوظ اور بوسیدہ ہے مجبوراً خاموشی اختیار کی اور آپ جہاں بیٹھے تھے وہیں بیٹھا رہنے دیا۔

ایک دن ایک شخص آپ کے پاس آیا اور عرض کیا حضرت مجھے آپ کے پاس امام ابو یوسف نے بھیجا ہے۔

اس نے کہا کام تو کوئی بتایا نہیں بس یہ پوچھا ہے کہ آپ کے پاس اس وقت کتنی رقم موجود ہے؟

آپ نے کہا اگر میں تیرے سوال کا جواب دے بھی دوں تو اس سے اس کو یا مجھ کو کیا حاصل ہوگا؟"

آدمی نے کہا میں تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس سے آپ دونوں میں سے کس کو کیا حاصل ہوگا؟ لیکن انہوں نے مجھے بھیجا اس لئے ہے کہ میں ان کے اس سوال کا جواب آپ سے لے کر ان تک پہنچا دوں۔

Marfat.com

آپ مسکرائے، بولے امام ابو یوسف سے کہہ دینا کہ جس امام ابو حنیفہ کے تم شاگرد ہو، اس کا بیس سال تک میں بھی شاگرد رہا ہوں، تم فقیہہ ہو تو میں غریب درویش ہوں، جو بات تمہارے دل میں ہے خدا نے اس کا کشف میرے دل پر کر دیا ہے تم امام ابو یوسف سے کہہ دینا کہ میرے پاس اتنی رقم موجود ہے کہ اس کے سہارے کسی کا احسان لئے بغیر اپنی بقیہ زندگی گزار دوں۔

امام ابو یوسف کے آدمی نے کہا حضرت! مجھے یہ تو معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے یہ سوال کیوں کیا ہے اور اگر آپ پر یہ بات کشف سے منکشف ہو چکی ہے تو میں جواب لے جانے کا پھر بھی پابند رہتا ہوں۔

آپ نے جواب دیا امام ابو یوسف سے کہہ دینا ابھی میرے پاس چاندی کے دس درہم باقی ہیں۔

وہ آدمی یہ جواب لے کر چلا گیا لیکن کچھ ہی دیر بعد پھر واپس آیا اور کہا حضرت اب وہ یہ دریافت فرما رہے ہیں کہ چاندی کا ایک درہم آپ کو کتنے دنوں کے لئے کافی ہوتا ہے؟

آپ نے جواب دیا تقریباً دو ماہ کے لئے۔

جب یہ شخص آپ کے جواب لے کر چلا گیا تو آپ نے اپنے مریدوں سے دریافت فرمایا۔ تم لوگوں نے کچھ محسوس کیا کہ ابو یوسف مجھ سے کیا معلوم کر رہے تھے؟

لوگوں نے جواب دیا۔ ہمیں نہیں معلوم، کچھ آپ ہی وضاحت فرمائیں۔

آپ نے کہا۔ میں نے ایک بار یوسف سے یہ کہا تھا کہ میرے پاس جو رقم موجود ہے وہ پوری زندگی کے لئے کافی ہے۔ اس طرح وہ یہ پوچھ کر کہ میرے پاس کتنی رقم باقی رہ گئی ہے اور چاندی کا ایک درہم مجھے کتنے دنوں کے لئے کافی ہوتا ہے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ابھی میں کتنے دن اور جیوں گا۔

مریدوں نے دل ہی دل میں حساب لگایا، اس حساب سے آپ کو بیس ماہ اور زندہ

Marfat.com

رہتا تھا۔

جیسے جیسے مدت پوری ہو رہی تھی، لوگوں کی فکر و تشویش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، وہ جس دیوار کے سائے میں بیٹھے تھے وہ پہلی دیوار سے زیادہ کمزور تھی اور ہوا کے جھونکوں سے ہلنے لگتی تھی۔ لوگوں کو شبہ ہونے لگا کہ اگر ذاؤد سابقہ گری ہوئی دیوار سے بچ گئے تھے تو اس دیوار تلے دبنے سے نہیں بچیں گے۔ انہوں نے آپ کو ایک بار پھر منع کیا۔ حضرت یہ دیوار پچھلی دیوار سے زیادہ کمزور ہے خدا کے لئے یہاں سے ہٹ جایئے۔

آپ نے جواب دیا۔ لوگو جس خدا نے مجھے پہلے بچایا تھا، وہی اس وقت بھی میرا محافظ ہے۔

ایک مرید نے کہا۔ ہمیں تو اس لئے زیادہ فکر ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کا جو حساب بتایا تھا، اس کے اعتبار سے یہ دیار بڑی خطرناک محسوس ہو رہی ہے۔

آپ نے جواب دیا۔ تم جس خطرے کا اظہار کر رہے ہو، ہوسکتا ہے وہ اسی طرح رونما ہو جائے لیکن میں تقدیر الٰہی سے بھاگ کر جا بھی کہاں سکتا ہوں۔

مرید نے عرض کیا آپ میرے گھر تشریف لے چلیں، میں آپ کی خدمت بھی کروں گا اور رہنے کے لئے ایک اچھا سا کمرہ بھی دوں، آپ کے لئے کیا ہی ہے؟

''افسوس کہ میں نے آج تک کسی کا احسان نہیں لیا، پھر ان آخری لمحوں میں کسی کا کیا احسان لوں گا۔'' مرید نے کہا میں جو کچھ کروں گا وہ احسان کب ہو گا؟ آپ نے مجھے صراط مستقیم پر ڈالا ہے، میں جو کچھ بھی کروں گا عقیدتاً کروں گا، آپ میرا دل نہ توڑیئے۔ آپ نے جواب دیا۔ میں تیرا دل نہیں توڑ رہا ہوں، بلکہ وہی کر رہا ہوں جس کا میرے اللہ نے مجھے حکم دیا ہے۔ مرید کو بڑا قلق ہو رہا تھا، کمزور دیوار کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ خدا کے لئے اس ہلتی ہوئی دیار سے ڈریئے۔ آپ نے جواب دیا۔ میں صرف اللہ سے ڈرتا ہوں اور کسی نہیں۔

Marfat.com

مرید نے عرض کیا۔ ظاہر ہے میں آپ سے درخواست ہی کر سکتا ہوں کہ آپ یہ جگہ چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہو جائیں۔ لیکن آپ نے مرید کی بات نہیں مانی۔ آپ دیوار کے سائے میں بیٹھے وعظ فرما رہے تھے لوگو لمحے ساعتوں میں ساعتیں گھڑیوں میں اور گھڑیاں پہروں میں پہر دنوں میں اور دن ہفتوں، مہنوں اور سالوں میں بدلتے جا رہے ہیں جو آیا ہے اسے جانا بھی ہے جس نے زندگی بھر کا مزہ چکھا ہے اسے موت کا مزہ بھی چکھنا ہے لوگو! میں ان پر حیران ہوں جو ہنستے ہیں اور ان سے زیادہ ان پر حیران ہوں جو قہقہے لگاتے ہیں واللہ اگر انہیں عرفان ذات اور عرفان کائنات حاصل ہو جائے تو وہ مسکرانا اور قہقہے لگانا بھول جائیں گے۔ ایک مرید نے پوچھا۔ ہمیں زندہ رہنے کے لئے سبھی کچھ کرنا پڑتا ہے اس لئے یہ بتایئے کہ ہم صاف ستھری زندگی کس طرح بسر کریں۔؟

آپ نے جواب دیا۔ اگر تم یہ سمجھ لو کہ تم پل صراط عبور کر رہے ہو تو تم زندگی اور دنیا میں صحیح زندگی گزار سکو گے؟ کیونکہ پل صراط پر چلنے والا نہ تو ہنس سکتا ہے اور نہ ہی قہقہے لگا سکتا ہے۔ اس وقت دیوار سے ہلنا اور گرنا شروع کر دیا۔ مرید بھاگ کر ادھر ادھر ہو گئے اور دیوار گرتے گرتے دو حصوں میں تقسیم ہو گئی اس کا ایک حصہ بائیں صرف اور دوسرا دائیں طرف گرا لیکن جہاں آپ بیٹھے تھے، وہ جگہ محفوظ رہی، آپ نے اپنا سامان سمیٹا اور صدر دروازے والے حصے میں منتقل ہو گئے۔ یہاں چھت پڑی تھی مگر یہ بھی بہت زیادہ بوسیدہ تھی، آپ کے مریدوں نے عاجز آ کر عرض کیا۔ حضرت آخر آپ ہماری بات مان کیوں نہیں لیتے؟ آپ ہم میں سے جس کے گھر میں بھی رہنا چاہیں، چل کر رہیں اور اس بوسیدہ مکان کو نہیں چھوڑ دیں۔

آپ نے جواب دیا۔ افسوس کہ جیسا میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ میں اپنا آبائی مکان نہیں چھوڑ سکتا۔

ایک مرید نے کہا تب پھر مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس حصے کی چھت نئی ڈلوا دوں کیونکہ یہ بہت بوسیدہ ہے اور اگر گری تو یہ آپ کے اوپر ہی گرے گی۔

Marfat.com

آپ نے جواب دیا اب میری زندگی ہی کتنی رہ گئی، جو میں نئی چھت کی فکر کروں۔

ایک دن آپ کو ان کے مریدوں نے دیکھا کہ دھوپ میں بیٹھے قرآن پاک کی تلاوت فرمارہے ہیں انہیں خوشی ہوئی کہ چلئے آپ نے مخدوش چھت سے کنارہ کشی تو اختیار کی لیکن آپ کے بعض مریدوں کو اس پر بہت قلق ہوا کہ آپ دھوپ میں بہت پریشان ہو رہے ہیں۔ ایک مرید نے درخواست کی حضرت آپ سائے میں تلاوت فرمائیں اس ضعیفی میں دھوپ آپ کی صحت بگاڑ دے گی۔ آپ نے جواب دیا۔ میں نے زندگی بھر اپنے نفس کا کہا نہیں کیا اس وقت بھی میرے نفس کی یہی خواہش ہے کہ میں سائے میں چلا جاؤں، یعنی میں زندگی کے ان آخری لمحوں میں نفس کی بات مان کر پوری زندگی کے اعمال برباد نہیں کروں گا۔

آپ نے اپنے مریدوں سے کہا دیکھو جب میں مرجاؤں تو مجھے میرے اس مکان کی دیوار تلے دفن کر دینا۔ مریدوں نے ایک دوسرے کی صورتیں دیکھنا شروع کر دیں وہ آپس میں چہ میگوئیاں کررہے تھے۔ کیا آپ رحلت فرمانے والے ہیں؟

شاید باتوں سے تو یہی معلوم ہورہا ہے۔

لیکن کب؟ کیا دو چار دن میں، یا دو چار ہفتوں میں۔

کچھ پتہ نہیں لیکن شاید ایک آدھ ماہ میں۔

ایک دن آپ کے مرید آپ کے پاس نصف رات تک موجود رہے۔

اس رات ایک مرید نے خواب میں دیکھا کہ آپ فضا میں پرواز کر رہے ہیں۔ جاگنے کے بعد اس نے سوچا کہ خدا نے آپ کا مرتبہ بہت بلند کر دیا ہے وہ علی الصباح اپنا خواب بتانے آپ کے پاس پہنچا وہاں بہت سے مرید جمع تھے اور بوسیدہ چھت کے نیچے لوبان کا دھواں اٹھ رہا تھا، لوگ سسکیاں لے لے کر رو رہے تھے۔ ایک مرید نے اعلان کیا۔

Marfat.com

حضرت وصال فرما چکے ہیں۔ خواب دیکھنے والے مرید نے دوسرے مریدوں کو اپنا خواب سنایا اور باآواز بلند بتایا کہ مجھے میرے خواب کی تعبیر مل چکی ہے، میں نے رات آپ کو پرواز کرتے دیکھا تھا چنانچہ آپ نے عالم بالا کا سفر اختیار کیا اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

آپ کے مریدوں نے آپ کو وصیت کے مطابق ان کے آبائی مکان ہی کی ایک دیوار کے نیچے دفن کر دیا۔

کہتے ہیں وہ بوسیدہ چھت بھی اسی دن زمین بوس ہوگئی۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

بسطام میں مجمع لگا ہوا تھا ایک باریش بزرگ مجمع سے مخاطب تھا۔ لوگو! خدا نے مجھے تمام موجودات سے بے نیاز کر کے اپنے نور سے سرفراز کیا اور تمام اسرار و رموز سے آگاہی عطا کی میں نے یقین کی نگاہ سے خدا کا مشاہدہ کیا۔ معلوم ہوا کہ میرا نور اس کے نور کے سامنے تاریک ہی تاریک ہے، اور میرے برتری اس کی برتری کے سامنے قطعی بے حقیقت ہے وہ مصفا تھا، مشفا تھا اور میرے وجود میں کثافت تھی۔ میں نے اپنے نور سے اس کے نور کا موازنہ کیا تو یہ اندازہ ہوا کہ میری تمام عبادت و ریاضت میں اسی کا حکم نافذ ہے۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی۔ جواب ملا کہ جب تک ہم کام کرنے کی قوت عطا نہیں کرتے، اس وقت تک تو کچھ نہیں کر سکتا۔ تحقیقی فاعل ہم ہیں۔ ہمارے ہی ارادے سے تمام چیزیں ظہور پذیر ہوئی ہیں پھر خدا نے میری ہستی فنا کر کے مجھے بقاء کا مقام عطا کیا اور میں نے اپنی خودی کا بے حجابانہ مشاہدہ کیا۔ گویا میں نے اللہ کو اللہ کے ذریعے دیکھا۔

کسی نے سوال کیا کیا تمہیں معراج کی سعادت نصیب ہوئی ہے؟

جواب ملا۔ ہاں مگر میری معراج ایک جاہل کی معراج تھی، میں اللہ کی حقیقت میں گم ہو کر گونگا، بہرہ اور جاہل بن گیا تھا پھر میں نے نفس کی بربریت درمیان سے فنا کر کے ایک

Marfat.com

عرصے وہاں قیام کیا پھر اللہ نے مجھے ازلی علوم سے آگاہ کیا اور زبان کو گویائی اور آنکھوں کو نور عطا کیا اس نور کے ذریعے میں نے ہر شے میں اس کی ذات جلوہ گر دیکھی اور اسی کے علم سے علم حاصل کیا۔ پھر مجھ سے ارشاد فرمایا گیا۔ کہ تو سب کے ساتھ بھی ہے اور سب سے جدا بھی تجھے وسائل کے بغیر تمام وسائل حاصل ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ مجھے ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے تیرے وجود کے بغیر اپنا وجود ناپسند ہے، بلکہ میں تیرے وجود کا قیام اپنے وجود کے بغیر چاہتا ہوں حکم ہوا، شریعت چھوڑ کے اعتدال کی حد سے نکل جا، تا کہ تیری کوشش ہمارے لئے پسندیدہ ہو۔ میں نے کہا خود میری تمنا بھی یہی ہے اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ میری ذات نقص وعیب سے پاک ہے۔

مجمع میں شور بلند ہوا۔ کفر کفر، یہ کفر ہے، یہ کفر ہے۔

بزرگ نے اپنا عصاء زمین پر مارا اور غصے سے جواب دیا۔ تمہارا کفر تمہارے ساتھ، میری روشنی میرے ساتھ، جو لوگ اس روشنی کے دائرے سے باہر جانا چاہتے ہیں، وہ اپنے کفر میں واپس چلے جائیں۔

لوگ توبہ استغفار کرتے ہوئے خانقاہ سے چلے گئے صرف قاضی شہر حسین بن عیسیٰ بیٹھا رہا وہ اس بزرگ پر کفر کا فتویٰ صادر کرنے کے لئے ٹھہرا تھا لیکن فتویٰ صادر کرنے سے پہلے وہ جرم کی وضاحت سننا چاہتا تھا اس نے پوچھا۔ بابا تجھے یہ کیسے معلوم ہوا کہ تیری ذات کسی نقص اور عیب سے پاک ہے؟ حسین بن عیسیٰ قاضی شہر ہونے کے علاوہ بسطام کی درس گاہ کا سربراہ بھی تھا۔

بزرگ نے کہا۔ اے شخص افسوس کہ تیری درس گاہ میں اب تک جتنی کتابیں پڑھائی گئی ہیں، ان میں صرف الفاظ تھے علم نہیں تھا۔ میں نے اللہ سے کہا کہ تو میرے علم کا سبب بخوبی جانتا ہے۔ اللہ نے میرے قلب کی تاریکی اور نفس کی کثافت دور کر دی۔ میں نے محسوس کیا کہ میری حیات کا تعلق خدا سے ہے اور میں اس کے فضل و کرم میں ملبوس ہوں۔

Marfat.com

اللہ نے کہا۔ اور کیا چاہتا ہے میں نے کہا میں تجھ سے تجھی کو طلب کرتا ہوں۔ تو مجھے اپنا تقرب عطا کر کے ماسوا سے نجات دلا دے چنانچہ مجھے کرامت کا تاج دے دیا گیا اور کہا گیا کہ تو نے حق کو دیکھ لیا اور پا لیا ہے۔

حسین بن عیسیٰ نے غصے سے کہا۔ خدا کی قسم تو مسلمان نہیں رہا اپنی ظاہری آنکھوں سے کوئی شخص حق کا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر اس نے بزرگ کے چہرے پر نظر ڈالی تو حق کی دہشت سے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

یہ بزرگ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ تھے وہ منبر سے اترے اور بے ہوش حسین بن عیسیٰ کے قریب پہنچے انہوں نے آہستہ سے کہا۔ اے بے خبر جسم ارے تو صرف ادھوری بات سن کر بے ہوش ہو گیا خدا کی حمد و ثناء کر مجھے دیکھ میں نے اس کی حمد و ثناء کی تھی۔ اس کے صلے میں مجھے ایسے پر عطا کئے گئے جن کے ذریعے میں نے عزت کے میدان پر پرواز کی اور قدرت کے صنائع کا مشاہدہ کیا۔ خدا نے اپنی قوت و زینت سے مجھے قوت اور زینت بخشی اور میرے لئے توحید کا در کھول دیا۔ اور کہا۔ کہ اب تیری رضا ہماری رضا ہو گئی ہے تو ہمارے اوصاف سے وابستہ ہو گیا ہے۔ اس کے بعد از سر نو زندگی عطا کی گئی اور مکمل آزمائش کے بعد دریافت کیا گیا کہ کائنات کس کی ہے؟ حکم کس کا ہے؟ مختار کون ہے؟ میں نے کہا۔ یہ اوصاف تیرے سوا کسی میں نہیں ہو سکتے۔ پھر جس وقت مجھے قہر کی نظر سے دیکھا گیا تو میری ہستی فنا ہو گئی اور میں نے صبر اور سکون کا لباس پہن لیا صبر اور سکون ہی کی بناء پر مجھے یہ مراتب تفویض کئے گئے ہیں میرے تاریک قلب میں دریچہ کھول دیا گیا اور مجھے توحید کی زبان عطا کر کے اس نے میرا قلب اپنے نور سے معمور کر دیا اور اپنی صنعتوں سے میری آنکھیں خیرہ کر دیں اور اب میں اس کی مہربانی سے بات کرتا ہوں اور چلتا پھرتا ہوں، اسی کے کرم سے مجھے وہ زندگی ملی ہے جس کے لئے موت کا وجود ہی نہیں ہوتا۔ پھر کہا کہ مخلوق تیرے دیدار کی متمنی ہے میں نے کہا۔ میں تو تیرے سوا کسی کو دیکھنا پسند نہیں کرتا لیکن اگر تیری خواہش ہے کہ مخلوق

Marfat.com

میرا نظارہ کرے تو میں راضی ہوں مگر پہلے مجھے وحدانیت سے آراستہ کر دے تا کہ مخلوق مجھ میں تیری صفات کا مشاہدہ کر سکے اور میرا وجود درمیان سے منقطع ہو جائے خدا نے میری خواہش کی تکمیل کی اور مجھے تمام عالم کے سامنے پیش کر دیا۔

اس اثناء میں خانقاہ کے بے شمار عابد بایزید بسطامی کے اطراف جمع ہو گئے تھے۔ بایزید بسطامی نے بے ہوش حسین بن عیسیٰ سے مخاطب ہو کر کہا کتاب کے کیڑے اٹھ اور میری معراج کے احوال سن۔

حسین بن عیسیٰ فوراً آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جلال کے عالم میں کہہ رہے تھے۔ میں تیس سال تک وحدانیت کی فضا میں پرواز کرتا رہا اور تیس سال تک الوہیت کی فضا میں اڑتا رہا اور تیس سال یکتائیت کی فضا میں رہا۔ اس طرح جب نوے سال مکمل ہو گئے تو میں نے بایزید کو دیکھا اور محسوس کیا کہ جو عالم نظروں سے گزرا ہے وہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ ہی نے دیکھا ہے پھر میں چار ہزار مراتب طے کرنے کے بعد اولیاء کے کمال تک پہنچا اور جب میں نے خدا کو نبوت کے ابتدائی درجے میں دیکھا تو یہ تصور کر لیا کہ شاید اتنا عظیم مرتبہ کسی کو حاصل نہیں ہوا لیکن غور و فکر کے بعد معلوم ہوا کہ میرا سر ایک نبی کے قدموں کے نیچے ہے اس وقت مجھے یہ محسوس ہوا کہ ولایت کی انتہا نبوت کی ابتدا ہوتی ہے اور نبوت کی کوئی انتہا نہیں ہوتی اس مقام سے جب میری روح فردوس، جہنم اور ملائکہ کے مشاہدے کے لئے روانہ ہوئی تو وہاں مجھے انبیاء سے نیاز حاصل ہوا۔ میری روح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پہنچی میں نے دیکھا کہ آگ کے دریا میں ایک راستہ ہے اور اس میں نور کے ہزاروں حجابات ہیں حجابات کی وجہ سے میری روح سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے محروم رہ گئی اور مجھ پر ہیبت کے باعث غشی طاری ہو گئی پھر جب مجھے ہوش آیا تو میں نے دور ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کیا اس طرح مجھے خدا کا قرب حاصل ہو گیا لیکن اس کے محبوب تک میری رسائی نہیں ہو سکی کیونکہ اللہ تو ہر بندے کے ہمراہ اور قریب ہے اور ہر بندہ اپنی بصیرت

Marfat.com

کے مطابق اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے لیکن رسول اللہ کی زیارت اسی وقت نصیب ہوتی ہے جب بندہ لا الہ الا اللہ کی منزل سے گزر جائے۔

قاضی شہر بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ پر شرعی حد قائم کرنے کے لئے آیا تھا، مگر یہ باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں وہ خدا کے ایک ایسے بندے کے سامنے کھڑا تھا، جس کی زبان سے خود خدا گفتگو کرتا تھا۔ قاضی شہر پر زبردست ہیبت طاری تھی وہ نظر بھر کر بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن حاکم کے حکم کے مطابق اسے ان پر شرعی حد ضرور قائم کرنی تھی چنانچہ اس نے آہستہ سے کہا بایزید! خدا کی قسم تمہارے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ تمہاری باتیں میرا دل تو سمجھ رہا ہے لیکن دماغ انہیں تسلیم کرنے سے انکاری ہے لہذا کیا تمہارے حق میں یہ بہتر ہوگا کہ تم بسطام سے کہیں اور چلے جاؤ اس طرح وہ لوگ تم سے نجات حاصل کرلیں گے جو تمہیں برا کہتے ہیں۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً کوچ کا ارادہ کرلیا اور جاتے جاتے شہر کے در و دیوار پر ایک نظر ڈالی اور کہا۔ کتنا اچھا ہے وہ شہر جس کا برا آدمی میں ہوں۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایرانی صوبے قومس کے شہر بسطام میں پیدا ہوئے یہ ۱۷۷ھ کا ذکر ہے۔ ان کے باپ شیخ عیسیٰ اپنے محلے کے موبدان میں بہت عابد و زاہد اور نیک نفس مشہور تھے۔ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت کے چند ماہ بعد وہ اس فانی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آگے چل کر اس یتیم بچے نے روحانیت کی بلندیاں چھولیں اور سلطان العارفین کہلایا۔ ماں نے اس کا نام طیفور رکھا تھا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ بایزید کا اولیاء میں وہی مقام ہے جو جبریل کا ملائکہ میں ہے اور توحید کے مقام میں تمام بزرگوں کی انتہا ان کی ابتداء ہے کیونکہ لوگ ابتدائی مقامات ہی میں سرگرداں رہ جاتے ہیں۔ خود بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ لوگ مسلسل دو سو سال تک معرفت کے گلشن میں سرگشتہ رہنے کے بعد وہ پھول حاصل کرتے ہیں جو مجھے ابتداء ہی میں حاصل ہو گئے تھے۔ شیخ ابو

Marfat.com

سعید رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ میں پورے عالم کو بایزید کے اوصاف سے لبریز دیکھتا ہوں، اس کے باوجود بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے مراتب کوئی نہیں جانتا۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی ماں کہتی تھیں کہ جس وقت بایزید پیٹ میں تھا اس وقت اگر کوئی مشتبہ غذا میرے پیٹ میں چلی جاتی تھی تو مجھے شدید بے کلی اور بے چینی محسوس ہوتی تھی یہاں تک کہ مجھے وہ غذا حلق میں انگلی ڈال کر نکالنا پڑتی تھی۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے طریقت کی راہ میں سب سے بڑی دولت وہ جو مادر زاد ہو پھر چشم بینا اور گوش ہوش دولتیں ہیں۔ اگر یہ تینوں چیزیں حاصل نہ ہوں تو انسان کے لئے مرگ ناگہاں بہتر ہے۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ سات سال کے تھے کہ ان کی والدہ نے انہیں مکتب میں داخل کروا دیا ایک دن وہ ایک آیت سن کر حیرت میں رہ گئے۔ آیت کا مفہوم یہ تھا کہ میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ اسی وقت مکتبؒ سے گھر آئے اور والدہ سے بولے۔ ماں مجھ سے دو ہستیوں کا شکر ادا نہیں کیا جائے گا۔ لہذا آپ مجھے خدا کے سپرد کر دیجئے تا کہ میں اس کے شکر میں مشغول ہو جاؤں"

ماں نے جواب دیا۔ میں اپنے حقوق سے دست بردار ہو کے تجھے خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ جا اس کا شکر ادا کر۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ علم کی تلاش میں شام اور شام کے گردونواح کی طرف نکل گئے اور گاؤں گاؤں اور شہر شہر گھومتے رہے۔ انہوں نے بہت سے علماء اور مشائخ سے ظاہری اور باطنی علوم سیکھے۔ وہ اپنے اساتذہ کا بہت احترام کرتے تھے۔ انہوں نے وصیت کی تھی کہ میری قبر میرے استاد کی قبر سے نیچی بنائی جائے۔ یہ وصیت ان کے متعلق تھی جن سے انہوں نے قرآن پاک پڑھا تھا۔

وہ شام کے میدانوں اور صحراؤں میں تین سال تک رہے انہوں نے یاد الٰہی میں

Marfat.com

کھانا پینا ترک کر دیا تھا اس مدت میں وہ ایک سو سترہ مشائخ کے فیوض سے سیراب ہوئے۔ ان مشائخ میں امام جعفر صادق بھی شامل تھے۔ ایک بار وہ امام صاحب کی خدمت میں حاضر تھے۔ امام صاحب نے کہا بایزید فلاں طاق میں جو کتاب رکھی ہے وہ اٹھالاؤ۔

بایزید رحمتہ اللہ علیہ نے دریافت کیا۔ وہ طاق کس جگہ ہے؟

امام جعفر صادق نے حیرت سے پوچھا کیا اتنی مدت میں تم نے وہ طاق نہیں دیکھا؟

بایزید رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ طاق دیکھنا تو کجا، میں نے تو آپ کے روبرو کبھی سر تک نہیں اٹھایا ہے۔

امام صاحب نے مسکرا کر کہا۔ تم تو بہت جلد مکمل ہو گئے بایزید رحمتہ اللہ علیہ جاؤ اب بسطام واپس جاؤ، خدا تمہاری حفاظت کرے۔

بایزید رحمتہ اللہ علیہ نے ویسے تو کئی اساتذہ سے فیض حاصل کیا تھا لیکن ان کی نگاہ میں حقیقی استاد خدا تھا۔ اس کی رہنمائی انہیں ہمیشہ میسر رہی وہ اکثر کہتے تھے دوسرے لوگوں نے اپنے ہی جیسے بزرگوں سے علم حاصل کیا لہذا ان کا علم باقی نہیں رہا لیکن میں نے خدا سے علم حاصل کیا ہے۔ لہذا میرا علم زندہ ہے۔

ایک روز بسطام کے ایک فقیہہ نے بایزید رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا تمہارے علم کا ماخذ کیا ہے اور وہ تمہیں کس نے سکھایا ہے؟

انہوں نے جواب دیا۔ کہ میرے علم کا ماخذ خدا کی بخشش و عطاء ہے اور سکھانے والا خدا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ جو شخص اس چیز پر عمل کرتا ہے جسے وہ جانتا ہے تو اسے خدا ایسے علم کا وارث بنا دیتا ہے جو اسے معلوم نہیں ہے۔ ایک بار بایزید رحمتہ اللہ علیہ اپنے کسی مرید کے ساتھ ایک مشہور ولی سے ملاقات کے لئے دو مہینے کی مسافت طے کر کے پہنچے۔ اس وقت وہ ولی اپنے گھر سے نکل کر مسجد میں داخل ہو رہا تھا۔

چلتے چلتے اس نے قبلے کی طرف منہ کر کے تھوک دیا۔ بایزید رحمتہ اللہ علیہ اسے سلام کئے

Marfat.com

بغیر واپس چلے آئے۔ مرید نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ یہ شخص رسول مقبول ﷺ کے ادب اور سنت کا خیال نہیں رکھتا اس صورت میں اس کا ولایت کا دعویٰ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ دو مہینے وہاں سے واپسی میں لگے۔ ایک شخص چند سال ان کے پاس رہا۔ پھر کچھ بد دل ہو کر واپس جانے لگا تو انہوں نے وجہ پوچھی۔ وہ شخص کہنے لگا میرا قیام رائیگاں گیا کیونکہ اتنی مدت میں آپ نے کوئی کرامت نہیں دکھائی۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے کبھی سنت کی خلاف ورزی کرتے دیکھا؟

اس شخص نے جواب دیا۔ نہیں، آپ شریعت اور سنت کے پوری طرح پابند ہیں۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ بولے اس سے بڑھ کر تمہیں اور کیا کرامت چاہیے؟ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر اور مسجد کے درمیان چالیس قدم کا فاصلہ تھا۔ وہ اس راستے میں کبھی تھوکتے نہیں تھے۔ ایک روایت ہے کہ انہوںؒ نے چالیس سال تک مسجد کی خدمت کی تھی۔ مسجد کی جاروب کشی اور صفائی انہوںؒ نے اپنے ذمے لے رکھی تھی۔ وہ جب مسجد کے دروازے پر پہنچتے، ٹھٹک کے کھڑے ہو جاتے اور رونے لگتے۔ لوگوں نے ان سے اس کا سبب پوچھا۔ انہوں نے کہا۔ میں خود کو اس ناپاک عورت کی طرح سمجھتا ہوں جو مسجد میں جانے سے ڈرتی ہے کہ کہیں اسے آلودہ نہ کر دے۔

بایزید بسطامیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے پورے تیس برس سخت ترین مجاہدے کیے ایک جگہ خود انہوں نے لکھا ہے کہ میں اپنے مجاہدے بیان کر دوں تو تم سننے کی تاب نہ لا سکو گے۔ ہاں ایک معمولی سا مجاہدہ سن لو۔ ایک مرتبہ آدھی رات کے وقت میں نے ارادہ کیا کہ باقی آدھی رات خدا کی یاد میں جاگوں گا۔ لیکن میرے نفس نے اس کی مخالفت کی۔ میں نے قسم کھائی کہ میں ایک سال تک اپنے نفس کو پانی نہیں پینے دوں گا۔ چنانچہ پورے ایک سال میں نے پانی نہیں پیا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ اپنی مثنوی میں قلمبند کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پانی کا

Marfat.com

بکثرت استعمال طبیعت میں کاہلی اور سستی پیدا کر دیتا ہے۔

خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بار اپنے درویشوں سے کہا۔ اسلام کا نام لینا تو بہت آسان ہے لیکن اس لام کے کام کرنا دشوار ہے۔ پھر انہوں نے بیان کیا لوگوں نے با یزید رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ اپنے نفس پر سخت ترین مجاہدہ کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں مجاہدہ صرف اس لئے کرتا ہوں کہ لوگ مجھے مسلمان سمجھتے ہیں جب میں مسلمان ہوں تو مسلمان ہونے کا حق کیسے ادا نہ کروں۔

بایزید رحمتہ اللہ علیہ کو سیب کھانے کی بہت آرزو تھی۔ لیکن انہوں نے تیس سال تک سیب نہیں کھایا۔ ایک دفعہ ان کا کوئی عقیدت مند چند سیب لے کر ان کے پاس پہنچا۔ انہوں نے تمام سیب حاضرین میں تقسیم کر دیئے اور خود ایک بھی نہیں کھایا۔ پھر انہوں نے کہا۔ اگر میں اپنے نفس کی آرزو پوری کر دوں تو وہ مجھ پر غالب آجائے گا اور میں کچھ بھی نہ رہوں گا جو شخص نفس کی آرزو پوری کرے، وہ ہیچ ہے اس کے عمل میں سستی واقع ہو جاتی ہے۔ ایک بار ابوموسیٰ نے بایزید رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا۔ طریقت میں مشکل ترین کام کیا؟

بایزید رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ میں مدتوں اپنا نفس خدا کی طرف لے جاتا رہا۔ وہ جاتا نہیں تھا۔ روئے جاتا تھا مگر جب سے توفیق الٰہی شامل ہوئی ہے اسے لے جاتا ہوں اور وہ ہنسی خوشی چلا جاتا ہے یہ طریقت میں سب سے مشکل کام ہے۔

ایک بار بچپن میں بایزید رحمتہ اللہ علیہ بسطام سے باہر نکلے۔ چاندنی چھٹکی ہوئی تھی لوگ محو خواب تھے انہوں نے حق کی بارگاہ کی طرف نگاہ کی تو انہوں اس کے پہلو میں اٹھارہ ہزار عالم ایک ذرہ معلوم ہوئے۔ ان کی طبیعت پر ایک عجیب وجدانی کیفیت طاری ہو گئی انہوں نے بلند آواز سے کہا الٰہی تیری بارگاہ اتنی عظیم ہے اور اس قدر خالی؟ اتنی وسیع کائنات ہے اور اس قدر تنہائی؟ غیب سے جواب آیا۔ جو ناشستہ رو ہیں، وہ اس بارگاہ کے لائق کیسے ہو سکتے ہیں۔

Marfat.com

بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو خیال آیا کہ اس وقت رحمت کا دریا جوش میں ہے۔ ہم کلامی کا شرف حاصل ہے اس سے بہتر موقع کیا ہوگا۔ میں کیوں نہ ساری مخلوق کو بخشوالوں۔ پھر انہیں دفعتہ یہ خیال آیا کہ شافع تو رسول ﷺ اللہ ہیں۔ وہ رسول ﷺ اللہ کے ادب سے خاموش رہے۔

غیب سے آواز آئی۔ بایزید اس ادب کی وجہ سے ہم نے تمہارا نام بلند کر دیا اب تمہیں قیامت تک سلطان العارفین کے نام سے یاد کیا جائے۔

بایزید بسطامی ایک بار خراسان کی سیاحت کر رہے تھے۔ انہوں نے اچانک حج کا ارادہ کیا چنانچہ وہ روانہ ہو گئے اور ہر ہر قدم پر سجدہ کرتے ہوئے کعبے پہنچے چلتے چلتے وہ کہتے جاتے تھے کہ وہ دنیا کے کس بادشاہ کی چوکھٹ نہیں ہے کہ ایک بار دوڑ کر وہاں پہنچ جائیں۔

سرزد ہم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی

کوسوں اس کی اور گئے پر سجدہ ہر ہر گام کیا۔

بایزیدؒ کا کہنا تھا کہ جب پہلی بار کعبے گیا تو میں نے گھر اچھی طرح دیکھا لیکن گھر والا مجھے نظر نہیں آیا۔ میں سمجھا کہ میرا حج ابھی قبول نہیں ہوا ہے۔ پھر میں دوسری دفعہ مکے گیا تو میں نے گھر بھی دیکھا اور گھر والا بھی دیکھا۔ تیسری دفعہ حج کے لئے گیا تو میں نے گھر والے کا خوب مشاہدہ کیا لیکن گھر کہیں نظر نہ آیا۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ رسول ﷺ اللہ کے سچے عاشق تھے۔ عاشقوں کے انداز ہمیشہ نرالے ہوتے ہیں انہوں نے حج کیا مگر مدینے نہیں گئے کہنے لگے یہ ادب کے خلاف ہے کہ مدینے کی زیارت مکے کی زیارت کے ماتحت رکھ دی جائے۔ لہذا آئندہ سال انہوں نے خاص طور پر مدینے کے لئے خراسان سے سفر کیا اور رسول ﷺ اللہ کے روضے پر حاضر ہوئے۔ ان کی آنکھیں اشکبار تھیں اور زبان پر درود تھا۔ وہ دیر تک روتے اور درود پڑھتے رہے۔ اسی علم میں ان پر غنودگی طاری ہوگئی۔ غنودگی میں انہوں نے رسول ﷺ اللہ کا دیدار کیا۔ رسول ﷺ اللہ نے انہیں حکم دیا کہ بایزید اٹھو اور جا کر اپنی ماں کی خدمت کرو۔

Marfat.com

بایزید رحمۃ اللہ علیہ اسی وقت وہاں سے رخصت ہوگئے۔ جب بسطام پہنچے تو بہت سے لوگ شہر سے باہر ان کے استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ یہ دیکھ کر ان کا نفس کسی قدر خوش ہوا۔

انہوں نے فورا ایک روٹی نکال کر کھانی شروع کر دی۔ رمضان کا مہینہ تھا اور ابھی افطار کا وقت نہیں ہوا تھا۔ اس لئے لوگ ان سے بدظن ہو کے واپس چلے گئے۔ صرف چند مخلص ارادت مند باقی رہ گئے۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے کہ انہیں ہجوم سے نجات مل گئی۔ وہ اپنے نفس سے کہنے لگے۔ یہ تیرے غرور کی سزا ہے۔ پھر انہوں نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا لوگ کس قدر ظاہر بیں ہوتے ہیں یہ بھی نہیں جانتے کہ مسافر پر روزہ فرض نہیں ہوتا۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ دن بھر شہر سے باہر ٹھہرے رہے اور آدھی رات کو شہر میں داخل ہوئے وہ گھر کے دروازے پر پہنچے تو رات آدھی ڈھل چکی تھی اور ان کی والدہ وضو کر کے مناجات میں مشغول ہونے والی تھیں۔ انہوں نے دروازے سے کان لگا کر سنا وہ کہہ رہی تھیں۔ یا رالہی میرے پردیسی بیٹے کو نیک بنا اور اسے خیر و عافیت سے رکھ پانے والے بزرگوں کے دل اسے خوش کر دے اور اس کے حالات خوب سے خوب تر بنا دے۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ ماں کی یہ دعا سن کے آبدیدہ ہو گئے آج انہیں کم و بیش تیس سال بعد گھر میں قدم رکھنے اور ماں سے ملنے کا موقع مل رہا تھا۔ انہوں نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے آواز آئی۔ کون؟

میں ہوں ماں! تیرا پردیسی بیٹا۔

ماں روتی ہوئی اٹھیں اور جلدی سے دروازہ کھولا ان کی آنکھیں خراب ہو چکی تھی۔

مدت سے بچھڑے ہوئے بیٹے کو انہوں نے کلیجے سے لگا لیا اور رندھی ہوئی آواز میں کہنے لگیں۔ بیٹا، میری آنکھیں خراب ہو گئیں ہیں، کیا تجھے خبر ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟

Marfat.com

یہ اس لئے ہوا کہ میں تیری جدائی کے غم میں مسلسل روتی رہی ہوں اور میں نے اس قدر غم اٹھائے ہیں کہ میری کمر دہری ہو گئی ہے۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد سے کہیں نہیں گئے اور ماں کی خدمت اور رضاجوئی کرتے رہے۔ ان کا قول ہے ماں کی خدمت اور رضاجوئی ہر کام پر فوقیت رکھتی ہے۔ میں جو کچھ پردیس جا کر ریاضتوں اور مجاہدوں میں تلاش کرتا رہا، وہ سب کچھ مجھے ماں کی خدمت کرنے سے مل گیا۔

ایک رات ان کی والدہ نے ان سے پانی طلب کیا انہوں نے صراحی دیکھی۔ اس میں پانی نہیں تھا۔ وہ گھڑے کے پاس گئے، گھڑے میں بھی پانی نہیں تھا۔ لہٰذا وہ دوڑتے ہوئے دریا پر پہنچے اور وہاں سے پانی لے آئے۔ اتنی دیر میں والدہ کو نیند آ گئی۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ رات بھر لوٹا ہاتھ میں لئے والدہ کے پاس کھڑے رہے۔ حالانکہ رات بہت سرد تھی لوٹا مسلسل ہاتھ میں رہنے کی وجہ سے بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ ٹھٹھر گیا تھا۔ والدہ نے پوچھا۔ تم نے اسے ہاتھ سے رکھ کیوں نہیں دیا تھا؟

بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ میں نے اس ڈر سے نہیں رکھا تھا کہ ایسا نہ ہو، آپ کی آنکھ کھلے اور میں حاضر نہ ہو۔

ماں نے انہیں بہت سی دعائیں دیں۔ پھر انہیں حکم دیا کہ آدھا دروازہ کھولدو بایزید صبح تک جاگتے رہے تاکہ کہیں دروازہ آدھے کی بجائے پورا بند نہ ہو جائے یا پورا کھلا ہوا نہ رہ جائے۔ اس طرح انہوں نے ساری رات آنکھوں آنکھوں میں کاٹ دی اور سحر کے وقت سب کچھ پالیا جسے مدتوں تلاش کر رہے تھے۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ساری عمر اپنے نفس کو کڑی اذیتیں دیں۔ ایک بار وہ حج کو جا رہے تھے کہ بہت سے افراد ان کے ساتھ ہو گئے۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ چاہتے تھے کہ ان سے پیچھا چھوٹ جائے مگر کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی آخر انہوں نے بلند آواز سے کہا میں خدا

Marfat.com

ہوں یہ سنتا تھا کہ ان کے بارے میں لوگوں کی رائے بدل گئی اور وہ انہیں تنہا چھوڑ کے آگے بڑھ گئے۔

ایک دفعہ انہیں راستے میں ایک کھوپڑی پڑی ملی۔ کھوپڑی پر تحریر تھا۔ وہ اندھے ہیں کیونکہ وہ عقل نہیں رکھتے یہ تحریر پڑھتے ہی بایزید رحمۃ اللہ علیہ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد کھوپڑی کو بوسہ دے کر کہنے لگے۔ یہ کسی صوفی کی کھوپڑی ہے جو ذکر الٰہی میں اتنا سرگرداں ہو گیا تھا کہ نہ اس کے کان رہے تھے جن سے وہ اللہ کی بات سنتا اور نہ اس کی زبان رہی تھی جس سے وہ اس کا ذکر کرتا اور نہ اس کی آنکھ رہی جس سے وہ اس کا جمال دیکھتا۔

ایک سفر کے دوران میں انہوں نے اپنے اونٹ پر بے انتہا بوجھ لاد دیا۔ لوگوں نے کہا جانور پر اس قدر بوجھ لادنا بزرگی کی شان کے خلاف ہے۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے تم دیکھو تو سہی بوجھ اونٹ کے اوپر ہے بھی یا نہیں؟ لوگوں نے غور سے دیکھا۔ معلوم ہوا کہ بوجھ اونٹ پر نہیں وہ بہت حیرت زدہ ہوئے بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ اگر میں اپنا حال پوشیدہ رکھتا ہوں تو دوسرے کو خبر نہیں ہوتی اور ظاہر کرتا ہوں تو وہ حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔ میں بھلا ان حالات میں تمہارے ساتھ کیسے رہ سکتا ہوں۔ یہ کہہ کے انہوں نے اپنی راہ دوسروں کی راہ سے الگ کر لی۔

وہی کہتے تھے میں نے بارہ سال تک اپنا نفس ریاضت کی بھٹی میں ڈال کے مجاہدے کی آگ سے تپایا اور اسے ملامت کے ہتھوڑے سے کوٹتا رہا۔ اس طرح میرا قلب آئینہ بن گیا پھر پانچ سال تک میں مختلف عبادتوں سے اس پر قلعی چڑھاتا رہا۔ پھر ایک سال میں نے خود اعتمادی کی نظر سے اس کا مشاہدہ کیا تو اس میں تکبر اور خود پسندی کا مادہ موجود دیکھا۔ چنانچہ میں پھر مسلسل پانچ سال تک اسے مصفا بنانے کی جان توڑ کوشش کی اور اس میں خلائق کا نظارہ کیا میں نے سبھی کو مغرور دیکھا اور نماز جنازہ پڑھ کر سب سے اس طرح کنارہ کش ہو

Marfat.com

گیا۔ جس طرح لوگ قیامت تک کے لئے مردے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ پھر مجھے واصل اللہ کا رتبہ حاصل ہو گیا۔

ایک بار وہ حج کے ارادے سے روانہ ہوئے لیکن چند منزلیں طے کر کے واپس آ گئے۔

لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کہا راستے میں مجھے ایک شخص مل گیا تھا اس نے میرا راستہ روک کے مجھ سے پوچھا بایزید رحمۃ اللہ علیہ تو خدا کو بسطام میں چھوڑ کے کیوں جا رہا ہے؟ چنانچہ میں خدا کے پاس دوبارہ آ گیا ہوں۔

اسی طرح ایک بار حج کے سفر میں کسی ہم سفر نے ان سے پوچھا کہ کہاں کا مقصد کیا ہے؟ انہوں نے کہا حج کا اس نے پوچھا، کیا تمہارے پاس کچھ رقم ہے؟ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ ہاں، دو سو دینار ہیں۔ ہم سفر نے کہا کہ میں مفلس بھی ہوں اور عیال دار بھی۔ لہذا تم وہ رقم مجھے دے کر سات مرتبہ میرا طواف کر لو۔ اس طرح تمہارا حج بھی ہو جائے گا۔ اور میری ضرورت بھی پوری ہو جائے گی۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ تم نے سچ کہا۔ تم نے سچ کہا یہ کہتے جاتے تھے اور اس کے اطراف طواف کرتے جاتے تھے۔ سات طواف مکمل کر کے انہوں نے ساری رقم اس کے قدموں پر رکھ دی اور بسطام واپس آ گئے۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ وجد کے عالم میں بسا اوقات ایسے کلمات ادا کر جاتے تھے کہ سننے والے انہیں مرتد اور کافر سمجھنے لگتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سات بار بسطام سے نکالے گئے۔ لیکن ان کی ریاضت و عبادت دیکھ کر اہل بسطام پھر انہیں شہر میں لے آتے تھے عبادت کرتے وقت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خوف لاحق رہتا تھا کہ کسی آواز سے ان کی عبادت میں خلل نہ پڑے، اس لئے وہ گھر کے تمام سوراخ بند کر دیتے تھے۔ عیسیٰ بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے۔ میں پورے تیس سال تک ان کے ساتھ رہا لیکن انہیں کسی سے بات کرتے ہوئے نہیں دیکھا ان کی یہ عادت تھی کہ وہ زانوؤں میں سر دیئے رہتے اور جب سر اٹھاتے تو فوراً سرد آہ کھینچ کر

Marfat.com

پھر زانو پر سر رکھ لیتے۔

ایک دفعہ وجد میں آ کر ان کی زبان سے نکل گیا۔ میں پاک ہوں اور میری شان بڑی ہے۔ وجد ختم ہوا تو ارادت مندوں نے ان سے سوال کیا کہ یہ جملہ آپ نے کیوں کہا تھا؟'' انہوں نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ میں نے یہ جملہ کہا تھا۔ اگر آئندہ ایسا کوئی جملہ میری زبان سے نکل جائے تو مجھے قتل کر دینا۔ اس کے بعد انہوں نے وجد میں پھر یہ جملہ کہا۔ میں پاک ہوں اور میری شان بڑی ہے۔ مرید اس وقت تلواریں لے کے جھپٹے لیکن انہیں پورے مکان میں بایزید رحمۃ اللہ علیہ ہی بایزید رحمۃ اللہ علیہ نظر آئے۔ انہوں نے تلواریں چلانی شروع کیں تو ایسا محسوس ہوا جیسے تلواریں پانی میں چل رہی ہوں۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ پر ان کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ آخر لوگوں نے تھک کے ہاتھ روک لئے۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ ایک محراب کے نیچے اطمینان سے کھڑے تھے مریدوں نے پورا واقعہ بیان کیا۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تم نے جن بایزیدوں پر تلواریں چلائی تھیں، وہ حکم الٰہی تھے اللہ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے جب حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے تھے اس وقت طوالت کی وجہ سے ان کا سر بادلوں سے ٹکراتا تھا۔ حکم الٰہی سے جبریل نے ان کے سر پر اپنا پر مارا، ان کا قد چھوٹا ہو گیا۔ اللہ کو جب بڑا قد چھوٹا کرنے پر قدرت ہے تو وہ ایک قد کو بہت سے قدوں میں بھی تبدیل کر سکتا ہے۔ بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں رہتا ہے اس کا وزن بہت ہلکا ہوتا ہے مگر ولادت ہوتے ہی اس کے وزن میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

ایک موقع پر کسی عقیدت مند نے انہیں سیب پیش کیا۔ وہ سیب ہاتھ میں لے کے دیر تک اس کی خوب صورتی اور رنگت سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ پھر انہوں نے کہا۔ یہ بہت لطیف ہے لطیف اللہ کے ناموں میں سے ایک ہے۔ اسی وقت ندا آئی۔ ہمارا نام سیب کے لئے استعمال کرتے ہوئے تمہیں حیا نہیں آئی؟ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد عمر بھر کوئی پھل نہیں کھایا۔

Marfat.com

نفس پر ایسی کامل قدرت حاصل ہونے کے بعد یہ ایک فطری امر تھا کہ ایک کمزور لمحے میں انہوں نے خود کو شیخ وقت سمجھ لیا لیکن اسی وقت یہ خیال بھی آیا کہ میرا ایسا سمجھنا فخر و تکبر کی علامت ہے، چنانچہ انہوں نے فوراً خراسان کا رخ کیا اور ایک منزل پر پہنچ کر دعا کی۔ مالک تو جب تک کسی ایسے کامل بندے کو نہیں بھیجے گا جو مجھے میری حقیقت سے روشناس کرا سکے، اس وقت تک یہیں پڑا رہوں گا۔ تین شب و روز گزر گئے چوتھے دن ایک شخص اونٹ پر آیا۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کیا اسی وقت اونٹ کے پاؤں زمین میں دھنسنے لگے۔ جو شخص اونٹ پر سوار تھا، اس نے غصے سے کہا۔ تم کیا چاہتے ہو کہ میں اپنی کھلی ہوئی آنکھ بند کرلوں اور بند آنکھ کھول دوں تاکہ بایزید سمیت پورا بسطام غرق ہو جائے۔ بایزید کے ہوش اڑ گئے۔ انہوں نے اس شخص سے پوچھا۔ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟

سوار نے جواب دیا۔ جس وقت تم نے خدا سے دعا کی تھی میں اس وقت یہاں سے تین ہزار میل دور تھا اور اب سیدھا وہیں سے آرہا ہوں۔ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ اپنے قلب کی نگرانی کرتے رہو۔ یہ کہہ کر سوار غائب ہو گیا۔

پھر بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ چالیس برس تک مسجد میں مقیم رہے۔ اس مدت میں انہوں نے مسجد کی دیوار کے سوا کسی چیز سے ٹیک نہیں لگائی۔ وہ کہتے تھے کہ میں چالیس برس تک عام انسانوں کی غذا نہیں چکھی کیونکہ میرا رزق کہیں اور سے آتا تھا۔ میں اس دوران میں اپنے قلب کی نگرانی کرتا رہا۔ اس کے بعد غور کیا تو ہر سمت بندگی اور خدائی نظر آئی پھر میں نے مکمل تیس سال خدا کی جستجو میں گزارے۔ پھر خدا کو طالب اور خود کو مطلوب پایا اب تیس سال سے میری یہ کیفیت ہے کہ میں جب خدا کا نام لینا چاہتا ہوں تو پہلے تین بار اپنی زبان دھو لیتا ہوں۔

ایک بزرگ بوتراب بخشی رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ارادت مند اپنی ریاضت کے اعتبار سے

Marfat.com

بہت بلند تھا لیکن بوتراب بخشی رحمۃ اللہ علیہ اس سے کہتے تھے کہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت تیرے لئے بہت مفید ثابت ہوگی۔ جب تک تو ان کی صحبت سے فیض یاب نہیں ہوگا، تیری تکمیل نہیں ہوگی۔ وہ جواب دیتا کہ میں تو بایزید کے خدا کو سو دفعہ دیکھتا ہوں بھلا ان سے مجھے کیا حاصل ہوسکتا ہے؟ بوتراب رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا کہ تو نے ابھی تک خدا کا دیدار اپنے پیمانے کے مطابق کیا ہے لیکن حقیقی دیدار تجھے بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ کے بعد ہوگا۔ اللہ محشر میں ایک خاص تجلی صدیق اکبرؓ پر ڈالے گا اور ایک تجلی پوری مخلوق پر ڈالے گا۔ یہ سن کر مرید کو بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کا اشتیاق ہوا۔ وہ اپنے مرشد کے ہمراہ ان کی خانقاہ میں پہنچا۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ اس وقت پانی بھرنے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ان کی تلاش میں نکلے۔ انہوں نے دیکھا کہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ ایک ہاتھ میں گھڑا اور دوسرے ہاتھ میں پوستین لٹکائے چلے آرہے ہیں۔ مرید پر ان کی ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ لرزہ براندام ہو کے زمین پہ گر پڑا اور وہیں اس کا دم نکل گیا بوتراب رحمۃ اللہ علیہ نے بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے کہا۔ حضرت آپ نے تو ایک ہی نظر میں اس کا کام تمام کر دیا؟

بایزید رحمۃ اللہ علیہ بولے بوتراب اس کے اندر کشف کا ایک خاص مقام خالی رہ گیا تھا جو اس وقت اسے حاصل ہوا تھا لیکن یہ اسے برداشت نہیں کر سکا۔ یاد رہے، مصر کی عورتوں نے حضرت یوسفؑ کے حسن کی تاب نہ لا کر اپنی انگلیاں تراش لی تھیں۔

ایک بار بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی قمیض دھوئی اور اسے سکھانے کے لئے فکرمند ہوئے۔ ان کے کسی ساتھی نے ایک دیوار کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس میں کیل گاڑ کے قمیض لٹکا دیجئے بایزید نے انکار کر دیا کہ دوسرے کی دیوار میں کیل گاڑی جائے۔ ساتھی نے انگور کی بیل کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اچھا، بیل پر لٹکا دیجئے بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ نہیں، اس طرح بیل خراب ہو جائے گی۔ ساتھی نے کہا، تو پھر اپنی قمیض گھاس پر بچھا دیجئے۔ بایزید بولے گھاس پر کیسے بچھائیں؟ گھاس چوپایوں کا چارہ ہے۔ اگر قمیض بچھ گئی تو چوپاؤں کو چارہ

Marfat.com

نظر نہیں آئے گا اور وہ بھوکے رہ جائیں گے پھر انہوں نے گیلی قمیض اپنی پشت پر ڈال لی اور سورج کی طرف سے خشک ہو گئی تو انہوں نے اسے الٹ کے دوسرے طرف سے بھی اسی طرح خشک کر لیا۔

ایک دفعہ یحیٰی بن معاذ نے جب بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ آپ کی اس شخص کے متعلق کیا رائے ہے جو ایک ازلی جام سے ایسا مست ہو گیا ہو کہ اس کی مستی ابد تک ختم نہ ہو سکے۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً تحریر کیا کہ۔ یہاں ایک ایسا فرد بھی ہے جو ازل اور ابد کا بیکراں بحر پی کر بھی یہی کہتا ہے کہ اور مل جائے۔

یحیٰی بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ پھر تحریر کیا کہ میں آپ کو ایک راز بتانا چاہتا ہوں لیکن اس وقت بتاؤں گا۔ جب ہم دونوں جنت میں طوبا کے نیچے کھڑے ہوں گے۔ یحیٰی رحمۃ اللہ علیہ نے قاصد کو ایک روٹی دے کر ہدایت کی، بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے کہنا کہ یہ روٹی کھالیں۔ یہ زم زم کے پانی سے آٹا گوندھ کر پکائی گئی ہے۔ جواب میں بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ جس جگہ خدا کو یاد کیا جاتا ہے۔ وہاں جنت اور طوبا دونوں موجود ہوتے ہیں۔ میں روٹی واپس کر رہا ہوں۔ کیونکہ زم زم سے آٹا گوندنے کی فضیلت اپنی جگہ مسلم لیکن یہ کیسے معلوم ہو کہ گندم کا جو بیج بویا گیا تھا۔ وہ حلال کا تھا؟ اس کے حلال ہونے میں مجھے شک ہے۔

اس جواب سے متاثر ہو کے یحیٰی بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ ان سے ملاقات کے لئے بسطام پہنچے لیکن یہ خیال کر کے وہ دوسری جگہ مقیم ہو گئے کہ انہیں تکلیف نہ ہو۔ رات گزار کے وہ صبح بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ قبرستان گئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ یحیٰی رحمۃ اللہ علیہ بھی قبرستان گئے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ انگوٹھوں کے بل کھڑے ہوئے عبادت میں مصروف ہیں۔ یحیٰی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ محسوس کیا کہ وہ پوری رات اسی طرح کھڑے رہے ہیں۔ پھر جب دن اچھی طرح نکل آیا اور بایزید عبادت کر چکے تو یحیٰی نے آگے بڑھ کر

Marfat.com

انہیں سلام کیا اور رات کے واقعات دریافت کئے۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ اللہ نے مجھے بیس مدارج عطا کرنے چاہے تھے لیکن وہ حجاب کے تھے۔ اس لئے میں نے انہیں قبول نہیں کیا۔ پھر یحییٰ نے دریافت کیا کہ آپ نے اللہ سے معرفت کیوں نہیں طلب کی؟۔ بایزید نے چیخ کر کہا خاموش! میں نے معرفت اس لئے طلب نہیں کی مجھے حیا آتی ہے، کیا یہ حیا کی بات نہیں ہے کہ میں اس شے سے واقف ہو جاؤں جس کے لئے میری تمنا یہ ہے کہ اس سے خدا کے سوا کوئی واقف نہ ہو جہاں خدا کی معرفت کا وجود ہو، وہاں مجھ جیسے گنہگار کا گزر کہاں؟ خدا کی مرضی یہ ہے کہ معرفت اس کے سوا کسی کو حاصل نہ ہو۔

یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ کو جو مراتب آج کی شب عطا ہوئے ہیں، ان کا کچھ فیض مجھے بھی پہنچا دیجئے۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ اگر تجھے حضرت آدمؑ کی صفات، جبرائیلؑ کا تقدس، ابراہیمؑ کی خلعت، موسیٰ کا شوق، عیسیٰؑ کی پاکیزگی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سب کچھ عطا کر دیا جائے، تب بھی تو خوش نہ ہوتا کیونکہ یہ سب حجابات ہیں تو خدا کو طلب کر! تاکہ پھر کسی چیز کی خواہش ہی نہ رہے۔

سردی کی ایک رات بایزید رحمۃ اللہ علیہ گدڑی اوڑھے ہوئے ایک جنگل میں سو رہے تھے۔ انہیں غسل کی ضرورت پیش آ گئی۔ سردی کی وجہ سے ان کے نفس میں کاہلی پیدا ہو گئی۔ انہوں نے ہمت کر کے گدڑی اوڑھے اوڑھے یخ بستہ پانی سے غسل کر لیا اور صبح تک بھیگی ہوئی گدڑی اوڑھے رہے تاکہ کاہلی کی سزا میں نفس کو اور زیادہ سردی کا سامنا کرنا پڑے۔ اس دن سے انہوں نے یہ معمول بنا لیا کہ وہ دن میں ستر مرتبہ غسل کرتے اور ہر مرتبہ بیہوش ہو جاتے۔

ایک بار وہ قبرستان سے خانقاہ آ رہے تھے۔ راستے میں انہوں نے ایک نوجوان کو دیکھا وہ بربط بجا رہا تھا۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے لاحول پڑھی۔ لاحول سن کر نوجوانو نے بربط زور

Marfat.com

سے بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر مار دی۔ ان کا سر پھٹ گیا اور بربط ٹوٹ گیا۔ گھر واپس آ کر بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو خیال آیا کہ بربط ٹوٹ جانے سے نوجوان کو نہ معلوم کتنا دکھ ہوا ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے فورا بازار جا کر ایک قیمتی بربط خریدا، حلوہ ساتھ لیا اور اسی حالت میں نوجوان کے گھر پہنچے۔ ان کے سر پر خون سے بھیگی ہوئی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ نوجوان اپنے ایک ساتھی کے ساتھ بیٹھا تھا۔ انہوں نے نوجوان کے بربط دیتے کہا۔ بھائی میں نے تمہارا نقصان کیا تھا۔ نقصان کے عوض یہ بربط حاضر ہے۔ نیز تلخ کلامی کی وجہ سے تمہارے منہ کا مزہ بھی خراب ہوا ہو گا اس لئے یہ حلوہ لایا ہوں، اسے لے لو اور مجھے معاف کر دو اور بھول جاؤ کہ میری ذات سے تمہیں کوئی دکھ پہنچا تھا۔

نوجوان نے بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خوش خلقی دیکھ کر خود کو لعنت ملامت کی اور ان کے پیروں پر گر پڑا۔ وہ اور اس کے ساتھی ہمیشہ کے تائب ہو گئے۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ صحرا میں بیٹھے تھے۔ دفعۃ انہوں نے اپنے عقدت مندوں سے کہا۔ ہرن کا گوشت کھانے کو دل چاہ رہا ہے ہرن ہوتا تو اسے بھون کر کھاتے۔

اتنے میں ایک ہرن کہیں سے چوکڑایاں بھرتا ہوا آیا اور ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ ہرن کا آنا تھا کہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ رو پڑے اور کہنے لگے میں تو مردود ہو گیا۔

عقیدت مندوں نے کہا۔

حضرت یہ تو آپ کی مقبولیت کا ثبوت ہے کہ آپ نے ہرن کی خواہش کی اور خدا نے پوری کر دی۔

بایزید نے کہا۔ نہیں یہ مقبولیت نہیں، مردود ہونے کی علامت ہے۔ محبوب حقیقی نے اپنے محبوب کی آرزوئیں کب پوری کی ہیں؟ اسے تو اپنے چاہنے والوں کو تڑپا کے مزا آتا ہے۔ ایک شخص تیس سال تک بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہا۔ ایک دن اس سے کہا۔ اتنی مدت گزر گئی ہے مگر آپ کی تعلیم مجھ پر اثر انداز نہیں ہوئی۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ اب ایک

Marfat.com

ہی صورت سے میری تعلیم تجھ پر اثر انداز ہوسکتی ہے کہ تو داڑھی موںچھیں اور سر کے بال منڈوا لے اور ایک کمبل اوڑھ کے تھیلے میں اخروٹ بھر لے، پھر کسی ایسی جگہ جا کے بیٹھ جا، جہاں لوگ تجھ سے واقف ہوں، وہاں تو بچوں سے کہنا کہ جو بچہ مجھے ایک تھپڑ مارے گا، میں اسے ایک اخروٹ دوں گا۔ تیرا یہی علاج ہے کیونکہ تجھے ابھی اپنے نفس پر قابو حاصل نہیں ہوا ہے۔

ایک پیر شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی مرید حج کے لئے جا رہا تھا۔ وہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا۔ انہوں نے اسے پوچھا کہ تم کس سے بیعت ہو؟

اس نے کہا میرے مرشد کا عمل یہ ہے کہ وہ مخلوق سے بے نیاز ہو کر متوکل علی اللہ ہو گئے ہیں اور ان کا قول یہ ہے کہ اگر بارش نہ ہونے سے غلہ قطعی پیدا نہ ہو اس وقت بھی میں توکل ترک نہیں کر سکتا۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے حیرت سے کہا تمہارا مرشد تو بہت بڑا کافر و مشرک ہے، اگر میں پرندہ بن جاؤں تب بھی اس کے شہر کا رخ نہیں کروں گا۔ اپنے پیر کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ وہ صرف دو روٹیوں کی خاطر خدا کو آزما رہا ہے بہتر ہے کہ جب اسے بھوک لگے تو وہ کسی سے مانگ کر کھا لیا کرے توکل کو رسوا کیوں کرتا ہے؟ مجھے یہ خطرہ ہے کہ اس کی وجہ سے کہیں اس کا شہر نہ تباہ ہو جائے۔

یہ سن کر مرید حج کا سفر ملتوی کر کے اپنے مرشد شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس واپس پہنچا اور انہیں بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام من وعن سنا دیا شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پیغام پر غور کیا، انہیں محسوس ہوا کہ واقعی مجھ میں یہ عیب موجود ہے پھر بھی انہوں نے اپنے مرید سے کہا تم نے بایزید سے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ اگر مجھ میں یہ خامی ہے تو پھر آپ کا مرتبہ کیا ہے؟

مرید دوبارہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا۔ اس نے ان کے سامنے اپنے مرشد کا سوال دہرایا بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ یہ تیرے مرشد کی دوسری نادانی ہے اب میں جو جواب

Marfat.com

دوں گا۔ وہ تیری فہم سے بالا ہوگا اور تو اسے صحیح طور پر نہیں پہنچا سکے گا۔ انہوں نے ایک کاغذ لے کر اس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا اور اس کے نیچے یہ لکھا کہ بایزید کچھ بھی نہیں ہے پھر کاغذ تہہ کر کے انہوں نے مرید کو دے دیا یہ تحریر شفیق بلخی کے پاس پہنچی۔ انہوں نے اسے دیکھا تو شہادت کا کلمہ پڑھتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو شخص متکبر ہو، اسے معرفت کی بو تک نہیں پہنچتی، ان سے دریافت کیا گیا کہ متکبر شخص کی نشانی کیا ہے؟

انہوں نے کہا جو شخص اٹھارہ ہزار عالموں میں کسی کو اپنے سے کم تر اور ذلیل سمجھے، وہ صریحاً متکبر ہے۔

ان سے پوچھا گیا کہ انسان متواضع کب ہوتا ہے؟

انہوں نے جواب دیا۔ جب وہ اپنے نفس کا کوئی حق نہ سمجھے اور وہ نفس کی شرارت اور اس کے عیب سے واقف ہو اور وہ یہ خیال نہ کرے کہ مخلوق میں کوئی اس سے بدتر ہے۔

ایک بزرگ احمد حضرویہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کے ہمراہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کرنے کے لئے روانہ ہوئے، ان کے مریدوں میں سے ایک بہت فضل وکمال والا تھا اس کی کیفیت یہ تھی کہ ہوا میں اڑتا اور پانی پر چلتا تھا، جس وقت یہ جماعت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں پہنچی۔ اس وقت احمد حضرویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ تم میں سے جسے بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے دیدار کی طاقت ہو، صرف وہ میرے ہمراہ اندر آئے باقی تمام لوگ باہر ٹھہریں۔ فضل وکمال والے مرید کے سوا سبھی نے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے دیدار کا شوق ظاہر کیا، چنانچہ احمد خضرویہ سب کو اندر لے گئے، ان لوگوں نے جوتے اتارنے کی جگہ اپنے عصا رکھ دیئے اور بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پہنچ گئے۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے احمد حضرویہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا، آپ کا وہ مرید کہاں گیا جو سب سے افضل ہے، وہ باہر کیوں کھڑا رہ گیا؟ اسے بھی اندر بلا لیجئے۔

Marfat.com

لہذا اسے بھی اندر بلا لیا گیا۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے احمد حضرویہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا، آپ دنیا کی سیر و سیاحت میں کب تک مشغول رہیں گے؟

انہوں نے جواب دیا۔ جب تک دم میں دم ہے، میں سیر و سیاحت جاری رکھوں گا، کیونکہ پانی کے ایک جگہ ٹھہرنے سے بو پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا رنگ بدل جاتا ہے۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا پھر دریا کیوں نہیں بن جاتے؟ دریا میں نہ کبھی بو پیدا ہوتی ہے اور نہ کبھی اس کا رنگ بدلتا ہے پھر معرفت کے موضوع پر دوسری باتیں ہونے لگیں۔ احمد حضرویہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ کی باتیں میری فہم سے بلند ہیں، ذرا وضاحت سے بیان کیجئے بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے اس لہجے میں بات کی جسے سب سے سمجھا اور فیض حاصل کیا۔ پھر جب وہ خاموش ہو گئے تو احمد حضرویہ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ میں نے آپ کی خانقاہ کے سامنے ابلیس کو پھانسی پر لٹکتے ہوئے دیکھا ہے۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہاں، بے شک میں نے ابلیس سے وعدہ لے لیا تھا کہ وہ کبھی بسطام میں داخل نہیں ہوگا، لیکن اس نے وعدہ خلافی کی اور ایک شخص کو فریب دینے کے لئے بسطام آ گیا لہذا میں نے اسے پھانسی پر لٹکا دیا۔

ایک بار کسی نے بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا۔ آپ کے پاس عورتوں کا اجتماع کیوں رہتا ہے؟ اس میں کیا راز ہے؟۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ عورتیں نہیں ہوتیں، عورتوں کے روپ میں ملائکہ ہوتے ہیں، میں انہیں علمی مسائل سمجھاتا ہوں۔ پھر انہوں نے کہا کہ ایک رات پہلے آسمان کے ملائکہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ کے ساتھ عبادت کرنا چاہتے ہیں میں نے کہا، میری زبان میں وہ طاقت نہیں ہے کہ میں ذکر الٰہی کر سکوں۔ اس اعتذار کے باوجود رفتہ رفتہ ساتوں آسمانوں کے ملائکہ میرے پاس جمع ہو گئے اور سب نے یہی خواہش ظاہر کی میں نے پھر وہی جواب دیا۔ انہوں نے پوچھا کہ ذکر الٰہی کی طاقت آپ میں کب پیدا ہو گی؟

Marfat.com

میں نے کہا قیامت میں، جب سزا و جزا کا مرحلہ طے ہو جائے گا اور میں عرش کا طواف کرتا ہوا اللہ اللہ کہہ رہا ہوں گا۔

ایک رات بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ عبادت میں مصروف تھے۔ دفعتہً پوری خانقاہ منور ہو گئی۔ انہوں نے بلند آواز سے کہا۔ اگر یہ ابلیس کی حرکت ہے تو میں اس کی بزرگی اور بلند ہمتی کی وجہ سے اس کے فریب میں نہیں آسکتا اور اگر یہ نور مقربین کی جانب سے ہے تو مجھے ان کی خدمت کا موقع عطا ہوتا کہ میں بھی کرامت کا مرتبہ حاصل کرسکوں۔

ایک شب بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو عبادت میں لذت محسوس نہیں ہوئی، انہوں نے گھبرا کے اپنے خادم سے پوچھا۔ دیکھو گھر میں کیا چیز موجود ہے۔

خادم نے دیکھ کر بتایا کہ گھر میں انگور کا ایک خوشا موجود ہے۔

انہوں نے کہا کہ وہ کسی کو دے دو ان کا یہ کہنا تھا کہ ان پر انوار کی بارش ہونے لگی اور انہیں عبادت میں لطف آنے لگا۔

یہی وہ منزل تھی جسے دیکھ کر ایک غیر مسلم نے کہا تھا اگر اسلام اس کا نام ہے جو بایزید کو حاصل ہے تو اس کی مجھ میں طاقت نہیں اور اگر اسلام وہ ہے جس کے تم سب لوگ نمائندے ہو تو اس پر مجھے اعتماد نہیں ہے۔

ایک دن بایزید رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کو درس دے رہے تھے، درس دیتے دیتے وہ اچانک کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ اللہ کا ایک دوست آرہا ہے، چلو اس کا استقبال کے لئے چلو۔

سب شہر کے باہر پہنچ گئے، ایک خچر پر سوار ابراہیم ہردی رحمۃ اللہ علیہ چلے آرہے تھے، بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا مجھے اللہ کی طرف سے آپ کے استقبال کا حکم ملا ہے اور یہ حکم بھی ملا ہے کہ میں اس کی بارگاہ میں آپ کو اپنا شفیع بنالوں۔

ابراہیم ہردی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ اگر پہلی شفاعت تمہیں اور آخری شفاعت مجھے

Marfat.com

عطا کی جائے تو رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے مقابلے میں اس کا مرتبہ مشت خاک کے برابر بھی نہیں ہوگا۔

ابراہیم ہروی رحمۃ اللہ علیہ سب کے ساتھ خانقاہ آئے، دستر خوان بچھا، اس پر انواع و اقسام کے لذیذ اور مرغن کھانے چنے ہوئے تھے کھانے کے دوران میں ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کو خیال آیا کہ بایزید جیسے شیخ دوراں کو ایسے کھانوں سے احتراز کرنا چاہیے بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو کشف سے ان کے اس خیال کا علم ہو گیا، چنانچہ کھانے کے بعد وہ انہیں خانقاہ کے ایک گوشے لے گئے وہاں انہوں نے دیوار پر ہاتھ مارا دیوار میں فوراً ایک دروازہ نمودار ہو گیا، دروازے کے سامنے ایک بہت بڑا دریا ٹھاٹھیں مار رہا تھا بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ ابراہیم تشریف لائیے ہم دونوں اس دریا میں غسل کر لیں۔

ابراہیم نے جواب دیا۔ یہ دریا تمہارا ہے، خدا نے یہ مرتبہ مجھے عطا نہیں کیا ہے۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ ابراہیم جس جو کی روٹی تمہاری غذا ہے، وہ جو تو جانور کھاتے ہیں اور لید کرتے ہیں اس کے باوجود تم اپنے دل میں یہ خیال لاتے ہو؟ ابراہیم ہروی رحمۃ اللہ علیہ سخت نادم ہوئے، انہوں نے فوراً معافی طلب کر لی۔ ایک بار بسطام میں کئی برس تک بارش نہیں ہوئی۔ انسان اور چرند و پرند بھوک پیاس کی شدت سے مرنے لگے۔ شہریوں کا ایک انبوہ گریہ وزاری کرتا ہوا بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا کہ آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ اس بستی کے گناہ معاف کر دے یہ دعا ہم اس لئے کروا رہے ہیں کہ ہم لوگوں میں ایک بندہ ایسا بھی ہے جس کا نام بایزید رحمۃ اللہ علیہ ہے، وہ یقیناً گنہگار آدمی نہیں ہے۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، انہوں نے مراقبے سے سر اٹھا کے آسمان کی طرف دیکھا یا اللہ! کیا یہ لوگ سچ کہہ رہے ہیں؟ اچانک چاروں طرف سے بادل اُمڈ آئے اور برسوں کی خشک سالی گھنٹوں میں دور ہو گئی۔

ایک شخص بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و کرامت کا منکر تھا، ایک روز اس نے کہا

Marfat.com

کہ مجھے خدا کی رموز سے آگاہ فرمایئے بایزیدؒ نے اس کی بد باطنی محسوس کرتے ہوئے کہا کہ فلاں پہاڑ پر میرا ایک دوست مقیم ہے، اپنی خواہش کا اظہار اس سے جا کر کرو۔

وہ شخص پہاڑ پر پہنچا، اس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا مہیب اژدھا وہاں بیٹھا ہے، وہ اژدہے کی ہیبت سے بے ہوش ہو کے گر پڑا، پھر جب اسے ہوش آیا تو وہ وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کے بھاگا اور خانقاہ واپس آ کے تمام ماجرا بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کیا عجیب بات ہے تم مخلوق سے اس قدر خائف ہو گئے اور خالق کی ہیبت نے تمہارے دل پر کوئی اثر نہیں کیا کیا اسی بنیاد پر تم مجھ سے خدا کی رموز دریافت کرنے آئے تھے؟ جاؤ پہلے خالق کی رموز سمجھو پھر خالق کی بات کرنا وہ شخص نادم ہو کے چلا گیا اور خلق کے متعلق مسلسل غور کرنے لگا چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ جلد ہی وہ خود اپنی ذات سے بھی بے خبر ہو گیا۔

ایک رنگ ریز بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی کراماتیں سن کر کہتا تھا کہ ایسی کراماتیں تو میں بھی پیش کر سکتا ہوں فرق صرف یہ ہے کہ ان کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ ایک دفعہ وہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لئے پہنچا بایزید رحمۃ اللہ علیہ اس کی ہرزہ سرائی سے واقف تھے، اس لئے انہوں نے ایک ایسی آہ کھینچی کہ وہ غش کھا کے گر پڑا۔ تین شب و روز اسی حالت میں گزر گئے اسے مطلق خبر نہ ہوئی پھر ہوش میں آنے کے بعد وہ نہا دھو کے بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے آیا بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ یہ بات ذہن نشین کر لو کہ ہاتھی کا بوجھ گدھے پر نہیں ڈالا جا سکتا۔

ایک بار شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان لینے پہنچے بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی نیت بھانپ لی اور کہا۔ تم اپنے ہم نام ابوسعید راعی کے پاس چلے جاؤ وہ میرا مرید ہے میں نے اپنی تمام ولایت اس کے حوالے کر دی، چنانچہ وہ اپنے ہم نام کے پاس پہنچے شیخ راعی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت عبادت میں مشغول تھے، یہ انتظار میں کھڑے رہے شیخ راعی رحمۃ اللہ علیہ عبادت کر چکے تو انہوں نے ان سے پوچھا۔ کیا چاہتے ہو؟

انہوں نے کہا۔ تازہ انگور۔

Marfat.com

ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک چھڑی کے دو ٹکڑے کئے، ایک ٹکڑا انہوں نے اپنے قریب اور دوسرا ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کے قریب نصب کر دیا زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دونوں ٹکڑوں پر انگور کی سرسبز بیلیں نمودار ہونے لگیں اور دیکھتے دیکھتے ان میں انگور بھی اگ آئے فرق صرف یہ تھا کہ ابو سعید کے قریب سیاہ انگور تھے اور رائی کے قریب نہایت نفیس انگور، ابو سعید نے اس کی وجہ پوچھی تو شیخ رائیؒ نے جواب دیا۔ مجھے تو صدق و یقین کا درجہ حاصل ہے میرے بر عکس تمہیں صرف امتحان منظور تھا اس لئے اللہ نے دونوں بیلوں کے ذریعے ہم دونوں کی قلبی کیفیت بیان کر دی ہے۔

شیخ رائی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو سعید کو ایک کمبل دے کے ہدایت کی کہ اسے حفاظت سے رکھنا، کہیں گم نہ کر دینا چنانچہ وہ کمبل لے کے چلے گئے۔ اتفاق سے ان کی انتہائی احتیاط کے باوجود کمبل عرفات میں گم ہو گیا۔ ابو سعید شرمندگی کے ساتھ شیخ رائی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس واپس آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ شیخ رائی رحمۃ اللہ علیہ وہی کمبل اوڑھے بیٹھے ہیں شیخ رائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ابو سعید! یاد رکھو، جس نے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کی، اسے سب کچھ مل گیا۔

ایک دن بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ آپ کا مرشد کون ہے؟ انہوں نے کہا۔ ایک بوڑھی عورت، میں ایک مرتبہ جنگل میں تھا، ایک بڑھیا سر پر آٹا لئے آ رہی تھی، وہ مجھ سے کہنے لگی کہ یہ آٹا میرے مکان تک پہنچا دو، اسی اثناء میں مجھے ایک شیر نظر آ گیا۔ میں نے آٹا شیر کی کمر پر رکھ کے بڑھیا سے کہا جاؤ، یہ شیر آٹا تمہارے گھر پہنچا دے گا لیکن تم یہ بتاتی جاؤ کہ شہر پہنچ کر لوگوں سے اس سلسلے میں کیا کہو گی؟

بڑھیا نے جواب دیا، میں یہ کہوں گی کہ لوگو؟ آج جنگل میں میری ملاقات ایک خود نما ظالم سے ہوئی تھی، میں نے پوچھا نیک بخت! تم نے مجھے خود نما ظالم کا خطاب کیوں دیا۔ بڑھیا نے کہا۔ شریعت نے شیر کو مکلف نہیں بتایا ہے۔ تم اپنا بوجھ ایک غیر مکلف کی پشت پر لاد رہے ہو۔ یہ ظلم نہیں ہے تو کیا ہے؟ نیز دوسرا عیب تم میں یہ ہے کہ تم خود کو صاحب کرامت

Marfat.com

ظاہر کرنا چاہتے ہو، اسی کا نام خود نمائی ہے۔ میں نے بڑھیا کی بات سے ایسی نصیحت اور عبرت حاصل کی کہ ایسی باتیں ظاہر کرنے سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس بڑھیا کو اپنا مرشد سمجھتا ہوں۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جب خدا کی صفات بیان کرتے تو اپنی اصل حالت میں رہتے تھے لیکن جب خدا کی ذات گفتگو کا موضوع ہوتی تو ان پر بے خودی طاری ہو جاتی اور وہ بار بار کہتے۔ بار الٰہی! میں آرہا ہوں، سر کے بل آرہا ہوں۔

ایک مرتبہ کسی مرید نے ان سے کہا۔ مجھے اس پر حیرت ہوتی ہے کہ ایسے بندے بھی ہیں جو خدا کو جانتے ہوئے بھی اس کی عبادت نہیں کرتے، بایزید رحمۃ اللہ علیہ بولے مجھے اس بندے پر حیرت ہوتی ہے، جو خدا کو پہچاننے کے بعد بھی اس کی عبادت کرتا ہے کیونکہ خدا کی پہچان کے بعد کوئی اپنے ہوش میں کیسے رہ سکتا ہے؟

بایزید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے بچپن کا ذکر ہے، چاندنی رات تھی میں شہر سے باہر نکل گیا، وہاں مجھے ایک دربار نظر آیا، اس دربار کے مقابلے ساری دنیا ہیچ معلوم ہوتی تھی، میں نے خدا سے کہا کہ مولا یہ بے نظیر دربار دنیا کی نگاہ سے اوجھل کیوں ہے؟ ندا آئی کہ اس دربار میں وہی لوگ آسکتے ہیں جو اس کے قابل ہیں۔ نااہل لوگوں کی یہاں تک رسائی ممکن نہیں ہے۔

ایک شخص بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے صبح کے معمولات دیکھنے کے لئے رک گیا اس نے دیکھا کہ انہوں نے اللہ کے نام کی ایک صدا لگائی اور اتنے زور سے زمین پر گرے کہ ان کے سر پر شدید چوٹ آگئی۔ بعد میں لوگوں نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ جب میں نے عرش کے نزدیک پہنچ کے دریافت کیا کہ اللہ کہاں ہے؟ تو جواب ملا کہ اسے اہل زمین کے ٹوٹے ہوئے دلوں میں تلاش کر، اہل آسمان بھی اسے وہیں تلاش کرتے ہیں، پھر جب میں قرب کی منزل میں داخل ہو گیا تو مجھ سے سوال کیا گیا کہ کیا چاہتے ہو۔ میں

Marfat.com

نے کہا جو کچھ ہو، وہی دے دے، حکم ہوا، ہماری دائمی قربت کے لئے خود کو فنا کر دے۔ میں نے منظور کر لیا اور کہا کہ میں فیض و برکت حاصل کئے بغیر یہاں سے نہیں ہٹوں گا۔ سوال ہوا اور کہا کیا چاہتے ہو؟ میں نے پوری مخلوق کی مغفرت طلب کی۔ حکم ہوا کہ غور سے دیکھو میں نے غور سے دیکھا تو ہر مخلوق کے ہمراہ ایک شفیع موجود تھا، لیکن اللہ کی سب سے زیادہ التفاتی نظر مجھ پر تھی میں نے کہا ابلیس پر بھی رحم کر دے، جو ملا وہ آگ ہے اور آگ کے لئے آگ ہی مناسب ہے البتہ تم آگ سے بچنے کی کوشش کرتے رہو۔ اس کے بعد میرے سامنے دو مقامات لائے گئے لیکن میں نے ان میں سے ایک بھی قبول نہیں کیا۔ پھر سوال ہوا، اور کیا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا بعد طلب جو بھی مل جائے۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مناجات میں کہتے تھے۔ اللہ میرے اور اپنے درمیان دوئی ختم کر دے تا کہ میں تیری ذات میں فنا ہو جاؤں۔ مولا میں جب تک خودی میں مبتلا رہا سب سے ادنی رہا لیکن جب مجھے تیری معیت نصیب ہوئی تو میں سب سے اعلیٰ ہو گیا۔

ایک روز بایزید خدا کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ ندا آئی کہ بایزید! تم ہمارے پاس کیا لے کے آئے ہو؟

انہوں نے جواب دیا۔ بارالٰہی! دنیا کا زہد لے کے آیا ہوں۔

کہا گیا کہ دنیا تو ہمارے نزدیک مچھر کے پر کے برابر ہے، اس میں تم نے زہد کر لیا تو کیا کمال کیا؟۔

بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ پروردگار! میں استغفار کرتا ہوں اور تیری بخشش کا خواہاں ہوں، میں تیرے حضور توکل لایا ہوں۔

آواز آئی۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ! تمہارے لئے جس چیز کے ضامن ہم ہوئے ہیں، اس کے لئے تم کہتے ہو کہ توکل کیا؟ کیا ہم بھروسے کے قابل نہیں ہیں؟۔

بایزید نے پھر توبہ کی اور کہا میں تیرے حضور ناداری لایا ہوں مولا!

Marfat.com

جواب آیا۔ ہاں، اب ہم نے تجھے قبول کیا۔

۱۵ شعبان المعظم ۲۶۱ ھ کی رات کو سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کا وقت قریب آ گیا۔ اس وقت بھی بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے خدا کی بارگاہ میں فقر و ناداری کا نذرانہ پیش کیا اور کہا۔ بار الہٰی! میں عمر بھر کی ریاضت کا سودا نہیں کرتا، رات رات بھر کی نمازیں پیش نہیں کرتا، میں نے زندگی بھر روزے رکھے ہیں۔ مگر ان کی ذکر نہیں کرتا اور نہ ختم ہائے قرآن گنواتا ہوں، جلا دینے والے مجھ سے میرے گناہوں کی گرد دور کر دے۔ میں نے اپنی اطاعت کے پندار کی گرد دھو ڈالی ہے اور تیرے پاس آ رہا ہوں، آ رہا ہوں مالک! سر کے بل آ رہا ہوں۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کی تاریخ متنازعہ ہے۔ اوپر بیان کیے گئے واقعات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جن تذکروں میں لکھا ہے کہ وہ ۲۶۱ ھ میں انتقال فرما گئے اگر یہ صحیح ہے تو پھر پیدائش کی تاریخ متنازعہ ہو جائے گی۔

حضرت خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ تونسوی

اٹھارویں صدی کے آخر کا ذکر ہے۔ بہار کا موسم تھا۔ قطب وقت شاہ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ ان کے پاس پہنچے۔ شاہ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔

نور محمد رحمۃ اللہ علیہ! کوہ سلیمان کی چوٹیوں پر ایک شہباز نمودار ہو گا۔ اس کی پرواز سدرۃ المنتہا تک ہو گی وہ کوہ سلیمان کا سلیمان ہو گا جاؤ، وہ گوہر مقصود حاصل کرو۔

کوہ گڑ گوجی کی ایک عورت نے خواب دیکھا کہ آفتاب آسمان سے اتر کے اس کی گود میں آ گیا ہے اور اس کا تمام گھر منور ہو گیا ہے نیز مشرق و مغرب سے لوگ قافلہ در قافلہ اسے مبارک باد دینے آ رہے ہیں۔ عورت کے شوہر کا نام زکریا بن عبدالوہاب تھا۔ زکریا افغانی نسل سے تعلق رکھتا تھا گڑ گوجی میں اسے روہیلے کے لقب سے پکارا جاتا تھا عورت کے خواب

Marfat.com

نے جلد ہی حقیقت کا روپ دھار لیا۔۱۸۶۴ھ میں اس کے ہاں ایک لڑکے کی ولادت ہوئی لڑکے کا نام سلیمان رکھا گیا سلیمان کا باپ زیادہ نہیں جیا۔ اس لئے اس کی تربیت کی تمام تر ذمے داری ماں کے کندھوں پر آپڑی۔ اس نے بیٹے کی تربیت اور پرورش کا حق ادا کرنے میں کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہیں کیا۔ سلیمان کی عمر چار سال کی ہوئی تو ماں نے اسے قرآن پڑھنے کے لئے ملا یوسف جعفر کے پاس بھیج دیا سلیمان نے ملا یوسف سے پندرہ سپارے پڑھے پھر اسے ایک ہم قوم حاجی صاحب سے پورا قرآن حفظ کیا۔ حاجی صاحب کی بیوی بہت سخت گیر اور تیز مزاج عورت تھی وہ نوعمر سلیمان کو بات بات پر بری طرح مارتی سلیمان کا جسم لہولہان ہو جاتا سلیمان کم عمری کے باعث یہ سختیاں برداشت نہیں کر سکا اس لئے اسے حاجی صاحب کے پاس سے اٹھا کے میاں حسن علی کے مکتب میں بھیج دیا گیا میاں حسن علی کا مکتب تونسہ میں تھا تونسہ کے بڑے بازار کے پاس بھگی مسجد تھی مکتب اسی میں تھا سلیمان نے وہاں فارسی نظم و نثر کی کتابیں پڑھنی شروع کیں میاں حسن علی اپنے شاگردوں میں عاجزی اور انکسار پیدا کرنے کے لئے ان سے روزانہ بھیک منگواتے تھے سلیمان کی ماں نے اسے یہ نصیحت کی تھی کہ بیٹا کبھی خدا کے سوا کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا۔

چنانچہ جب اسے بھیک مانگنے کے لئے بھیجا گیا تو وہ سخت پریشان تھا میاں حسن علی نے سلیمان کی پریشانی بھانپ لی لیکن وہ ایک کڑے اصول پرست آدمی تھے اس لئے انہوں نے اسے بھیک منگوانے کا ارادہ ترک نہیں کیا۔ ناچار سلیمان کو مار آمادہ ہونا پڑا حالانکہ بلند آواز سے بھیک مانگنا تو کجا، وہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا بھی نہیں جانتا تھا وہ پوری شام بستی میں گھومتا رہا لیکن اسے کسی سے کچھ مانگنے کی ہمت نہیں ہوئی مغرب کے وقت وہ ایک حویلی کے قریب سے گزر رہا تھا حویلی ایک بلند چبوترے پر بنی ہوئی تھی سلیمان نے نظر اٹھا کے دیکھا ایک سفید ریش بزرگ اس کی جانب متوجہ تھے بزرگ نے شاید یہ اندازہ لگایا کہ یہ کوئی مسافر لڑکا ہے اور کئی وقت کا بھوکا معلوم ہو رہا ہے چنانچہ انہوں نے ہاتھ اٹھا کے اسے رکنے کا

Marfat.com

اشارہ کیا پھر وہ گھر کے اندر گئے، تھوڑی دیر میں انہوں نے باہر آ کے سالن اور چند سوکھی روٹیاں سلیمان کو دے دیں یہ سلیمان کی زندگی کی پہلی بھیک تھی اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔ بزرگ سمجھے کہ چونکہ لڑکا کئی وقت کے فاقے سے ہے اس لئے روٹیاں دیکھ کے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ہیں انہوں نے شفقت سے سلیمان کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ میاں! تمہارا گھر کہاں ہے؟

میں ایک طالب علم ہوں۔ سلیمان نے آہستہ سے جواب دیا۔ مولانا حسن علی کے مدرسے میں تعلیم حاصل کرتا ہوں۔

بزرگ کو معلوم تھا کہ حسن علی اپنے طلبہ سے بھیک منگوانا تعلیم و تربیت کا جزو سمجھتے ہیں اس لئے انہوں نے سلیمان کو تاکید کی کہ وہ گھر گھر دستک دینے کے بجائے دونوں وقت ان کی حویلی سے کھانا لے جایا کرے۔ دوسرے دن سلیمان کھانا لینے کے لئے پہنچا تو حویلی کے چبوترے پر ایک کتا زنجیر سے بندھا ہوا تھا وہ بری طرح بھونکنے لگا سلیمان چبوترے سے نیچے ہی کھڑا رہا اسے امید تھی کہ وہ بزرگ کسی وقت خود باہر نکلیں گے اور اسے روٹی مل جائے گی لیکن دوپہر سے شام ہو گئی اور شام سے رات ہونے لگی۔ نہ کتا چبوترے سے اٹھا نہ سلیمان کو یہ ہمت ہوئی کہ وہ اوپر جا کے حویلی کے دروازے پہ دستک دے۔ رات گئے وہ بھوکا پیاسا مدرسے سے لوٹ گیا اور اسے مولانا حسن علی کو یہ بات بتاتے ہوئے شرم آئی کہ آج بھیک نہیں مل سکی ہے۔ خاموشی میں کئی فاقے گزر گئے میاں حسن علی کو یہ احساس ہو گیا کہ سلیمان اب تک بھیک مانگنا عار سمجھتا رہا ہے انہوں نے اسے متنبہ کیا کہ اگر آئندہ وہ بھیک کی روٹی لے کر نہ آیا تو اسے مدرسے سے نکال دیا جائے گا۔ سلیمان پر یہ انتباہ بہت شاق گزرا لیکن استاد کا حکم تھا، لہٰذا دوسرے دن وہ یہ فیصلہ کر کے نکلا کہ آج جو بھی پہلا دروازہ پڑے گا۔ وہاں وہ دستک دے کے بھیک کے لئے صدا لگائے گا مگر جب وہ بستی کے پہلے دروازے سے گزرا تو کوشش کے باوجود بھیک نہ مانگ سکا کئی دروازے نکل گئے کہیں ہمت نہ ہوئی۔

Marfat.com

سلیمان یہ سوچ کے رو پڑا کہ اگر وہ آج بھی روٹی لئے بغیر پہنچا تو مزید تعلیم سے محروم رہ جائے گا چلتے چلتے اس نے ایک بقال کو روٹی پکاتے ہوئے دیکھا، اسے خیال آیا، بھیک مانگنے سے بہتر یہ ہے کہ چوری کرلی جائے چنانچہ وہ آہستہ آہستہ بقال کے چولہے کی طرف بڑھا پھر جیسے ہی بقال کی نظریں دوسری طرف ہوئیں سلیمان نے چند روٹیاں لے لیں اور بھاگ کھڑا ہوا اسی وقت بقال کی نظر اس پر پڑ گئی وہ لپک کے اس کے پیچھے دوڑا سلیمان تیزی سے بھاگتا ہوا، ہانپتا کانپتا مدرسے میں داخل ہو گیا بقال نے اسے پیچھے سے پکڑ لیا اور گھسیٹتا ہوا میاں حسن علی کے پاس لے گیا۔

میاں جی! تمہیں شرم نہیں آتی کہ بھرے بازار میں چوروں کا مدرسہ کھولے بیٹھے ہو۔

مولانا حسن علی کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہو گیا انہوں نے بقال سے معافی چاہی۔

بقال بک بک جھک جھک کے چلا گیا اور مولانا حسن نے فیصلہ کرلیا کہ آئندہ اپنے شاگردوں سے بھیک منگوانے ک بجائے انہیں محنت کشی کی عادت ڈلوائیں گے۔ انہوں نے سلیمان سے کہا کہ۔ لڑکے! بستی میں جا کے مزدوری کرتا کہ تیرے کھانے کپڑوں اور کتابوں کا خرچ پورا ہو سکے۔

دوسرے دن سلیمان کو دو آنے یومیہ پر ایک جگہ مزدوری مل گئی اب سلیمان کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر وقت کا بہترین حصہ مزدوری میں گزر گیا تو پڑھائی کا وقت کیسے ملے گا وہ دیر تک ایک پتھر پہ بیٹھا اپنے مستقبل کے بارے میں سوچتا رہا اس کے ساتھی مزدور نے مالک سے شکایت کر دی کہ نیا لڑکا کوئی کام نہیں کر رہا ہے اور صبح سے چپ چاپ ایک پتھر پہ بیٹھا ہوا ہے۔ مالک غصے سے اٹھ کے سلیمان کے پاس پہنچا مگر سلیمان کا سوچ میں ڈوبا ہوا چہرہ دیکھ کے اس کی حالت غیر ہو گئی وہ سلیمان پر ہاتھ اٹھانے کے لئے آیا تھا لیکن اس کا ہاتھ شل ہو کے رہ گیا اس نے سوچا کہ ایک بے یار و مددگار طالب علم پر ظلم نہیں کرنا چاہیے یہ سوچ کے اس نے سلیمان سے معافی طلب کی۔ اسی وقت اس کے شل ہونے والے ہاتھ میں پھر

Marfat.com

طاقت آ گئی اس نے سلیمانؒ کو مقررہ مزدوری سے زیادہ رقم دیتے ہوئے کہا کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق روزانہ اس سے رقم لے جایا کرے۔

مولانا حسن علی کو اس واقعے کی اطلاع مل گئی، انہوں نے سلیمان کو اپنے حجرے میں بلایا اور آہستہ سے کہا۔

سلیمان میں تیرے چہرے پر سعادت کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ ایک روز تو ولایت کی مسند پر بیٹھے گا جب تو اس مسند پر بیٹھے، اس وقت جو چاہے کرنا لیکن اس وقت میں تیرے تعلیم و تربیت کی مسند پر متمکن ہوں اور استاد کی حیثیت سے تجھے حکم دیتا ہوں کہ طالب علمی کے آداب ملحوظ رکھ اور اپنی حد سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کر، میں جانتا ہوں کہ تجھے تعلیم حاصل کرنے کی جلدی ہے۔ لہٰذا آئندہ کھانا، کپڑا اور کتابیں، یہ سب چیزیں تجھے میرے گھر سے ملتی رہیں گی لیکن خدارا وقت سے پہلے خود کو دنیا پہ ظاہر نہ کر۔

سلیمان نے حیرت سے استاد کی بات سنی اسے نہ ولایت کی مسند کا علم تھا، نہ یہ معلوم تھا کہ ظہور کیا ہوتا ہے اور اخفا کیا؟ پھر بھی اس نے استاد سے یہ وعدہ کر لیا کہ آئندہ وہ ان کے ہر حکم کی تعمیل کرے گا۔

سلیمان کی ماں اس سے بے حد محبت کرتی تھیں وہ گڑ گوجی ہی میں مقیم تھیں انہوں نے کئی بار کوشش کی کہ بیٹے کے لئے کچھ رقم یا کپڑے وغیرہ توسنہ بھیج دیں لیکن مولانا حسن علی نے ہر بار ان سے یہ کہلوایا کہ لڑکے کو شہزادہ بنانا ہے تو اپنے ہی پاس رکھو اور اگر تعلیم دلوانی ہے تو جس طرح میرے مدرسے کے دوسرے غریب طالب علم حجروں میں رہتے ہیں، اسی طرح سلیمان کو بھی رہنا پڑے گا۔ گڑ گوجی سے توسنہ صرف تیس کوس کے فاصلے پر تھا۔ اکثر ماں کا دل چاہتا کہ وہاں جا کر سلیمان کو دیکھ آئیں یا اسے کچھ چیزیں بھجوا دیں، لیکن مولانا حسن علی کی سختی دیکھ کے انہوں نے ہمت نہیں ہوتی تھی۔

سلیمان یک سوئی سے تعلیم حاصل کرنے لگا وہ دن بھر مروجہ نصابی کتب پڑھتا اور

Marfat.com

رات بھر تلاوت میں مصروف رہتا رفتہ رفتہ تلاوت قرآن پاک کا ذوق اتنا بڑھا کہ قرآن پاک کی آیتیں ہر وقت اس کے ذہن پر طاری رہتیں اکثر ایسا ہوتا کہ میاں حسن علی کوئی سوال کرتے اور سلیمان کوئی آیت پڑھ کے سوال کا جواب دے دیتا۔ یہ سب کچھ اتنی بے ساختگی سے ہوتا کہ اس کے ہم مکتب حیرت میں رہ جاتے انہیں دنوں مولانا حسن علی نے سلیمان سے یہ وعدہ لیا کہ آئندہ جب بھی اس کی تعلیم وتربیت کا ذکر آئے گا تو وہ یہ گواہی ضرور دے گا کہ اس نے قرآن پاک کی تعلیم ان سے حاصل کی ہے۔

ایک دن سلیمان تونسہ سے دو کوس کے فاصلے پر موضع سوکڑ میں ایک کتاب خرید نے گیا ایک بزرگ نور محمد نارو والا اپنے مریدوں کے جمگھٹ میں گھوڑے پر بازار سے گزر رہے تھے کتب فروش کی دوکان پر انہوں سلیمان کا چہرہ دکھائی دیا وہ دفعتہ گھوڑے سے اتر گئے۔

انہوں نے آگے بڑھ کے سلیمان کو گھوڑے پر سوار کیا اور اسی طرح تونسہ تک پہنچایا سلیمان جب اس شان سے مدرسے کے احاطے میں داخل ہوا تو مولانا حسن علی نے غصے میں کہا۔

سلیمان! تو بار بار حد ادب سے نکل جاتا ہے۔ یہ مدرسہ ہے، تیری مستقبل کی خانقاہ نہیں ہے، جہاں سے تیرے لئے فضاؤں میں تخت رواں کے جلوس نکلیں گے یہ ایک معمولی مدرسہ ہے، اور تو اس کا ایک معمولی طالب علم ہے۔ سلیمان پر رقت طاری ہوگئی وہ بے اختیار استاد کے قدموں پر گر پڑا اور روتے ہوئے بولا۔

قبلہ گاہی! میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ میں بے بس سا ہو کے رہ گیا ہوں۔ میرے حق میں دعا کیجئے کہ لوگ مجھے صرف ایک طالب علم رہنے دیں اور مجھے وہ نہ سمجھیں جو میں نہیں ہوں۔

اس دن سے مولانا حسن علی، سلیمان کو اپنے خاص حجرے میں تعلیم دینے لگے۔ وہ کوشش کرتے کہ سلیمان عام طالب علموں میں زیادہ نہ گھلے ملے، اور اس کے احوال دوسروں

Marfat.com

پر عیاں نہ ہوں۔ وہ تنہائی میں سلیمان سے ملتے تو اس کے سامنے دو زانو بیٹھ جاتے لیکن دوسروں کے سامنے اسی طرح سخت رویہ رکھتے۔ سلیمان نے مولانا حسن علی سے خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب پند نامہ اور شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی گلستان بوستان جیسی کتابیں ختم کیں۔

مولانا حسن علی کے مدرسے فارغ التحصیل ہو کے سلیمان لانگھ پہنچا۔ لانگھ تونسہ سے پانچ کوس کے فاصلے پر تھا۔ وہاں گنبد والی ایک وسیع اور پر شکوہ مسجد تھی یہ مسجد ۱۲۷۸ھ تک باقی تھی، پھر دریا کی طغیانی اسے بہا لے گئی۔ اس مسجد میں مولوی ولی محمد درس دیتے تھے۔ سلیمان نے ان سے فارسی درسیات کی تکمیل کی۔ پھر کچھ عرصے بعد کوٹ مٹھن چلا گیا یہاں اس نے قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسے میں فقہ اور حدیث کی تعلیم شروع کی۔ قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے کوٹ مٹھن میں انہوں نے ایک بڑا دارالعلوم قائم کر رکھا تھا اس دارالعلوم میں دینی علوم کی انتہائی تعلیم دی جاتی تھی یہاں سلیمان نے نہایت ذوق وشوق سے منطق اور فقہ کے علاوہ تصوف کی بھی بعض کتابیں پڑھیں۔ مثلاً آداب الطالبین اور فصوص الحکم وغیرہ۔

خواجہ نور محمد مہارویؒ، شاہ فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے شاہ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ایک شہباز مقید کرنے کی بشارت دی تھی اور کہا تھا کہ ایسے چشتی اور نظامی سلسلوں کی انتہائی تبلیغ ہوگی۔ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ ہر سال اُچ اور کوٹ مٹھن آتے تھے وہ آخری بار اُچ آئے تو انہوں نے اپنے ایک عزیز سے کہا:

تمہیں معلوم ہے کہ میں ہر سال ان مقامات پر دیوانوں کی طرح کیوں گھومتا ہوں؟"

قبلہ عالم آپ ہی ارشاد فرمائیے۔

خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

Marfat.com

میں اپنے مرشد کی بشارت کے پیش نظر ایک شہباز کے شکار کے لئے یہاں آتا ہوں مجھے پوری امید ہے کہ میں ایک دن اسے شکار کرنے میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا۔

اس وقت سلیمان کی عمر پندرہ سولہ برس کی تھی اس نے دارالعلوم میں سنا کہ قاضی محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ اچ آئے ہوئے ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کو سماع سے بہت دلچسپی ہے سلیمان سماع کے مسئلے پر ان سے بحث کرنے کے لئے اچ روانہ ہو گیا اچ پہنچ کے جب وہ خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں گیا تو ان کا چہرہ دیکھ کر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے زمین نے اس کے قدم جکڑ لئے ہوں۔ اس نے لاکھ چاہا کہ ان کے قریب پہنچ کے اپنا مدعا زبان پر لائے لیکن نہ قدم آگے بڑھتے تھے، نہ گویائی کی ہمت ہوتی تھی وہ مسلسل تین دن تک روزانہ مجلس میں جاتا رہا خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ عموماً اپنے مریدوں اور معتقدوں سے مختلف مسائل پر گفتگو کرتے رہتے کبھی کبھی اس شہباز پر بھی ایک مسکراتی ہوئی نظر ڈال لیتے جو اپنے دام میں خود گرفتار ہو کے ان کے پاس آ گیا تھا تین دن تک انہوں نے سلیمان کو یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ اس پر عنایت کی مخصوص نظر ہو رہی ہے۔ تیسرے دن انہوں نے قاضی محمد عاقل کو اپنے قریب بلایا اور ان سے سلیمان کے متعلق کہا کہ یہ تین دن سے مسلسل آ رہا ہے معلوم ہوتا ہے تم نے اسے پڑھنا تو کجا، بولنا تک نہیں سکھایا یہ کہہ کے وہ گہری نظر سے سلیمان کو دیکھنے لگے، معاً سلیمان کے قدم لڑکھڑائے، قریب تھا کہ وہ گر پڑتا مگر اچانک خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کھڑے ہو کر اسے سہارا دیا اور اسی وقت اس کا ہاتھ پکڑ کے اسے سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر لے گئے مزار سے مخاطب ہو کے انہوں نے کہا۔

حضرت میں آپ کی گواہی چاہتا ہوں کہ میں نے اپنے مرشد کی بشارت کے مطابق کوہ سلیمان کا شہباز گرفتار کر لیا ہے آپ کی اجازت سے آج میں اس سے اپنے ہاتھ پر بیعت لیتا ہوں۔ اس طرح سلیمان خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مرید بن گیا اور چھ سال تک ان

Marfat.com

سے باطنی استفادہ کرتا رہا خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اپنی تمام تر توجہ مبذول رکھی اور بہت مختصر مدت میں اسے ساری روحانی منازل طے کرادیں پھر خلافت دے کے اسے مسند ارشاد پر بیٹھنے کا حکم دیا وہ سلیمان کی تربیت کے دوران میں اکثر کہتے تھے کہ اس لڑکے نے روحانی اسرار حاصل کرنے میں ہمیں متعجب کر دیا۔ اللہ اللہ اس کا حوصلہ کس قدر وسیع ہے۔ یہ جو کچھ حاصل کرتا ہے، اس کی استعداد اس سے کئی درجے بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔

یہی وہ لڑکا تھا جو آگے چل کر خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد کی محبت، عقیدت اور ان کے احکام کی بجا آوری میں کہنہ سال مریدوں سے بازی لے گئے۔ خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مرید کرنے کے بعد انہیں سب سے پہلے حکم یہ دیا تھا کہ شاہ فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی راہ میں جاؤ۔

چنانچہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی کا سفر اختیار کیا راستے میں انہیں بار بار یہ خیال آتا کہ مجھے صرف حکم کی تعمیل کرنی ہے قدم بوسی اور راہ میں جانے کا فرق مرشد ہی کو بہتر معلوم ہے۔

سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ دلدور، جودھ پور، اجمیر، جے پور اور ریواڑی رحمۃ اللہ علیہ ہوتے ہوئے ۱۱۹۹ھ میں دہلی پہنچے۔ گرمی کا زمانہ تھا گرمی کی شدت سے زمین و آسمان سرخ معلوم ہوتے تھے ریگستان میں کوسوں پانی نہیں ملتا تھا نہ کوئی سواری، نہ کوئی ہم سفر، لیکن کوہ سلیمان کا یہ شہباز طریقت کی راہ میں پورے ذوق وشوق سے رواں دواں تھا۔ ان کا چہرہ مرجھا گیا تھا دونوں تلوے ایڑی سے انگلیوں تک ادھڑ گئے تھے۔ پیروں پر زخموں اور چربی کے سوا کچھ نہیں بچا تھا۔ پیروں کا کوئی ناخن سلامت نہیں رہا تھا وہ جس راستے سے گزرتے، خون اور پیپ کے نشانات بنتے جاتے پھر بھی ان کے چہرے سے کوئی ملال ظاہر نہیں ہوا۔ اتنی صعوبتوں کے بعد جب وہ دہلی پہنچے تو معلوم ہوا کہ شاہ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے کہ راہ میں جانے اور قدم بوسی کرنے میں کیا فرق ہے۔ وہ

Marfat.com

مدت تک شاہ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر رہے اور ان کے روحانی فیوض سے مستفید ہوتے رہے۔

ایک بار ان کی والدہ کو بہت دنوں تک ان کی کوئی خبر نہیں ملی۔ لہذا انہوں نے سوکڑ کا سفر کیا۔ سوکڑ میں بھی بیٹے کا کوئی پتہ نہ چلا۔ انہوں نے اپنے داماد کو سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی تلاش میں آگے روانہ کیا۔ وہ انہیں تلاش کرتے کرتے آخر ان سے جا ملے۔ انہوں نے انہیں والدہ کے اضطراب اور بے چینی کی داستان سنائی سلیمان تونسوی نے اپنے پیر سے اجازت لی اور والدہ کے پاس آگئے لیکن مرشد سے جدا ہو کے انہیں نہ رات کو نیند آتی تھی، نہ دن کو چین ملتا تھا۔ ہر وقت اضطرابی کیفیت رہتی تھی۔ انہوں نے ہزار چاہا کہ والدہ انہیں مرشد کے پاس جانے کی اجات دیدیں لیکن وہ جب بھی یہ ذکر چھیڑتے، بیٹے کی جدائی کے خیال سے ماں کی آنکھوں میں آنسو آجاتے۔ آخر ماں کی محبت اور مرشد کے عشق میں کشمکش شروع ہوگئی۔ مرشد کی محبت زور آور ثابت ہوئی، سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ جانے کے لئے تیار ہوگئے۔ ماں نے انہیں روکنے کی ہر ممکن کوشش کی، گھر کے باہر بندوقوں اور تلواروں سے مسلح پہرے دار بٹھا دیئے گھر کے اطراف خار دار تاروں کی باڑھ کھنچوادی اور بے شمار گنڈے تعویذ کروائے۔ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

اس موقع پر ہمارے گھر میں بہت سے تعویز جمع ہو گئے تھے۔ اگر انہیں یک جا کیا جاتا تو کئی مٹکے بھر جاتے۔ اس کے باوجود حقیقی عشق نے زور کیا تو ساری بندشیں ٹوٹ کے رہ گئیں اور وہ دیوانہ وار اپنے مرشد کے پاس پہنچ گئے۔ خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔

سلیمان عشق کی آگ اتنی تیز نہ بھڑکاؤ کہ خیرگی میں تمہیں ماں کے آنسو بھی نظر نہ آئیں۔ آج سے تم ایک مہینہ ہمارے پاس رہا کرو گے اور ایک مہینہ گھر جا کے ماں کی خدمت کیا کرو گے۔

Marfat.com

خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مرشد سے حقیقی عشق تھا۔ ان سے جب بھی جدا ہوتے تو پریشان اور بے چین رہتے۔ بسا اوقات یہ حال ہو جاتا کہ اکثر پیدل ہی سفر پر روانہ ہو جاتے اور راستے کی تمام تکلیفیں ہنسی خوشی برداشت کرتے ایک مرتبہ وہ گرمی کے زمانے میں سفر پر روانہ ہوئے۔ پہاڑیاں آگ کی طرح دہک رہی تھیں راستے میں ان کے پیروں سے خون جاری ہو گیا اور پیروں کے ناخن انگلیوں سے جدا ہو گئے لیکن انہوں نے اسی استقلال اور ہمت کے ساتھ چالیس کوس کا سفر طے کیا سفر میں دو، دو تین، تین دن کے فاقے بھی گزرے، کئی منزلوں پر لوگوں نے مسافر نوازی کے خیال سے کھانا، دودھ اور خور دونوش کا دوسرا سامان دینے کی کوشش کی لیکن سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہر دفعہ کھانے پینے سے انکار کر دیا وہ کہتے ہیں۔

میں نے اللہ سے مرشد کا عشق طلب کیا ہے، پیٹ کا جہنم نہیں۔ پھر جب وہ منزل کے قریب پہنچے تو اپنے مرشد کو بستی کے باہر استقبال کے لئے موجود پایا۔ ان کے مرشد خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دوسرے مریدوں سے کہا۔ دیکھو ہمارا چاہنے والا کس شان سے آرہا ہے اسے اتنے اذیت ناک سفر کی تکلیف ہی نہیں ہو رہی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ فرشتے اس کی بھوک اور اس کی صعوبت پر اپنے ٹھنڈے اور سفید پر پھیلائے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد تونسہ کی مسند پر خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر شیخ جمالدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد ہارون رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت کی رفتہ رفتہ ان کی شہرت پھیلتی چلی گئی۔ ان کے مرید اور خلفاء بے شمار مقامات پر تھے وہ تقریباً ساٹھ برس تک مشائخت کی مسند پر رہے۔ تونسہ کو خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دارالعلوم میں تبدیل کر دیا دور دور سے سینکڑوں علماء آ کے وہاں مقیم ہو گئے اور بیشتر علماء ان سے روحانی فیض حاصل کر کے مختلف ملکوں میں پھیل گئے مدرسے میں پچاس پچاس جیدا ساتذہ موجود

Marfat.com

رہتے تھے۔ وہاں دینی علوم کی انتہائی تعلیم دی جاتی تھی خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ خود بھی تصوف کا درس دیتے تھے۔ اپنے خاص خلفاء کو وہ احیاء العلوم فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم وغیرہ تخلیے میں پڑھاتے تھے۔ درسگاہ سے دو ہزار طلبا کو تینوں وقت کھانا دیا جاتا تھا۔ روزانہ ڈھائی ہزار مساکین کو صبح و شام کھانا ملتا۔ لنگر خانہ چلانے کے لئے پورا ایک محکمہ قائم تھا۔ ضرورت کی ہر چیز ہر وقت موجود رہتی تھی حجام، لوہار، موچی، آب کشی، طبیب اور منشی وغیرہ خانقاہ سے با قاعدہ تنخواہ پاتے تھے ایک بار مہینے بھر میں طلبہ اور اساتذہ کی دواؤں کا خرچ تقریباً سات سو روپے ہوا منشی نے خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ سے ان اخراجات کی شکایت کی، خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ غصے سے کھڑے ہو گئے انہوں نے کہا۔ منشی یہ تو صرف سات سو روپے ہیں، اگر دواؤں پر سات ہزار روپے بھی خرچ ہو جائیں تو مجھے اطلاع دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ طلبہ اور اساتذہ کی جان کے مقابلے میں روپے کی کیا حیقت ہے۔

خانقاہ سے ہر درویش کو تین پاؤ آٹے کی روٹی ملتی تھی، ہر چھ مہینے بعد کپڑے اور جوتیاں ملتیں۔ اس کے علاوہ ایک سیر تیل اور گھی بھی فراہم کیا جاتا علماء کو سیر بھر تیل اور سیر بھر گھی ماہانہ ملتا۔ لباس چھ ماہ بعد ملتا تھا، ساتھ ہی ایک ایک لنگی بھی دی جاتی تھی اور ایک ایک دنبا بھی ملتا تھا۔

خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ دن بھر درس و تدریس اور عبادات میں مصروف رہتے۔ رات کے وقت وہ حجرہ بند کر کے اس طرح بیٹھ جاتے کہ دنیا ان کے نزدیک مر جاتی ایسے میں خدام ان کے حجرے کے قریب سے گزرنے کی جرات نہیں کرتے تھے کیونکہ اندر جس عشق و مستی کا اظہار ہوتا تھا، اس کی تپش سے تو فولاد بھی پانی ہو کے بہہ جاتا خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فجر کی نماز کے لئے صبح باہر آتے تو ان کی مسکراہٹ سے چہرہ ایک تو تازہ گلاب کی طرح نظر آتا تھا۔

ایک بار ۱۲۷۶ھ میں ۱۲ ربیع الاول کو خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ اپنے حجرے میں عبادت کر رہے تھے، خانقاہ کے باہر اتنی بھیڑ ہوئی کہ جہاں تک نظر جاتی، آدمیوں کا سمندر نظر آتا یہاں

Marfat.com

تک کہ تونسے کے تمام گلی کوچے لوگوں سے بھر گئے لوگ ایک دوسرے پر گر پڑ رہے تھے۔ بھیڑ کا سبب دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کل رات جو شخص جہاں تھا اس نے ایک پر اسرار آواز سنی تھی کہ ۱۲ ربیع الاول کو جو شخص خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کرے گا، وہ جنتی ہو گا۔ چنانچہ لوگ ساٹھ ساٹھ، ستر ستر میل کی مسافتیں طے کر کے تونسے میں جمع ہو گئے تھے وہ جوق در جوق ایک دروازے سے آتے اور زیارت کر کے دوسرے دروازے سے نکل جاتے۔

سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ انہیں دیکھتے اور مسکرا کے زیر لب کہتے۔

تمہارا اعتقاد ہی تمہیں نفع دیتا ہے۔

خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ پر عموماً وجد و محویت کی کیفیت طاری رہتی بسا اوقات ان کی آنکھوں سے بے اختیار خون جاری ہو جاتا اور سماع کی محفلوں میں اکثر ایسا ہوتا کہ قوال کوئی عمدہ شعر پڑھتا تو وہ بے ہوش ہو جاتے اور گھنٹوں سے ہوش رہتے۔ ان کی حالت جب انتہا کو پہنچ گئی تو انہوں نے سماع کی محفلیں ترک کر دیں لیکن جب بہت دل چاہتا تو قوال تخلیے میں بلا کے اس سے غزلیں سنتے ایک دفعہ انہوں نے قوال کو پنجابی گیت سنانے کا حکم دیا۔ قوال نے گیت سنایا گیت کا ایک شعر یہ تھا۔

پریم پیالہ اساں ہنس رس پیتا
جو کچھ کیتا سانوں تیرے نیناں کیتا

یہ شعر سن کے خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ وہ بار بار آستین اونچی کرتے کچھ دیر بعد ان کی آنکھوں سے خون جاری ہو گیا حجرے کا دروازہ بند تھا لیکن ان کے سوز عشق کے اثر سے باہر تمام لوگ تڑپ رہے تھے جب بھی خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ پر عشق کی آگ غالب ہوتی، سخت سردی میں بھی حجرہ بھٹی کی طرح تپ اٹھتا۔

اس استغراق اور مستی کے باوجود انہیں عمر بھر سنت کے اتباع کا بہت خیال رہا۔

Marfat.com

انہوں نے سنت کے خلاف کبھی کوئی عمل نہیں کیا۔ ساری عمر ان کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی ان کا چہرہ گول، بھرا ہوا اور قدرے درازی مائل تھا، پیشانی کشادہ، رنگ سفیدی مائل گندمی، بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں، لمبی پلکیں، داڑھی نہ بہت پتلی، نہ بہت زیادہ گھنی، جسامت میں قدرے بھاری تھے، دیکھنے والوں پر ان کی شکل وصورت کا بہت اچھا اثر پڑتا تھا۔ لباس میں وہ خوش نمائی اور پاکیزگی کا بہت خیال رکھتے تھے گرمی میں سفید قادری ٹوپی استعمال کرتے ٹوپی کے گرد خوب صورت حاشیہ ہوتا تھا۔

سردی میں سرخ چھینٹ یا مشروع کی روئی دار ٹوپی پہنتے۔ انہیں ململ یا لٹھے کا سفید پیرہن بہت پسند تھا۔ بہاول پور کا نواب سردی میں روئی کی ایک لمبی قباء تیار کروا کے انہیں بھیجتا تھا قباء کے گریبان پر زردوزی کا کام ہوتا تھا۔ قبا کے نیچے وہ کبھی تہبند باندھتے کبھی پاجامہ استعمال کرتے۔ چارپائی پر غالیچہ ہوتا یا روئی کی خوب صورت تو شک بچھی رہتی۔ اس پر وہ آرام کرتے لیکن اس خوش لباسی کے باوجود عشق ومستی کا یہ عالم تھا کہ ایک بار وہ اپنے مرشد کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کے لئے روانہ ہوئے چلتے چلتے ان کی پاپوش خون سے بھر گئے۔ راستے میں پیروں سے خون ٹپکنے لگا لیکن وہ ایسے گم تھے کہ مردانہ وار آگے بڑھتے رہے۔ انہیں پاؤں زخمی ہونے اور خون بہنے کا احساس ہی نہیں تھا۔ ان سے بہت کہا گیا کہ وہ کچھ دیر کہیں بیٹھ کے آرام کرلیں لیکن وہ کہتے۔

وہاں سے آواز آرہی ہے اور تم بیٹھنے کو کہہ رہے ہو۔

اسی طرح وہ ملتان تک پہنچ گئے جوتا تنگ ہونے کی وجہ سے ان کے پیر زخمی ہو گئے تھے اس لئے ان سے نیا جوتا خریدنے کے لئے کہا گیا لیکن ان کے ساتھی میاں غلام حیدر کے پاس جوتا خریدنے کے لئے پیسے نہیں تھے۔ البتہ ایک نئی چادر تھی میاں غلام حیدر نے سوچا کہ چادر بیچ کے جوتا خرید لیں۔ خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ ان پر بہت ناراض ہوئے۔ کہنے لگے تم کس زخم اور کس تکلیف کی فکر کر رہے ہو؟ کاش تمہیں حاصل ہو تو یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ قبلہ

Marfat.com

عالم ہمیں سہارا دیئے ہوئے چل رہے ہیں۔ ارے یہ اتنا بوا اعزاز ہے کہ ہمیں اپنی ہوش ہی نہیں ہے۔

ایک بار کوہ سلیمان کے ارد گرد کی بستیوں پہ خراسان کے بادشاہ نے حملہ کر کے قلعہ ڈراوال فتح کر لیا ایک قلعہ کی فتح کے لئے اس نے سینکڑوں بستیاں تاراج کر کے رکھ دی تھیں ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی تھی انہیں دنوں خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں مرشد کی قدم بوسی کا شوق پیدا ہوا تمام راستے مخدوش تھے اس لئے خدام نے بہت منع کیا لیکن انہوں نے یہ کہہ کے سب کو چپ کرا دیا کہ تم نہیں جانتے ہمارے لئے تمام راستے محفوظ ہیں۔

خواجہ سلیمان روانہ ہو گئے اور انہوں نے دریائے سندھ پار کر لیا وہاں ان کی حفاظت اور ہم سفری کے لئے نارووالا کے میاں صاحب نے پہلے سے ایک آدمی روانہ کر دیا تھا، اس آدمی کا نام حاجی جان محمد تھا، جان محمد نے ان سے کہا۔

خادم کے پاس زادراہ کی کمی نہیں ہے حکم ہو تو کھانا حاضر کیا جائے؟

خواجہ سلیمان نے کوئی جواب دینے کی بجائے اپنے کندھے پر پڑی ہوئی چادر اتاری اور بستی میں جا کر اسے فروخت کر دیا پھر کچھ چاول خریدے اور وہی چاول کھائے۔ پھر وہ دونوں سفر کرتے ہوئے کرم پور پہنچ گئے۔ کرم پور میں انہیں اور جان محمد کو جاسوس سمجھ کے گرفتار کر لیا گیا۔ اتفاق سے اس رات بارش ہو گئی دونوں ایک چھوٹی سی کوٹھری میں بند تھے کوٹھری گدھوں کی لید سے بھری ہوئی تھی۔ اس کی چھت ٹپکنے لگی۔ دونوں نے ناپاک پانی میں کھڑے رات گزار دی۔ صبح جان محمد نے روتے ہوئے اس سے کہا

اس نواح کے لوگ بہت ظالم ہیں۔ کاش ہم ان ظالموں سے محفوظ رہیں۔

خواجہ سلیمان نے آہستہ سے جواب دیا۔

فکر نہ کرو، ایسا ہی ہوگا۔ پھر درود و ظائف میں مشغول ہو گئے۔

کرم پور میں جان محمد کے بہت سے عزیز اور دوست قتل ہو چکے تھے اس لئے جان

Marfat.com

محمد کو صدفی صد یقین تھا کہ کچھ دیر بعد کوٹھری کا دروازہ کھلے گا اور دونوں کی گردنیں اڑا دی جائیں گی تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ کچھ سپاہی اندر آئے اور وہ دونوں قیدیوں کو اپنی فوج کے کماں دار کے پاس لے گئے۔ تا کہ ان جاسوسوں کو قتل کرنے کا حکم حاصل کر سکیں۔ خواجہ سلیمان نے کماں دار کو گھورتے ہوئے سپاہیوں سے کہا۔

بد بختو! تم نے اپنی دنیا خراب کر لی ہے، اب عاقبت کیوں خراب کر رہے ہو، موت اور زندگی تمہارے کماں دار کے ہاتھ میں نہیں، بلکہ کسی اور کی منشا پر منحصر ہے۔

کماں دار غیر متوقع طور پر یکا یک ہاتھ جوڑ کے خواجہ سلیمان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے سپاہیوں سے کہا۔

انہیں غور سے دیکھو۔ ایسے چہرے جاسوسوں کے نہیں ہوتے۔

یہ کہہ کر اس نے انہیں آزاد کر دیا اور ان سے پوچھا۔

سائیں ہماری فوجوں کی حالت کیسی ہے؟

خواجہ سلیمان نے جواب دیا۔

تمہاری فوجوں کی حالت یہ ہے کہ اگر صرف پانچ ہزار سوار اس فقیر کی کمان میں ہوں، تو تمہیں ہندوستان بھر میں کوئی جائے پناہ نہیں ملے گی۔

خواجہ سلیمان وہاں سے روانہ ہو گئے۔ وہ اپنے مرشد کی خانقاہ کے قریب رات کے وقت پہنچے۔ اچانک کچھ چوروں نے انہیں گھیر لیا۔ اسی وقت ان کے اور چوروں کے درمیان ایک ندی حائل ہو گئی۔ چور جلدی جلدی ندی عبور کرنے لگے۔ خواجہ سلیمان اور جان محمد بھی ندی پار کرنے لگے جب یہ دونوں اور چور آمنے سامنے آئے تو جان محمد نے چوروں سے کہا۔

اگر تمہارے پاس کچھ روٹی ہو تو ہمیں دو ہم بھوکے ہیں۔

چور یہ سنتے ہی منہ پھیر کے دوسری طرف روانہ ہو گئے۔ خواجہ سلیمان جب جان محمد کے ساتھ اپنے مرشد کے پاس پہنچے تو مرشد نے مسکراتے ہوئے ان سے کہا۔

Marfat.com

کچھ روٹی موجود ہو تو اسے دو، یہ بھوکا ہے۔

پھر جان محمد سے کہا۔

حاجی خواجہ تیرے ساتھ تھا پھر اتنی عجلت کیوں کی؟ کچھ دیر انتظار کیا ہوتا۔ چور خود بھاگ جاتے۔

خواجہ سلیمان اکثر کہتے تھے۔

اگر ہمارے دور میں صحابہ ہوتے تو موجودہ زمانے کے لوگوں کو کافر کہتے، کیونکہ موجودہ زمانے کے لوگوں نے شریعت کی پیروی چھوڑ دی ہے۔ اور اگر یہ لوگ صحابہ کو دیکھتے تو انہیں دیوانہ قرار دے دیتے۔ کیونکہ ان کے سارے افعال شریعت کے مطابق اور نفسانی خواہشات سے پاک تھے۔

خوانہ سلیمان نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ۔

میں ایک رات خلوت میں بیٹھا تھا۔ اتنے میں ایک شخص ایک گدھا لایا۔ گدھا مجھ سے کچھ فاصلے پر باندھ کے وہ ایک ایسے مقام سے گزر کے میرے پاس آیا جہاں راستہ بنا ہوا نہیں تھا۔ وہ بیٹھ گیا۔ میں بہت حیران تھا۔ میں نے اسے اس کا نام اور پتہ دریافت کیا۔ وہ کہنے لگا۔

میں شیطان ہوں اور آپ کے پاس کچھ دیر بیٹھنے کے لئے آیا ہوں۔

میں نے دل میں دعا کی کہ مولا! مجھے شیطان کے مکر سے بچا اور اپنی امان میں رکھ۔

شیطان نے کہا۔

آپ فکر نہ کیجئے خدا نے آپ کو میرے مکر سے بچا لیا ہے اور اپنی امان میں لے رکھا ہے۔ پھر میرے اور اس کے درمیان کافی گفتگو ہوئی۔ باتوں باتوں میں اس نے بڑے فخر سے خدا کے ساتھ اپنے قرب کا ذکر کیا۔ میں نے کہا کہ۔ اگر اب بھی تو سچے دل سے حضرت آدم علیہ السلام کی قبر پر سجدہ کر لے تو امید ہے کہ خدا تجھے پہلا سا رتبہ عطا کر دے گا۔

Marfat.com

اس نے جواب دیا۔

چونکہ میں نے اس وقت خدا کا حکم نہیں مانا تھا۔اس لئے اب مجھے ایسا کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔

یہ کہہ کے اس نے جانے کا قصد کیا۔ میں نے کہا۔

تیرے نزدیک جو بہتر سے بہتر نصیحت ہے وہ مجھے کر۔

شیطان کہنے لگا۔

ہر شخص کو اپنے سے بہتر سمجھیں تو آپ کا رتبہ ہمیشہ ترقی کی طرف پرواز کرے گا۔

خواجہ سلیمان کا مطالعہ نہایت وسیع تھا اور نظر بہت گہری تھی۔قرآن، حدیث اور فقہ پر ان کے عبور کا یہ عالم تھا کہ جب بھی ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا، برجستہ اسناد نقل کر دیتے ان کی خانقاہ میں دور دور سے لوگ آتے تھے۔قریبی ریاستوں کے نواب اور جاگیردار ان کی قربت حاصل کرنا فخر کی بات سمجھتے تھے۔ جاگیرداروں اور ریاستوں کے والیان کا یہ معمول تھا کہ اپنی مسند نشینی کے موقع پر انہیں کے ہاتھ پگڑی بندھواتے تھے۔خواجہ سلیمان نے جب رشد و ہدایت کی مسند سنبھالی اس وقت مسلمان سیاسی ادبار میں مبتلا تھے۔ یہ انحطاط سب دیکھ رہے تھے۔لیکن بہت کم لوگ ایسے تھے جن کی حقیقت میں نگاہ سیاسی زوال کے پیچھے ایک خطرناک اخلاقی زوال کے اثرات دیکھ رہی تھی۔خواجہ سلیمان کی کوششوں کا محور اخلاق و عادات کی درستی تھا۔ وہ اپنی نصیحت زود اثر بنانے کے لئے مختلف اشعار، قرآنی آیات اور احادیث برمحل استعمال کرتے تھے۔ وہ اخلاقی درس دیتے تو ان کے لہجے میں اصولی سختی اور تبلیغی نرمی کا امتزاج ہوتا تھا کوئی بھی آتا۔کسی بھی قسم کا مسئلہ زیر بحث ہوتا۔ وہ اخلاقی درس دینا کبھی نہ بھولتے۔خواجہ سلیمان تونسے میں تھے۔شرق اوسط کی سیاسی صورت حال بہت خطرناک ہو چکی تھی۔

نپولین کی جنگوں کے بعد سے روس مسلسل مشرق کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ۱۸۲۶ء میں

Marfat.com

روسیوں نے ایران کو شکست دے کے اس پر بھی اپنا اقتدار قائم کرلیا تھا۔ برطانیہ کو روس کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے سخت خطرات پیدا ہو گئے تھے چنانچہ اس نے افغانستان میں اپنی طاقت مستحکم کرنی چاہی لیکن افغانستان خود داخلی انتشار کا شکار تھا۔ امیر دوست محمد نے درانی خاندان کو کابل اور غزنی سے نکال دیا تھا۔ درانی خاندان کے تخت وتاج کے وارث شاہ شجاع نے ہندوستان میں پناہ لے لی تھی انگریز شاہ شجاع کے حمایتی تھے۔ خواجہ سلیمان کی شہرت سن کے شاہ شجاع ان کے پاس آیا۔ خواجہ سلیمان نے اسے اپنے مصلے پہ بٹھا کے اس کی ساری سرگزشت سنی اور اس سے پوچھا۔

افغانسان کی تسخیر کا ارادہ تو کر رہے ہو لیکن یہ بتاؤ، کس کی پناہ میں وہاں جارہے ہو؟

شاہ شجاع نے جواب دیا۔

کہن دل خاں اور پردل خاں کی حمایت میں جارہا ہوں۔

شاہ شجاع چلا گیا۔ خواجہ سلیمان اپنی مجلس کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے۔

شاہ شجاع نے خود اپنے لئے موت کا انتخاب کرلیا ہے۔ اب کوئی اس کی کیا مدد کرسکتا ہے۔ کاش وہ کہن دل خاں اور پردل خاں کے نام لینے کے بجائے یہ کہہ دیتا کہ وہ خدا کی پناہ میں جارہا ہے۔ انہوں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا اگر ایسا ہوتا تو درانی خاندان ہمیشہ خدا کی پناہ میں رہتا لیکن اب جلد ہی اس کے مرنے کی خبر آجائے گی۔

چند دن بعد شاہ شجاع کے قتل کی خبر آ گئی۔

خواجہ سلیمان ایک روز مسجد میں بیٹھے تھے۔ شیخ احمد نامی ایک شخص پانی سے بھرا ہوا برتن لے کے وہاں آیا۔ اس نے خواجہ سلیمان کو پانی دے کے کہا۔

میں نے جو نیا کنواں کھدوایا ہے یہ اس کا پانی ہے آپ اسے چکھیئے یہ کیسا ہے؟

خواجہ سلیمان نے تھوڑا سا پانی پیا اور خوش ہوئے کہا کہ تیرے کنویں کا پانی داد والا کنویں کے پانی سے زیادہ میٹھا ہے۔ اس شخص نے کہا۔

Marfat.com

یہ سب کچھ حضور کی مہربانی ہے اگر حضور مجھے دوسو روپے نہ عطا کرتے تو کنواں تو نہیں ہوسکتا تھا میں آپ سے کنویں کی کھدوائی ہی کے لئے دوسو روپے مانگنے آیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا آپ نے خود پورے دوسو روپے مجھے دے دیے۔ خواجہ سلیمان کا چہرہ حیاء سے سرخ ہوگیا۔ انہوں نے کہا۔

اے شخص! دینے اور دلوانے والا تو اللہ ہے۔ میں درمیان میں کہا آتا ہوں۔

ایک دن انہوں نے مجلس میں کہا۔

ایک بار نادر شاہ خراسانی نے اپنا ایک جاسوس ہندوستان بھیجا۔ جاسوس اجمیر شریف پہنچا وہاں اس نے دیکھا کہ خواجہ معین الدین چشتی کے مزار پر ہزاروں لوگ جمع ہیں۔ اور ان کے توسط سے اپنی اپنی دعائیں مانگ رہے ہیں اور ان کی مرادیں پوری ہورہی ہیں۔ یہ دیکھ کر جاسوس حیران رہ گیا۔ اس نے واپس جا کے نادر شاہ سے کہا کہ ہندوستان کے عجائب میں ایک بات یہ بھی ہے کہ وہاں ایک قبر بادشاہی کرتی ہے اور اس کی بادشاہی کو کوئی زوال نہیں۔

خواجہ سلیمان کے ایک مرید اور خلیفہ میاں محمد ہارون ان سے ملنے کے لئے تونسہ کے سفر پر روانہ ہوئے راستے میں انہیں ایک قافلہ ملا، وہ قافلہ بھی تونسہ جارہا تھا قافلے کے ساتھ مختلف مال واسباب سے لدے ہوئے گھوڑے بھی تھے ایک جگہ میاں محمد ہارون نے قافلے والوں سے خاموش رہنے کے لئے کہا اور کہا کہ اس راہ سے آہستہ گزرو، ان پہاڑوں میں ڈاکو رہتے ہیں وہ قافلے لوٹ لیتے ہیں۔ قافلے والوں نے انکی بات نہیں مانی اور ہنستے بولتے، شور مچاتے ہوئے چلتے رہے۔ آخر ڈاکوؤں نے اچانک پہاڑی کے پیچھے سے قافلے پر حملہ کر دیا۔ اور قافلے والوں کی تمام چیزیں چھین لیں۔ لباس تک اتار لئے اور سب کو رسیوں سے باندھ کے جنگل کی طرف لے چلے۔ جنگل میں پہنچ کے ڈاکو قافلے والوں کے ساتھ ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ میاں محمد ہارون زمین کی گرمی اور سورج کی دھوپ کے باعث گر پڑے، اور جب وہ شدید ترین گرمی سے عاجز آگئے تو انہوں نے باطنی طور پر خواجہ

Marfat.com

سلیمان سے رابطہ قائم کیا کہ۔

حضور! کب تک یہ تماشا دیکھتے رہیے گا؟

میاں محمد ہارون کا یہ کہنا تھا کہ ڈاکوؤں میں اچانک لڑائی شروع ہوگئی لڑائی کا شور سن کے پہاڑوں سے اور لوگ بھی اتر آئے۔ اترنے والوں میں سید نامی ایک بزرگ بھی تھے۔ ان کی نظر جیسے ہی میاں محمد ہارون پہ پڑی انہوں نے ان کی طرف اشارہ کر کے ڈاکوؤں سے کہا کہ یہ ایک درویش ہے۔ اس کی خاطر پورے قافلے کی چیزیں لوٹا دو، ورنہ سورج ڈھلنے سے پہلے تم سب اپنی ہی تلواروں سے آپس میں کٹ مرو گے۔

ڈاکوؤں نے فوراً لڑائی بند کر کے میاں محمد ہارون سے معافی مانگی۔ قافلے والوں کی تمام چیزیں واپس کر دیں اور منت وزاری کی کہ سب لوگ ایک رات ان کے مہمان رہیں۔ لیکن میاں محمد ہارون کو خواجہ سلیمان کی جدائی میں ایک ایک لمحہ بھاری تھا۔ وہ فوراً تونسہ روانہ ہو گئے۔ جب وہ خانقاہ پہنچے تو خواجہ سلیمان مسکرا کے کہنے لگے۔

ہم سے تو ملتے ہی رہتے ہو، اگر ایک رات غیروں کی مہمان نوازی کا لطف بھی اٹھا لیتے تو کیا حرج تھا۔

خواجہ سلیمان اپنے مرشد کے فرزندوں کی بے حد عزت کرتے تھے خود ان کے ہاتھ دھلاتے، ان کے برتن دھوتے حتیٰ کہ ان کے پاؤں بھی دباتے ایک بار کسی نے اس ضمن میں ان سے کوئی سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ والوں کی اولاد جیسی بھی ہو، اس کا احترام کرنا چاہیے، کیونکہ ان کے بزرگ ان کے معین اور مدد ہوتے ہیں۔ بزرگوں کی اولاد میں سے جب کوئی شخص کسی سے ملاقات کے لئے آتا ہے تو وہ بزرگ اپنے مرقد سے سینے تک باہر آ کے دیکھتے ہیں کہ یہ شخص میری اولاد کے ساتھ کس طرح پیش آتا ہے۔

انہوں نے اس سلسلے میں ایک واقعہ سنایا۔

سنو، بابا فرید کے ایک سجادہ نشین بڑی شان وشوکت کے ساتھ ایک قصبے سے

Marfat.com

گزرے۔ قصبے میں ایک ولی مقیم تھے۔ ولی کی عمر ایک سو چالیس برس کی تھی وہ اپنے حجرے سے نکل کے سڑک کے کنارے آ بیٹھے۔ سورج کے نیچے وہ گھنٹوں انتظار کرتے رہے اچانک وہ سجادہ نشین بڑے طمطراق سے گھوڑے پر بیٹھے ہوئے ایک جلوس کے ساتھ وہاں سے گزرے۔ انہوں نے پلٹ کے یہ بھی نہیں دیکھا کہ ایک بزرگ کتنی دیر سے اور کس ذوق و شوق سے سرراہ بیٹھے ہیں جب سجادہ نشین کی سواری گزر گئی تو ولی نے اس جگہ کو بوسہ دیا جہاں گھوڑے کے قدم پڑے تھے۔ اور اپنے حجرے میں واپس آ گئے۔ حاضرین نے کچھ اعتراض کیا۔ انہوں نے کہا کہ۔

دراصل اس نوجوان کے آباو اجداد اس انتظار میں تھے کہ دیکھیں فقیر کس طرح ہماری اولاد کی عزت کرتا ہے۔

ایک بار سنگھڑ میں ٹڈی دل آیا۔ اور پہاڑ کے دامن میں انڈے دے کے چلا گیا کچھ دنوں بعد انڈوں سے بچے نکلنے شروع ہو گئے۔ بچوں نے کھیتیاں کھانی شروع کر دیں۔

مزارعین بہت پریشان ہوئے۔ انہوں نے خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آ کے فریاد کی اور کہا کہ اگر یہی صورت رہی تو آئندہ سال یہاں کی ساری آبادی قحط سے مر جائے گی۔

خواجہ سلیمان نے کہا کہ

جو بھی میری طرف سے میرے مرشد خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے ایصال ثواب کے لئے خشک میوہ خیرات کرے گا، اس کا کھیت ٹڈی دل سے محفوظ رہے گا۔

مزارعین نے یہ بات گرہ سے باندھ لی اور جس جس نے بھی حضرت خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ایصال ثواب کے لئے خیرات دی، اس کا کھیت تباہ ہونے سے بچ گیا لیکن جن لوگوں نے اس بات کا مضحکہ اڑایا ان کے کھیتوں میں خاک اڑنے لگی جیسے وہاں کبھی سبزہ تھا ہی نہیں بعض لوگوں نے خیرات کی نیت کی تھی لیکن جب خطرہ ٹل گیا تو خیرات نہیں دی جب حضرت خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا کہ۔

Marfat.com

''اگر کسی نے خیرات دینے سے گریز کیا تو اس کا خمیازہ خود بھگتے گا۔''

اس سلسلے میں انہوں نے ایک واقعہ سنایا ہے۔

''ایک خراسانی تاجر تھا۔ اس کی پندرہ ہزار کی رقم اور اشرفیاں راستے میں گم ہو گئی تھیں۔''

وہ میرے پاس آیا۔ اس نے مجھ سے دعا کی درخواست کی میں نے اس سے کہا کہ میرے مرشد کے ایصال ثواب کے لئے کچھ خیرات کر دو۔ وہ پانچ سو اشرفیاں خیرات کرنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ ایک سال بعد اس کی ساری دولت مل گئی لیکن اس نے وعدہ خلافی کی۔

اور خیرات کئے بغیر اپنے وطن چلا گیا۔ راستے میں چوروں نے پھر اس کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ نیز تاجر کو قتل کر ڈالا۔ اسی طرح ایک بار ملتان کے کلالوں نے میرے پاس آکے دعا کی درخواست کی۔ ان کے دس ہزار روپے گم ہو گئے تھے۔ میں نے اپنے مرشد کے ایصال ثواب کے لئے پانچ سو روپے کی خیرات مقرر کی۔ انہوں نے وعدہ کر لیا، مگر جب ان کا کام بن گیا، تو خراسانی تاجر کی طرح وہ بھی اپنے وعدے سے پھر گئے۔ چنانچہ بہت کم مدت میں ملتان سے کلالوں کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ اور ان کا مال دوسروں کے کام آیا۔''

ایک روز حضرت خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا۔

''خدا ہمارا حال دیکھ رہا ہے''۔ ہمیں اس پر تکیہ کرنا چاہیے یا خاصان خدا سے التجا کرنی چاہیے؟

خواجہ سلیمان نے کہا۔

''کیا تم نے حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ نہیں سنا ہے جب وہ آگ میں ڈالے جا رہے تھے تو جبرائیلؑ نے آ کے ان سے کہا تھا، اگر آپ کو کوئی حاجت ہو تو حکم کیجئے حضرت ابراہیم

Marfat.com

نے جواب دیا تھا کہ مجھے تم سے کوئی حاجت نہیں ہے، میرا رب میرے کہے بغیر میرے حال سے واقف ہے۔"

ایک ہندو بنیا روزانہ حضرت خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتا تھا۔ لوگوں نے ایک دن اس سے پوچھا تو ہندو ہونے کے باوجود یہاں کیا لینے آتا ہے؟

بنیئے نے جواب دیا۔

"میں بیوپاری آدمی ہوں، جہاں کھرا سودا ملے گا، ضرور پہنچوں گا۔"

خواجہ سلیمان کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ مسکرائے اور بولے "وہ آدمی آج سے ہمارا دوست ہے۔"

یہ جملہ بنیئے تک پہنچ گیا۔ وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ حضرت خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ دوسروں کے پیر ہوں گے لیکن میرے دوست ہیں۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو وہ خواجہ سلیمان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ اس کا نام دین محمد تجویز ہوا۔ چند روز بعد وہ مر گیا۔ خواجہ سلیمان نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ مغرب کی جانب سے خوش خوش چلا آرہا ہے۔ خواجہ سلیمان نے آواز دے کے اسے پوچھا۔

بھائی دین محمد! کہاں سے آرہے ہو؟

وہ کہنے لگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر کے واپس آرہا ہوں۔

ایک دن اجمیر شریف سے ایک شخص خواجہ سلیمان کے پاس آیا اس نے ان سے کہا۔

میں سات روز تک خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں رہا ہوں۔ ساتویں روز مجھے ہدایت دی گئی کہ خواجہ سلیمان تونسوی کے پاس جا۔ تیری مرادیں پوری ہوں گی۔

خواجہ سلیمان باادب ہو کے بیٹھ گئے۔ انہوں نے گھبرا کے نووارد سے پوچھا۔

میرے لئے کیا حکم ہے؟

Marfat.com

اس شخص نے کہا۔

میری خواہش ہے کہ میرا قرض اتر جائے۔ نیز آپ مجھ سے اپنے ہاتھ پر بیعت کروا لیجئے۔ خواجہ سلیمان نے اسے مرید بنالیا اور کہا کہ۔

بے فکر رہو تمہارا قرض ادا ہونے کی صورت پیدا ہو جائے گی۔

پھر وہ شخص بہت جلد قرض کے بوجھ سے سبک دوش ہو گیا۔

ایک بار ایک سپاہی علی محمد، خواجہ سلیمان کے پاس آیا۔ خواجہ سلیمان نے اس سے پوچھا کہ گزشتہ خوں ریز لڑائی میں حصہ لینے کے باوجود تم کس طرح بچ گئے؟

سپاہی نے بتایا۔

دشمن کے بے شمار سوار، تلواریں لے کر چاروں طرف سے مجھ پر ٹوٹ پڑے تھے میں نے دل میں فوراً آپ کا تصور کر لیا تھا، اسی وقت ایسا محسوس ہوا جیسے مجھے کسی نے دشمنوں کے نرغے سے نکال کے پہاڑی کے پیچھے پھینک دیا ہو۔ اس طرح میں بچ گیا اب آپ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

ایک دن ایک نوجوان حضرت خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے آیا۔ اس دن بہت سے لوگ اور بھی ان کے مرید ہوئے تھے۔ نوجوان مرید ہو کے چلا گیا۔ رات کو سوتے وقت اس نے سوچا کہ میرے پیر کے تو بے شمار مرید ہیں، اتنے بہت سے مریدوں میں وہ بھلا میری کیا خبر رکھیں گے؟ اسی رات نوجوان نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ سلیمان اس کے بستر کے پاس کھڑے ہیں اور مسکراتے ہوئے کہہ رہے ہیں۔

حسن علی کے بیٹے! ہمیں خبر ہے کہ تیرے دانتوں میں سے ایک دانت ہلتا ہے۔ فکر نہ کر، صبح وہ دانت بھی ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ تو کیا چاہتا ہے؟

نوجوان صبح اٹھا تو اس کا ہلتا ہوا دانت جم چکا تھا۔ وہ بھاگا ہوا خانقاہ پہنچا۔ خواجہ سلیمان نے اس سے دریافت کیا۔

Marfat.com

حسن علی کے بیٹے! تیرا دانت اب تو نہیں ہلتا؟

نوجوان نے کہا۔

حضور! دانت تو ٹھیک ہو گیا، لیکن آپ نے یہ بھی تو کہا تھا کہ میں اس کے علاوہ کیا چاہتا ہوں۔

خواجہ سلیمان نے کہا۔

مجھے تو معلوم ہے کہ تو کیا چاہتا ہے۔ اچھا چل، وضو کر اور میرے ساتھ نماز پڑھ۔

نوجوان نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد اس کے سینے میں معرفت کا دریا موجزن تھا۔

جب خواجہ نور محمدؒ مہاروی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا خلیفہ نامزد کر رہے تھے تو خواجہ سلیمان نے عذر کیا تھا کہ۔ قبلہ عالم! زمانے کی حالت دگرگوں ہے۔ لوگ بہت گم راہ ہو گئے ہیں۔ یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔ مجھ میں استطاعت نہیں ہے، کہ یہ ذمے داری قبول کروں۔ اس عذر کے باوجود خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر انہیں یہ ذمہ داری قبول کرنی پڑی۔

انہوں نے یہ ذمے داری ساٹھ سال تک پوری کی ان کے آخری زمانے کا ایک دلچسپ واقعہ سنیے ایک عورت نے سوال کیا کہ آپ روزانہ بے شمار مردوں اور عورتوں کو مرید بناتے ہیں، آپ زیادہ دیر کسی کو یہاں نہیں بیٹھنے دیتے۔ دن رات نئے نئے مرید بناتے رہتے ہیں۔ ہر مرید اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ آپ قیامت کے دن اس کے کام آئیں گے، لیکن بھلا اتنے ڈھیر سارے مریدوں کو آپ پہچانیں گے کس طرح؟

حضرت خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے مسکرا کے جواب دیا۔

تم یہ بات اس طرح سمجھو کہ رات کا وقت ہے۔ چھ سات چرواہے اپنی اپنی بھیڑیں رلا ملا دیتے ہیں اور پھر جب چاہتے ہیں۔ ایک آواز پر اپنے اپنے ریوڑ جدا کر لیتے ہیں۔ کیا

Marfat.com

تم یہ سمجھتی ہو کہ میں چڑواہوں سے بھی گیا گزرا ہوں؟ کیا اپنے مریدوں کو شناخت کرنا میرے لئے دشوار ہوگا؟ ساٹھ سال کے طویل فیضان کے بعد صفر ۱۲۶۷ھ کا چاند دیکھ کے خواجہ سلیمان نے کہا۔

اب ہماری رخصتی کا وقت آ گیا۔ صفر ہمارے سفر کا مہینہ ہے۔

یہ بات کہے ہوئے صرف سات دن ہوئے تھے کہ خانقاہ میں ایک خلقت جمع ہوگئی ان کے ارادت مند بری طرح رو رہے تھے۔ خواجہ نے ان سے پردہ کر لیا تھا۔ بہاولپور کے نواب نے ستر ہزار روپے سے سنگ مرمر کا عالی شان روضہ تعمیر کروایا۔ خواجہ سلیمان کے فیضان سے تونسہ آج بھی سرفراز ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ تونسے میں ایک سیڑھی لگی ہوئی ہے جس کے ذریعے عاشق اپنے محبوب تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہ سیڑھی خواجہ کا مزار ہے۔

حضرت فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ عراقی

آپ نے سات سال کی عمر میں پورا قرآنِ حفظ کر لیا تھا۔ خوش الحانی کی وجہ سے قصبے بھر میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ وہ لحن داؤدی کا حامل ہے۔ ایک مرتبہ وہ اپنی ساحرانہ آواز میں انتہائی محویت سے قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا۔ تلاوت کے بعد اس نے سر اٹھا کے دیکھا تو اس کے ارد گرد مجمع عام لگا ہوا تھا۔ ہر شخص تحسین و ستائش اور عقیدت سے اس کا چہرہ تک رہا تھا۔ دوسرے دن سے اس نے قصبے میں تلاوت کرنی چھوڑ دی۔ وہ فجر کی نماز کے بعد ویرانے میں نکل جاتا اور گرد و پیش سے بے نیاز ہو کے وجد و مستی میں دیر تک تلاوت کرتا رہتا۔ تلاوت کے دوران میں اکثر اسے محسوس ہوتا کہ اس کے اطراف بہت سے سفید پوش بزرگ موجود ہیں۔ اور بے حد توجہ سے قرآنی آیات سن رہے ہیں۔ کبھی بادل کا کوئی ٹکڑا اسے اپنے سر پر سایہ کئے ہوئے محسوس ہوتا، کبھی رنگ برنگے پرندے اس کے قریب زمین پر اتر آتے۔

ایک دن اس کے والد اسے تلاش کرتے ہوئے ویرانے میں پہنچے۔ وہ یہ دیکھ کے

Marfat.com

حیرت زدہ گئے کہ ان کے نوعمر بیٹے کے ارد گرد بے شمار پرندے جمع ہیں۔ وہ پرندوں کے درمیان سے گزرے، لیکن پرندے توقع کے خلاف نہ خوف زدہ ہوئے نہ اڑے۔ بیٹے کے انہماک کا یہ عالم تھا کہ اسے والد کے آنے کی خبر تک نہ ہوئی۔ بیٹے کی تلاوت سن کے باپ پر بھی کیف مستی اور بے خبری طاری ہونے لگی۔ پھر اچانک انہیں پرندے اڑنے کی سرسراہٹ سنائی دی۔ انہوں نے آنکھیں کھول کے دیکھا۔ ان کا بیٹا تلاوت ختم کر کے ایک غار کی طرف جا رہا تھا۔

انہوں نے تیزی سے آگے بڑھ کے اسے روکا۔

فخر الدین رک جاؤ۔ تمہاری عمر ابھی آئینہ خانہ میں جانے کی نہیں ہے۔

جی بابا! میں سمجھا نہیں؟ فخر الدین حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

یہ دنیا خدا کا آئینہ خانہ ہے بیٹے! باپ نے شفقت سے بیٹے کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

شریعت کا دامن ہاتھ میں نہ ہو تو آدمی اس آئینہ خانے گم راہ ہو سکتا ہے۔ تم ابھی بے حد کم عمر ہو تمہیں پہلے شریعت کا علم حاصل کرنا چاہیے۔

فخر الدین اپنے والد کے کہنے پر ہمدان کے مدرسے میں داخل ہو گئے۔ ان کے ذوق وشوق اور تجسس کا یہ عالم تھا کہ وہ صرف سترہ سال کی عمر میں معقولات و منقولات کی تعلیم سے فارغ التحصیل ہو گئے۔ ان کا جذبہ شوق شریعت کی زنجیروں میں بندھ گیا اور وہ ہمدان ہی کے مدرسے میں درس و تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ یہ ساتویں صدی ہجری کی ابتدا کا ذکر ہے ہمدان کا مدرسہ پوری اسلامی دنیا میں حدیث اور فقہ کی تعلیم کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ طلبہ کے گروہ بغداد، مصر اور شام کی طویل مسافتیں طے کر کے ہمدان آتے۔ اور سب کی یہی خواہش ہوتی کہ شیخ شریعت فخر الدین ابراہیم سے علوم کی تحصیل کریں۔

شیخ فخر الدین نے اتباع رسولؐ کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔ ان کے نزدیک شریعت سے انحراف کرنا خدا اور رسولؐ سے انحراف کرنے کے برابر تھا۔ ایک دن وہ طلبہ کو

Marfat.com

درس دے رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔

جو لوگ جذب، قلندری اور طریقت کے راستے میں شریعت کی حدود سے باہر نکل جاتے ہیں، ان کے لئے کہیں امان نہیں ہے۔

ابھی وہ یہ کہہ رہے تھے کہ قلندوروں کا ایک گروہ ناچتا گات کپڑے پھاڑتا مدرسے میں داخل ہوا۔ آگے آگے ایک خوب رونو جوان تھا۔ وہ لہک لہک کے کہہ رہا تھا۔

بھئی آگ لگی ہے، آگ لگی ہے۔

''عشق ہوا ہے عشق ہوا ہے''۔

باقی قلندر بھی اس کی تقلید میں جھوم رہے تھے اور گا رہے تھے۔

بھئی آگ لگی ہے، آگ لگی ہے۔

بھئی ہم تو خرابات چلے، خرابات چلے۔

بھئی ہم نے تو زہدو کرامت کا ورق چاک کیا، چاک کیا''

یہ کوئے مغاں ہے، کوئے مغاں ہے۔

بھئی اب تو رندوں سے جام چھنے گا، جام چھنے گا۔

بھئی اب تو اپنا جام چلے گا، جام چلے گا۔

شیخ فخر الدین ابراہیم کسی اندرونی جذبے سے بے قرار ہو گئے۔ انہوں نے اسی وقت وجد کے عالم میں اپنا جبہ اور عمامہ چاک چاک کر ڈالا اور قلندروں کے ساتھ خد بھی رقص کرنے لگے۔ وہ رقص کرتے جاتے اور خوب رونو جوان سے کہتے جاتے۔

کہتا اچھا ہو کہ تو میرا دل دار بن جائے، کتنا اچھا ہو کہ تو میرا ساتھی، ہمدرد اور دوست بن جائے۔

یہ کہتے کہتے وہ قلندروں کے ساتھ درس گاہ سے باہر نکل گئے۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر ان کے طلبہ پہ سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ ان کے ساتھی انہیں حیرت سے دیکھ رہے تھے خود

Marfat.com

شیخ فخر الدین کو صرف یہ احساس تھا کہ وجد و معرفت کا ایک بگولا انہیں گردش پہ گردش دیتا ہوا کیف و مستی کے ایک وسیع صحرا میں اڑائے لے جا رہا ہے۔

شیخ فخر الدین عراقی ۶۰۰ھ میں ہمدان کے قریب ایک قصبے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام شہر یار تھا۔ شہر یار، بہاء الدین زکریا کی بہن کے بیٹے تھے۔ شیخ فخر الدین قلندروں کی معیت میں نکلے تو ان کا سفر طویل سے طویل ہوتا گیا۔ وہ ان کے ساتھ عرب اور عجم کی سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان پہنچے اور ملتان آ کے انہوں نے شیخ بہاؤ الدین زکریا کی خانقاہ میں قیام کیا۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا کی قربت نے انہیں اور ان کے ساتھی قلندروں کو پروانوں کی مثال بے تاب کر دیا۔ اور وہ سب اس شمع عرفاں کے اطراف دیوانہ وار رقص کرنے لگے۔ قلندر جذب و مستی میں اللہ ہو، اللہ ہو، کے نعرے لگاتے تھے، اور ان کے نعروں کی دھمک فرش سے عرش تک پہنچتی تھی۔ خصوصاً فخر الدین عراقی کو ایسے موقعوں پر اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا تھا۔ وہ کبھی اپنے کپڑے پھاڑتے، کبھی زمین پر لوٹنے لگتے۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا، فخر الدین عراقی کو اپنائیت سے دیکھتے اور مسکراتے رہتے۔ ایک بار فخر الدین عراقی کا جنون انتہا کو پہنچنے لگا۔ شیخ بہاؤ الدین نے اپنے خاص مقرب عماد الدین سے کہا۔

میں اس نوجوان میں معرفت اور طریقت کی پوری پوری استعداد دیکھ رہا ہوں، اسے یہیں رہنا چاہیے۔

فخر الدین عراقی کا جنون دفعتہً تھما اور چند لمحوں کے لئے ان پر سکتہ طاری ہو گیا۔ پھر انہوں نے قلندروں سے بلند آواز میں کہا۔

بند کرو یہ رقص جہنم میں ڈالو یہ مستی۔

- خانقاہ پر ایک سناٹا مسلط ہو گیا۔ قلندروں کے تھرکتے ہوئے قدم منجمد ہو گئے۔ اللہ ہو، اللہ ہو کی صدائیں ان کے گلوں میں رندھ کے رہ گئیں۔ وہ فخر الدین عراقی کو حیرانی سے

Marfat.com

دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کے کہا۔

مولوی، ہم تجھے مدرسے سے نکال کر لائے ہیں، تجھ پر ہمارا حق ہے۔

فخر الدین کی آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے۔ انہوں نے جواب دیا۔

اندھو! کیا تم لوگ اپنی بصارت بھی کھو بیٹھے ہو! کیا تمہیں نظر نہیں آرہا ہے کہ شیخ بہاؤ الدین مجھے اس طرح کھینچ رہا ہے، جس طرح مقناطیس لوہا کھینچتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے یہ مجھے قید کیے بغیر نہیں مانے گا۔ بولو! کیا تم لوگ میرے ساتھ دوڑ سکتے ہو؟

قلندروں نے بہ یک زبان کہا۔

ہاں ہم تیرے ساتھ دوڑ سکتے ہیں۔

فخر الدین نے پوچھا۔

کیا تم میں اتنی طاقت ہے کہ مقناطیس کی کشش توڑ سکو؟

سب نے پھر بہ یک زبان جواب دیا۔

ہم تو دوڑیں گے، بھئی دوڑیں گے۔

تو دوڑو۔ فخر الدین نے خانقاہ سے بھاگتے ہوئے کہا۔

تمام قلندر تیز رفتاری سے ان کے پیچھے پیچھے خانقاہ سے باہر نکل گئے۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا خاموشی سے مسکراتے ہوئے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ فخر الدین اور ان کے ساتھی خانقاہ سے باہر نکل گئے۔ تو انہوں نے عماد الدین سے کہا۔

بچے ہیں۔ ابھی ان کے کھیلنے کودنے کے دن ہیں لیکن فخر الدین اب بڑا ہو رہا ہے، اسے واپس آ کے اپنے کام میں لگ جانا چاہیے۔

جس وقت شیخ بہاؤ الدین نے یہ الفاظ ادا کیے، اس وقت فخر الدین اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک بڑی سڑک پر بھاگے چلے جا رہے تھے۔ دفعتہً مخالف سمت سے تیز آندھی چلی۔ روز روشن رات کی طرح سیاہ ہو گیا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا ہوا کے تیز

Marfat.com

جھونکے بگولوں کی طرح قلندروں کو اڑائے لے جا رہے تھے کوئی قلندر مشرق کی طرف گیا، کوئی مغرب کی طرف۔ سب ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ اس تاریک آندھی میں فخر الدین کی زبان ایک ہی جملہ تھا۔

شیخ تیرا غلام آرہا ہے، شیخ تیرا غلام آرہا ہے۔

تھوڑی دیر بعد آندھی کا زور ختم ہو گیا، فخر الدین عراقی نے خود کو شیخ بہاؤ الدین زکریا کی خانقاہ کے صحن میں کھڑے ہوئے پایا۔ شیخ بہاؤ الدین نے جیسے ہی سر اٹھا کے ان کی طرف نظر کی، شیخ نے پوچھا۔

عراقی! کیا تم ہم سے بھاگ گئے تھے؟

فخر الدین نے جواب دیا۔

میرا دل ایک لمحے کے لئے بھی آپ سے نہیں بھاگتا۔ جسم اپنی جان سے کیسے گریز کر سکتا ہے؟ آپ کے لطف و کرم نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا ہے اور مجھے ماں سے سوگنا زیادہ دودھ عطا کیا ہے۔

شیخ بہاؤ الدین چبوترے سے اترے، اور فخر الدین کو ساتھ لے کے خلوت میں آگئے۔

یہاں انہوں نے فخر الدین کو بٹھاتے ہوئے کہا۔ عراقی! تم نے جنگلوں اور بیابانوں کی بہت سیر کر لی، اور بہت شور مچا لیا۔ اب یہیں بیٹھ کر اللہ اللہ کرو۔

یہ کہہ کے انہوں نے دروازہ باہر سے بند کر دیا اور اپنی خانقاہ میں واپس چلے گئے۔ فخر الدین عراقی اس حجرے میں مسلسل دس دن تک چلتے میں بیٹھے رہے۔ ان دس دنوں میں انہوں نے ٹوٹ کر ریاضت کی۔ ان کا ایک لمحہ بھی عبادت سے خالی نہیں گزرا۔ ذکر الٰہی میں ان کے بے تابانہ نعرے زمین سے بلند ہوتے اور عرش و کرسی تک پہنچتے عبادت گزار ملائکہ نے رشک و حیرت سے ان کی محویت دیکھی حجرے سے ہمہ وقت اللہ اللہ کی آوازیں بلند

Marfat.com

ہوتیں۔مناجات کے عالم میں جب وہ روتے اور گڑگڑاتے ،تو خانقاہ کے درو بام ہل جاتے ۔غرض یہ کہ دس روز تک ان کا یہی عالم رہا۔گیارہویں روز ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔وہ والہانہ انداز میں ایک شعر پڑھتے اور روتے رہتے۔

شیخ بہاؤالدین کے مریدوں نے چلے کے عالم میں انہیں نغمہ سرائی کرتے سنا تو مرشد کی خدمت میں پہنچ کے عرض کیا۔

شیخ! چلے کے دوران میں تو آپ نے ان باتوں کی ممانعت فرمائی ہے؟

شیخ بہاؤالدین نے آہستہ سے جواب دیا۔

ہاں،تمہارے لئے یہ باتیں ضرور ممنوع ہیں لیکن اس کے لئے ممنوع نہیں ہیں۔

کچھ دنوں بعد کا ذکر ہے۔عمادالدین خانقاہ سے نکلے۔ایک مے کدے کے قریب سے ان کا گزر ہوا۔انہوں نے وہاں کچھ رندوں کو دیکھا۔وہ چنگ و رباب ہاتھ میں لئے جھوم جھوم کر وہی شعر پڑھ رہے تھے جو عمادالدین نے عراقی کی زبان سے چلے کے عالم میں سنا تھا۔عمادالدین نے واپس آ کے شیخ بہاؤالدین سے اس کا ذکر کیا شیخ نے متبسم ہو کے آہستہ سے کہا۔

اس کا کام ختم ہو گیا۔

پھر شیخ بہاؤالدین اس حجرے میں پہنچے جہاں فخرالدین عراقی چلے میں بیٹھے تھے۔شیخ بہاؤالدین نے ان سے کہا۔

عراقی! مے کدے میں مناجات پڑھ رہے ہو؟ باہر آ جاؤ۔عراقی باہر آ گئے۔

انہوں نے مرشد کے قدموں پر سر رکھ دیا اور دیر تک پھوٹ پھوٹ کے روتے رہے۔مرشد نے اپنے دست مبارک سے ان کا سر اوپر اٹھا کے انہیں سینے سے لگا لیا۔عراقی نے وارفتگی کے عالم میں ایک غزل کہی۔اس غزل کے مطلع کا مفہوم یہ ہے۔

''جسے مے کدے کی گلیوں میں نیاز مندی حاصل ہے،اس کی مستی اور ہوشیاری،

Marfat.com

دونوں نماز میں شامل ہیں۔“

شیخ بہاؤ الدین زکریا نے اسی وقت اپنا خرقہ اتار کے انہیں پہنا دیا اور اسی مجلس میں اپنی صاحب زادی سے ان کا نکاح پڑھا دیا۔ پھر عراقی پچیس سال تک اپنے مرشد اور خسر کی خدمت میں رہے۔ اسی مدت میں ان کے ہاں ایک لڑکے کی ولادت ہوئی۔ لڑکے کا نام شیخ کبیر الدین رکھا گیا۔

شیخ بہاؤالدین زکریا نے وصال کے وقت فخر الدین عراقی ہی کو اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا، مگر عراقی نے ان کی دیرینہ روایات کی پابندی نہیں کی۔ وہ عشق کی سرمستی میں اپنے جذبات واحساسات کا اظہار شاعری کے ذریعے کرنے لگے۔ شیخ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے مرید یہ بات اپنے مرشد کے طریقے اور مسلک کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس لئے وہ عراقی سے بدظن ہو گئے۔ عراقی نے جلد ہی یہ امر محسوس کر لیا لہذا وہ خلافت کے منصب سے علیحدہ ہو کے عدن کی طرف روانہ ہو گئے۔

عدن کا سلطان، شیخ فخر الدین عراقی کا شہرہ سن چکا تھا اور ان کی شاعری کا بہت مداح تھا چنانچہ جب وہ عدن پہنچے تو سلطان علما کی ایک بڑی جماعت لے کے شہر کے باہر ان کے استقبال کے لئے موجود تھا۔ اس نے انہیں عزت واحترام سے اپنے ساتھ لے جا کے شاہی خانقاہ میں ٹھہرایا اور ہر طرح ان کی خاطر تواضع کی۔

حج کا زمانہ آیا تو شیخ فخر الدین نے کعبے کی زیارت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ سلطان ان کا اتنا گرویدہ ہو چکا تھا کہ اسے یک لمحے کے لئے بھی ان کی مفارقت گوارا نہیں تھی چنانچہ پہلے تو وہ انہیں مختلف جواز پیش کر کے ٹالتا رہا پھر اس نے یہ محسوس کیا کہ اگر اس نے انہیں بہ رضا و رغبت کعبے نہ جانے دیا تو خدشہ ہے کہ وہ اطلاع دیئے بغیر خاموشی سے روانہ جائیں گے اس خدشے کی بنا پر سلطان نے خانقاہ کے اطراف پہرا بٹھا دیا۔ پہرے داروں کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ جیسے ہی شیخ کو کہیں جاتے ہوئے دیکھیں فوراً محل میں سلطان کو مطلع کریں

Marfat.com

سلطان کو یقین تھا کہ اگر شیخ فخر الدین واقعی جا رہے ہوں گے اور وہ ان سے رکنے کے لئے اصرار کرے گا تو وہ محبت کی وجہ سے رک جائیں گے۔

شیخ فخر الدین کو سلطان کی محبت اور اس کی والہانہ عقیدت کا علم تھا۔ اس لئے وہ چلتے وقت اس کا سامنا کرنا نہیں چاہتے تھے اور کعبے کی زیارت کا خیال بھی ترک نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ ایک دن وہ شوق سے بے تاب ہو کے شاہی خانقاہ سے باہر نکل آئے لیکن اس طرح نکلے کہ وہ پہرے داروں کے سامنے سے گزر رہے تھے، پھر بھی انہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ اسی طرح وہ بہت دور تک پہنچ گئے۔ شیخ فخر الدین کا معمول تھا کہ وہ دن بھر روزے سے رہتے تھے۔ چنانچہ افطار کے وقت خدام نے نعمتوں کا توشہ لے کے ان کی خدمت میں پہنچنا چاہا، ان کا حجرہ کھلا ہوا تھا۔ شیخ افطار کے وقت عموماً خدا کی حمد وثناء میں مشغول ہوتے تھے۔ آج سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ وہ حجرے میں نہ ملے ہوں۔ شاہی خدام نے خانقاہ میں چاروں طرف انہیں تلاش کیا لیکن ان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ پہرے داروں کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ سلطانی عتاب کے خوف سے سراسیمہ ہو گئے۔ سلطان مغرب کی نماز کے لئے پابندی سے خانقاہ آتا تھا۔ معمول کے مطابق وہ نماز کے لئے وہاں پہنچا تو پہرے داروں کو خوف زدہ اور حواس باختہ دیکھ کے اسے یقین ہو گیا کہ جسے روکنے کے لئے اس نے یہ جتن کئے تھے، اسے خدا کے سوا دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی تھی اس نے خدام اور پہرے داروں سے واقعات پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی اور اسی وقت حکم جاری کیا کہ حج کے سفر کی تیاریاں کی جائیں۔

دوسرے دن عدن کے سلطان کا قافلہ شان وشوکت سے حجاز کی جانب روانہ ہو گیا۔ ابھی اس قافلے نے صرف دو تین منزلیں طے کی تھیں کہ وہ صحرا میں راستہ کھو بیٹھا۔ قافلے میں ایسے ایسے رہبر شامل تھے، جنہوں نے آج تک سمتوں کی غلطی نہیں کی تھی۔ وہ بار بار پلٹ کے مقررہ منزل تک آتے پھر وہاں سے جانی پہچانی سمت کی طرف روانہ ہوتے۔ لیکن

Marfat.com

جب بھی آگے بڑھتے، انہیں یہ محسوس ہوتا کہ وہ کسی ایسے راستے جارہے ہیں جو اس سے پہلے انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ تین بار یہ اتفاق ہوا کہ قافلہ حجاز کی طرف بڑھا تو اپنی اگلی منزل کھو بیٹھا، لیکن جب وہ پیچھے آنے کا قصد کرتا، تو اسے ایک جانے پہچانے مقام تک پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہوتی۔

سلطان کو یقین ہو گیا کہ شیخ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ جس طرح پہرے داروں کی بصارت زائل کر کے خانقاہ سے خاموشی کے ساتھ نکل گئے تھے، اسی طرح انہوں نے رہبروں سے صحیح سمت کی تمیز چھین لی ہے اور ان کی یادداشتیں سلب کر لی ہیں۔ چنانچہ اس نے قافلہ کو عدن واپس چلنے کا حکم دیا۔ قافلہ کہیں بھٹکے بغیر صرف دو دن میں صحیح سلامت عدن لوٹ آیا۔ عدن پہنچ کے سلطان نے سب سے پہلے شاہی خانقاہ میں نماز ادا کی۔ اور خدا کے سامنے دیر تک رو رو کے معافی مانگتا رہا پھر اس نے شیخ کی خدمت میں بے انتہا مال و دولت کا نذرانہ بھیجا اور یہ ہدایت کر دی کہ اگر وہ خود یہ نذر قبول نہ کریں تو اسے ان کے خادموں اور مریدوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

شیخ فخر الدین عرقی مست و سرشار مکہ معظمہ پہنچے احرام باندھتے وقت بے خودی کے عالم میں انہوں نے ایک حمد کہی، حمد کے مطلع کا مطلب یہ ہے۔

''تیرے جلال نے عزت کا جاوداں فرش بچھا رکھا ہے۔ اور وحدت کے میدان میں کامیابی سے گیند ڈال رکھی ہے۔''

جب خانہ کعبہ پر ان کی نظر پڑی تو وہ انوار و تجلیات سے مسحور ہو گئے۔ انہوں نے ایک اور حمد کہی۔

''بلند و برتر ہے وہ جو کمال میں بے نظیر ہے اور تقدیس اس کی ہے جو جلال میں بے مثال ہے اس بہشت جیسے چبوترے کے کیا کہنے۔ آسمان اس کے تعلین کی صف میں ہے۔

مدینہ منورہ پہنچ کے ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور انہوں نے ایک رات میں

Marfat.com

پانچ قصیدے کہے۔ مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہو چکے تو وہ اقصائے روم کی سیاحت کے لئے نکلے۔ قونیہ پہنچ کے انہوں نے وہاں شیخ محی الدین ابن عربی کے سجادہ نشین شیخ صدر الدین کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے متاثر ہو کر ایک عرصے تک قونیہ میں قیام پذیر رہے۔ شیخ صدر الدین کی صحبت میں انہوں نے ابن عربی کی مشہور کتاب ''فصوص الحکم'' کا مطالعہ کیا۔ اس کے بعد خود ایک کتاب ''لمعات'' تصنیف کی شیخ صدر الدین نے ان کی کتاب پڑھی تو کہا۔ فخر الدین! تو نے تو مردان حق کی باتوں کا بھید ظاہر کر دیا۔''

ان کی یہ کتاب ارباب تصوف میں برابر مقبول رہی۔ ملا عبدالرحمان جامی اور مولانا صائن الدین اصفہانی نے ''لمعات'' کی شرحیں لکھیں'' سیر العارفین'' کے مولف نے'' لمعات'' کے متن پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے۔

''ارباب بصیرت سے مخفی نہیں ہے کہ ''لمعات'' سحاب فیض کا ایک قطرہ ہے جو شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے دریائے معرفت سے فخر الدین کی زبان پر ٹپکا''

یہ کتاب ''فصوص الحکم'' کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ ''فصوص الحکم'' کی طرح ان میں بھی اٹھائیس فصلیں ہیں۔ '' مے خانے'' کے مولف نے لکھا ہے کہ ''لمعات'' موتیوں سے لبریز ہے'' قونیہ کا میر معین الدین، شیخ فخر الدین کا بے حد معتقد ہو گیا تھا۔ اس کا اصرار تھا کہ شیخ اپنے لئے وہیں کوئی جگہ پسند کر کے خانقاہ بنوالیں۔ پہلے تو شیخ نے انکار کیا لیکن معین الدین کا اصرار بڑھتا گیا تو انہوں نے توقعات میں ایک خانقاہ بنالی۔ اور وہاں سے ان کے فیض کا چشمہ جاری ہو گیا۔ ایک بار امیر معین الدین کچھ نقد رقم لے کے ان کی خدمت میں پہنچا شیخ فخر الدین نے رقم لینے سے انکار کر دیا۔ امیر معین الدین نے شکستہ خاطر ہو کر کہا۔

''حضرت! آپ مجھ سے نہ کوئی خدمت لیتے ہیں، نہ میری طرف التفات فرماتے ہیں، آخر یہ بے توجہی کیوں؟''

شیخ نے متبسم ہو کے جواب دیا۔

Marfat.com

''معین! ہمیں دنیوی دولت پر کسی طرح فریفتہ نہیں کیا جا سکتا''

یہ کہہ کے انہوں نے قریب پڑے ہوئے اینٹوں کے ایک ڈھیر پہ ایک کنکری اچھال دی کنکری جیسے ہی اینٹوں پر جا کے گری سب کی سب اینٹیں سونے کی ہو گئیں معین الدین کی آنکھوں سے شدید حیرت ہویدا تھی، شیخ نے کہا۔

''اگر چہ تو دولت مند ہے، پھر بھی یہاں سے یہ اینٹیں اور پتھر اٹھا کے لے جا، اور پہلے سے زیادہ دولت مند بن جا لیکن میرے لئے یہی دعا کرنا کہ خدا مجھے فقیر سے فقیر تر بنائے اور اپنے سوالی کو اپنے ہی در پر پڑا رہنے دے اور اگر اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو درگزر کرے۔

بس اوقات شیخ فخر الدین کے اطوار و اعمال ارباب ظاہر کو نا گوار گزرتے تھے، ایک روز امیر معین الدین ان کی قیام گاہ پر پہنچا۔ شیخ تشریف نہیں رکھتے تھے۔ معین الدین ان کی تلاش میں باہر نکلا تو دیکھا کہ کچھ لڑکے ان کے گلے میں رسی ڈالے ہوئے ہیں۔ اور انہیں یہاں سے وہاں دوڑا رہے ہیں چاروں طرف مجمع لگا ہوا تھا۔ شریعت کی پابندی کرنے والے کچھ لوگوں نے چیخ کے کہا۔

عراقی! یہ تماشے تمہیں زیب نہیں دیتے۔

شیخ نے مسکرا کے جواب دیا۔

''تم لوگ جب تک اپنے جبے اور عمامے اتار کر ننگے پیر ہمارے چاروں طرف رقص نہیں کرو گے، اس وقت تک یہ تماشے تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گے۔''

شیخ کا اتنا کہنا تھا کہ یکا یک پورا مجمع جبوں اور عماموں سے بے نیاز ہو گیا اور خود فراموشی کے عالم میں شیخ کے اطراف رقص کرنے لگا بچوں کو یہ تماشا اور زیادہ پسند آیا وہ بھی دل و جان سے رقص میں شریک ہو گئے۔ سب کو مصروف کر کے شیخ نے اپنی گردن سے رسی نکال دی اور بولے۔

Marfat.com

''اے رسی اب تو بیکار ہو گئی ہے کیونکہ میرے محبوب کو کسی ایک جگہ قرار نہیں ہے۔ اس صورت میں تو مجھے کس طرح کسی ایک جگہ روک سکتی ہے؟

یہ کہہ کے انہوں نے صحرا کا قصد کیا۔ ابھی وہ روانہ ہونے والے تھے کہ امیر معین الدین نے آگے بڑھ کے ان کے قدموں پہ سر رکھ دیا۔

''شیخ! آپ نے اپنی گردن کی رسی تو اتار پھینکی، لیکن جب تک آپ میرے جسم و جان کا رشتہ قطع نہیں کریں گے، اس وقت تک آپ میری رسی کس طرح پھینکیں گے؟

تو نے ٹھیک کہا ہے معین الدین! تو نے ٹھیک کہا ہے، محبت کرنے والے ایسے ہی ہوتے ہیں، جب تک جسم و جاں کا رشتہ باقی ہے، ہم محبت کرتے رہیں گے اور جب یہ رشتہ ٹوٹ جائے گا تو ہم خود محبت بن جائیں گے۔

انہوں نے رقص کرتے ہوئے پابند شریعت لوگوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔

یہ باتیں ان بزرگوں کی سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ انہوں ناچنے دو۔ ہم اور تم خانقاہ چلتے ہیں۔

شیخ فخر الدین، امیر کے ساتھ خانقاہ واپس آ گئے اور وہاں اس طرح عبادت میں مشغول ہوئے کہ شام تک حجرے سے باہر نہیں نکلے۔ شام کو وہ حجرے سے باہر آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ صبح والے لڑکے مغموم چہرے لئے سر جھکائے کھڑے ہیں شیخ نے آگے بڑھ کے ان میں سے ایک کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور دریافت کیا۔

''نہیں۔'' لڑکے نے جواب دیا۔

''جو لوگ ہمارے ساتھ ناچ رہے تھے، وہ اب میدان میں چیخیں مار مار کر رو رہے ہیں وہ بار بار تھک کر گر پڑتے ہیں اور پھر اٹھ کے ناچنے لگتے ہیں۔ پھر تھک کے گر پڑتے ہیں اور پھر اٹھ کے ناچنے لگتے ہیں کیا تم یہ تماشا اب روک نہیں سکتے؟''

''تو نے سچ کہا میرے بچے!'' شیخ مسکرائے۔ ''یہ تماشے ان باریش بزرگوں کو زیب

Marfat.com

نہیں دیتے، انہیں اب گھر جانا چاہیے۔

امیر معین الدین جلدی سے آگے بڑھا، اس نے بچوں کو سمجھایا کہ اب تم لوگ بھی اپنے گھر جاؤ، ان کے حق میں جو حکم جاری ہونا تھا۔ وہ ہو چکا ہے۔ تم لوگ جب تک میدان میں پہنچو گے وہ حضرات وہاں سے جا چکے ہوں گے۔

بچوں نے میدان میں جا کے دیکھا تو واقعی وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ بارلیش حضرات اپنے گھر جانے کے بجائے سیدھے خانقاہ آئے۔ وہ شیخ فخر الدین کے قدموں پر گر پڑے۔ اور ان سے بیعت کے طالب ہوئے۔ شیخ نے باری باری سب کو سینے سے لگا لیا۔ اور ان سے بیعت لی۔

شیخ فخر الدین کو اپنے حقیقی محبوب کی دوری ہرگز منظور نہیں تھی جسم و جان کا رشتہ درمیان میں حائل تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ رشتہ جلد سے جلد ٹوٹ جائے اس آرزو کے اثر سے ان کی طبیعت جب زیادہ گھبراتی تو وہ ویرانوں میں نکل جاتے یا پہاڑوں پر چڑھ جاتے اور روتے ہوئے چیخ چیخ کر ہجر کے اشعار پڑھتے رہتے۔ ایک بار دو دن تک خانقاہ واپس نہیں آئے۔ امیر معین الدین کو تشویش لاحق ہوئی اس نے شیخ کی تلاش میں ہر طرف آدمی دوڑا دیے۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا معین الدین نے تلاش ترک نہیں کی تیسرے روز خبر ملی کہ شیخ فخر الدین ایک پہاڑ کے دامن میں مقیم ہیں امیر معین الدین خود وہاں پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ شیخ ایک مستانی کیفیت میں ننگے سر، ننگے پیر برف کے تودوں پر رقص کر رہے ہیں ان کے جسم سے پسینہ جاری تھا۔ تلوے خون سے گل کاریاں کر رہے تھے۔ شیخ فخر الدین اس عالم میں ایک شعر پڑھتے جاتے اور رقص کے دوران میں میں اپنا سر برف کی چٹانوں سے ٹکراتے جاتے۔

آخر ان کی بے قراری کو قرار آیا اور وہ پر سکون ہو گئے پھر جیسے ہی ان کی نظر امیر معین الدین پر پڑی، انہوں نے کہا۔

Marfat.com

''معین الدین! تو اب سچ مچ میرے پیروں کی زنجیر بنتا جا رہا ہے۔ اگر مجھے تیری دل دہی منظور نہ ہوتی تو یقین کر، میں ساری عمران برفیلے پہاڑوں سے سر ٹکراتا رہتا لیکن ایک بات سن لے، آئندہ میرا پیچھا نہ کرنا۔

معین الدین نے کہا۔

شیخ! مجھے اپنے قدموں پر پڑا رہنے دیجئے، یا اپنے ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ دیجئے۔ میں اپنی ظاہری آنکھوں سے آپ کے ہجر کی اذیت نہیں دیکھ سکوں گا۔

فخر الدین عراقی یہ جواب سن کے خاموش ہو گئے اور امیر معین الدین کے ساتھ خانقاہ لوٹ آئے۔ اپنے حجرے میں داخل ہوتے ہوئے وہ زیر لب کہہ رہے تھے۔

پروردگار! میرے لئے خود میری زنجیر کیا کم تھی کہ تو نے معین الدین کی شکل میں ایک دوسری زنجیر میرے پیروں میں ڈال دی۔۔۔؟ میں کہے دیتا ہوں، ایک دن سب کچھ توڑ تاڑ کے تیرے پاس آجاؤں گا تیری مشیت کو میں اپنی مجبوری کیوں بتاؤں؟

کچھ عرصے بعد امیر معین الدین کے برے دن آگئے ارباب سلطنت اس سے اتنے برگشتہ ہوئے کہ حکومت کی طرف سے اس کی املاک ضبط کر لی گئیں اور اسے اپنی زندگی کے تحفظ کے لئے خاموشی سے شہر چھوڑنا پڑا۔ شہر چھوڑنے سے پہلے وہ ایک رات شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے نورو جواہر کا ایک ذخیرہ انہیں پیش کر کے گزارش کی کہ آپ یہ دولت جس طرح چاہیں، خرچ کریں، لیکن میرا لڑکا مصر میں قید ہے، اگر ممکن ہو تو اس کی رہائی کے لئے کوشش کیجئے گا اور اسے رہا کرا کے اپنے ہی پاس رکھئے گا۔ ایک لمحے کے لئے بھی اسے خود سے جدا نہ کیجئے گا۔ مناسب ہو تو اسے اپنا خرقہ بھی عطا کیجئے گا۔ نیز خیال رہے، وہ آپ کا مقدس خرقہ ضائع نہ کرنے پائے۔

معین الدین رونے لگا۔ شیخ پر بھی گریہ طاری ہو گیا۔ معین الدین کے پاس وقت کم تھا۔ اس نے قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور رخصت کی اجازت چاہی شیخ نے کہا۔

Marfat.com

معین! مجھے زنجیر توڑنا تھی، وہ میں نے توڑ دی لیکن تو دل چھوٹا نہ کر، جا، اب تو اللہ کی زنجیر بن جائے گا۔

معین الدین خاموشی سے رخصت ہو گیا۔ پھر اس کے بارے میں کسی کو کچھ پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں گیا؟ زندہ ہے یا مر گیا۔؟ اس کے بعد علاقے کی نگرانی خواجہ شمس الدین کے سپرد کی گئی۔ شمس الدین کے ساتھ ایک عالم مولانا امین الدین بھی تونیہ پہنچے۔ انہوں نے شیخ فخر الدین کی شہرت سنی تو توقات جا کے ان سے ملاقات کی۔ دونوں ایک دوسرے سے نہایت گرم جوشی کے ساتھ ملے اور سیر و سلوک پر گفتگو شروع ہو گئی۔ اس گفتگو میں دونوں ایسے محو ہو گئے کہ رات کا خاصا حصہ گزر گیا۔ پھر بھی دونوں کی تشنگی ختم نہ ہوئی یہاں تک کہ انھی باتوں میں تین دن گزر گئے۔ آخر چوتھے روز مولانا امین الدین رخصت ہوئے۔ اور تونیہ پہنچ کے شمس الدین سے ملے۔ خواجہ نے ان سے تین روزہ مفارقت کی شکایت کی۔ مولانا امین الدین نے اسے بتایا کہ تین دن سے میں شیخ فخر الدین عراقی کی صحبت میں تھا۔ میں نے ان سے ایسی بصیرت افروز باتیں سنی ہیں جو عمر بھر کسی سے نہیں سنی تھیں۔ اگر مجھے ان کی صحبت میں تین سال یا تمام زندگی رہنے کا موقع بھی مل جاتا تو میری سیری نہ ہوتی۔ اور میں ان کی جدائی کبھی گوارا نہ کرتا۔

خواجہ شمس الدین کو بھی فخر الدین عراقی سے ملنے کا شوق ہوا۔ اس نے انہیں تشریف آوری کی درخواست بھیجی۔ درخواست کے ساتھ خلعت فاخرہ اور ایک اونٹ بھی روانہ کیا گیا۔ شیخ فخر الدین کو یہ چیزیں موصول ہوئیں تو انہوں نے اس سے ملنا منظور کر لیا۔ اور توقات سے روانہ ہو گئے جب وہ اس کے محل کے نزدیک پہنچے تو وہ مولانا امین الدین اور درباری امراء کے ساتھ ان کے استقبال کے لئے باہر کھڑا ہوا تھا۔ شیخ عراقی نے مولانا امین الدین کو دیکھ کے کہا۔

مجھے یہاں بلوانا دراصل تمہارا فتنہ ہے۔

Marfat.com

خواجہ شمس الدین شیخ کے قدموں پر گر پڑا۔ اور کہنے لگا۔

آپ نے سچ فرمایا شیخ! اس نے چند لمحوں تک توقف کیا پھر بولا۔

شیخ میری ساری عمر فتنہ و فساد میں گزری ہے، مجھ پہ رحم کیجئے۔ میری عاقبت سنوار دیجئے۔ شیخ فخر الدین نے محبت سے خواجہ شمس الدین کو گلے لگا لیا اور اس کے ساتھ محل میں گئے۔ وہاں مخصوص اہل ذوق کی نشست میں معرفت کے اسرار پر گفتگو شروع ہوئی شیخ فخر الدین کے لفظ لفظ میں اتنی تاثیر اور گرمی تھی کہ خواجہ شمس الدین بے اختیار اشک بار ہو گیا۔ شیخ فخر الدین کے لئے اس کی گرویدگی دیکھنے کے قابل تھی۔ کچھ مدت بعد کا ذکر ہے۔ حاسدوں نے ارباب حکومت سے یہ شکایت کی کہ امیر معین الدین کی ساری دولت اور زر و جواہر شیخ فخر الدین کے پاس جمع ہیں۔ یہ شکایت رنگ لائی۔ شیخ کی گرفتاری کے لئے شاہی فوج کا ایک دستہ توقات روانہ ہو گیا۔ خواجہ شمس الدین سے یہ ماجرا چھپایا گیا تھا، تا کہ وہ کہیں شیخ کی عقیدت میں انہیں صورت حال سے مطلع نہ کر دے۔

شاہی دستہ جب توقات سے چند فرلانگ کے فاصلے پر رہ گیا۔ تو خواجہ شمس الدین کے مخبروں نے رات کے پچھلے پہر اسے اس امر کی اطلاع دی خواجہ شمس الدین پریشان ہو گیا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر اس موقع پر اس نے شیخ کو ہوشیار کرنے کی کوشش کی تو خود اس کی جان بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ پھر بھی وہ فوراً بستر سے اٹھا اور ننگے سر، ننگے پیر بھاگتا ہوا باہر نکلا اور ایک گھوڑے پر سوار ہو کے انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ توقات کی طرف روانہ ہو گیا۔ جتنی جلد ممکن تھا، وہ شیخ فخر الدین کی خانقاہ پہنچا۔ لیکن وہاں پہنچ کے اسے معلوم ہوا کہ شیخ فخر الدین پہلے ہی دو آدمیوں کے ہمراہ خانقاہ چھوڑ کے کہیں روانہ ہو چکے ہیں۔

مزید دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ انہوں نے خواجہ کے نام ایک پیغام چھوڑا ہے۔ کہ۔۔۔ خواجہ! کہ اگر ایک امانت میرے ذمے نہ ہوتی تو میں اس طرح خانقاہ چھوڑ کے ہرگز نہ جاتا۔" خواجہ شمس الدین نے ان کی بروقت روانگی پر اطمینان کی سانس لی۔ اور گھوڑے کی

Marfat.com

باگ موڑ کے دوبارہ اپنے محل کی طرف روانہ ہو گیا۔

شیخ فخر الدین نے راتوں رات سرحد پار کی اور توقات سے یثرب پہنچے۔ یثرب سے وہ مصر آ گئے۔ مصر میں انہوں نے خانقاہ صحالیہ میں قیام کیا اور امیر معین الدین کے لڑکے کی رہائی کی تدبیریں کرنے لگے۔ مگر ان کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی۔ آخر وہ ایک روز سلطان مصر کے دروازے پر جا پہنچے۔ اور سلطان سے ملاقات کے طالب ہوئے۔ دربانوں نے انہیں روک لیا۔ شیخ نے ان سے کہا کہ فقیر کو کیوں روکتے ہو! اگر سلطان کے پاس ہوا جا سکتی ہے، سورج کی روشنی جا سکتی ہے اور پھول کی خوشبو جا سکتی ہے تو یہ فقیر بھی جا سکتا ہے۔

دربانوں پر لرزہ جاری ہو گیا اور ان کی زبانیں گنگ ہو گئیں شیخ فخر الدین سیدھے سلطان کے دربار میں پہنچ گئے۔ سلطان انہیں حیرت سے دیکھنے لگا۔ شیخ نے امیر معین الدین کے زرو جواہر اس کے سامنے رکھ دیئے اور خاموشی سے کھڑے ہو گئے۔ سلطان ان کی صورت اور ہیئت سے سمجھ گیا کہ یہ کوئی اعلیٰ پائے کے بزرگ ہیں چنانچہ اس نے انہیں عزت سے بٹھایا اور زرو جواہر کے بارے میں ان سے استفسار کیا۔ شیخ فخر الدین نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ سلطان بہت متعجب تھا کہ اس قلندر نے اتنے بیش بہا زرو جواہر ایسی بے اعتنائی سے اس کے سامنے ڈال دیئے اور اپنے لئے ان میں سے کچھ پسند نہیں کیا؟ شیخ کو سلطان کے اس تعجب کا کشف ہو گیا۔ شیخ نے مسکرا کے قرآن کی ایک آیت پڑھی اور اس کی تفسیر بیان کی سلطان فوراً مسند سے نیچے اتر آیا اور مودب ہو کے ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ اور ان کی باتیں سنتا رہا اور روتا رہا۔ پھر اسی دن اس نے امیر معین الدین کے لڑکے کو قید سے رہا کرنے کا حکم جاری کر دیا اور اس کے ساتھ بے حد لطف و کرم سے پیش آیا۔ ساتھ ہی شیخ فخر الدین عراقی کو اس نے اپنی سلطنت کا شیخ الشیوخ بنانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ شیخ نے اس کی بات قبول کر لی۔

دوسرے دن شیخ فخر الدین کو یہ منصب سونپنے کے سلسلے میں ایک تقریب کا اہتمام کیا

Marfat.com

گیا۔ تقریب میں شرکت کے لئے شہر کے تمام صوفیا، علماء اور اکابر کو دعوت نامے بھیجے گئے۔ چھ ہزار صوفیا اور اہل اللہ دربار میں جمع ہوئے۔ اور شیخ فخر الدین کو نہایت اعزاز سے شیخ الشیوخ کی خلعت پہنائی گئی۔ اس کے بعد ایک جلوس مرتب کیا گیا۔ جلوس میں صرف شیخ فخر الدین گھوڑے پر سوار تھے۔ باقی تمام صوفیاء اور علماء پیدل چل رہے تھے۔ شیخ فخر الدین نے جب اپنی یہ عظمت اور توقیر دیکھی تو اضطراری حالت میں چادر اور دستار اتار کر گھوڑے کی زین کے آگے رکھ لی۔ وہ اس عالم میں کچھ دیر رکے رہے پھر انہوں نے دستار دوبارہ سر پر سجا لی۔ حاضرین یہ تماشا دیکھ کے ہنسنے لگے اور آپس میں کہنے لگے کہ ایسا دیوانہ اور مسخرا شخص شیخ الشیوخ کے منصب کے لئے کیسے موزوں ہو سکتا ہے؟ ایک وزیر نے شیخ فخر الدین سے پوچھا۔

''شیخ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟''

شیخ نے جواب دیا۔ ''ہماری اپنی بھی ایک مملکت ہے اور اس کی رموز سے صرف ہم باخبر ہیں۔ جن چیزوں کے بارے میں تمہیں علم نہ ہو، ان کے متعلق کم بات کیا کرو۔

وزیر اس وقت خاموش ہو گیا، لیکن دربار پہنچ کے اس نے یہ واقعہ سلطان کے سامنے بڑھا چڑھا کے پیش کیا۔ سلطان کو بھی اس پر حیرت ہوئی۔ چنانچہ اس نے شیخ سے کہا۔

''شیخ! آپ کی عظمت میں کلام نہیں۔ آپ اللہ کے ایک برگزیدہ بندے ہیں لیکن کیا آپ کو سر بازار دستار اتارتے ہوئے یہ خیال نہیں آیا کہ لوگ کیا کہیں گے؟''

شیخ نے جواب دیا۔

''خدا تجھے مصر کی سلطانی مبارک کرے تو تزک و احتشام کا جویا ہو سکتا ہے لیکن میں نہیں ہو سکتا۔ میں جب گھوڑے پر بیٹھا بازاروں سے گزر رہا تھا تو نفس مجھ پر غالب آ گیا تھا۔ اگر میں اس وقت لوگوں کو اپنے آپ پہ نہ ہنسواتا تو نجات پانا درکنار، عذاب میں مبتلا ہو جاتا۔ لوگوں کا مذاق اڑانا تو میرے لیے ایک کم سے کم سزا تھی۔''

یہ جواب سن کے ان پر سلطان کا اعتقاد اور بڑھ گیا۔ شیخ کے وظیفے میں اضافہ کر دیا

Marfat.com

گیا۔ مگر شیخ کی طبیعت کی بے قراری اور مزاج کی آشفتگی بدستور قائم رہی وہ اکثر بازاروں، اور گلیوں میں بے تکلف گھومتے نظر آتے۔ خرابات کی طرف نکل جاتے، اور رندوں کے ساتھ بیٹھ کے دیر تک قہقہے لگاتے رہتے۔ کبھی اپنی دستار سر سے اتار کے گردن میں ڈال لیتے، اور کبھی جوتے اتار پھینکتے، اور فریادیوں کی طرح گھنٹوں ادھر ادھر گھومتے رہتے۔ کبھی قلندوروں کی کوئی جماعت مل جاتی تو اس میں شامل ہو جاتے اور جلد ہی ان کے رنگ میں اس طرح رنگ جاتے، کہ ان میں اور قلندروں میں کوئی امتیاز باقی نہ رہتا۔ ان تمام باتوں کے باوجود ان سے لوگوں کی عقیدت قائم رہی۔

ایک دن کچھ لوگ ایک پاگل کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے بازار سے گزر رہے تھے۔

پاگل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ۔

''میں پاگل نہیں ہوں بلکہ یہ لوگ پاگل ہیں جو مجھے زبردستی پکڑ کے لے جا رہے ہیں۔ اتفاق سے شیخ بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے پاگل کی پکار سنی تو لوگوں سے کہا کہ۔

''اس کی زنجیریں کھول دو۔ یہ واقعی پاگل نہیں ہے۔''

ایک آدمی نے آگے بڑھ کے عرض کیا۔

''شیخ یہ نوجوان نہ صرف پاگل ہے، بلکہ پاگل پن میں کئی لوگوں کو قتل بھی کر چکا ہے۔ اگر اس کی زنجیریں کھول دی گئیں تو یہ نہ معلوم اور کتنے خون کر ڈالے۔''

شیخ نے کہا۔

جو لوگ اس کے ہاتھ سے قتل ہوئے ہیں، انہیں اس کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچنا تھا۔ ان کا مقدر یہی تھا۔ لیکن اب یہ نوجوان کسی کو قتل نہیں کرے گا، بلکہ دیکھنا کہ یہ صرف اپنے نفس کو قتل کرتا رہے گا۔'' نوجوان دھاڑیں مار مار کے رونے لگا پھر دفعتہ شیخ کے قدموں سے لپٹ گیا۔ اس طرح اسے کچھ سکون آ گیا۔ شیخ کے حکم سے اس کی زنجیریں کھول دی

Marfat.com

گئیں۔شیخ نے اسے اپنے سینے سے لگالیا اور لوگوں سے کہا کہ۔

اسے اس کے گھر پہنچادو۔

پاگل نے کہا۔

نہیں،تم مجھے اس طرح راستے میں چھوڑ کے نہیں جا سکتے میں تمہارے ساتھ ہی چلوں گا۔تم مجھے ہوش میں لائے ہو،تو اب منزل پر بھی پہنچاؤ۔شیخ نے محبت سے نوجوان کے سائے پر ہاتھ رکھ دیا اور مختلف باتیں کرتے ہوئے اسے خانقاہ لے آئے۔ خانقاہ لا کے انہوں نے اسے اپنا مرید کیا اور وہیں رہنے کے لئے جگہ دے دی۔ سلطان مصر کا واضح حکم تھا کہ شیخ فخرالدین جس وقت بھی اسے ملنا چاہئیں، انہیں آنے دیا جائے۔ سلطان حرم میں یا خواب گاہ میں بھی ہوتا،تو جیسے ہی شیخ پہنچتے ،وہ قدم بوسی کے لئے حاضر ہو جاتا۔اس عزت و احترام کے باوجود کچھ عرصے بعد شیخ کی طبیعت مصر سے گھبرا گئی۔ انہوں نے دمشق جانے کا قصد کیا۔ سلطان نے بہت روکنا چاہا لیکن شیخ فخرالدین رکنے کے لئے آمادہ نہیں ہوئے۔ مجبوراسلطان نے شام کے ملک الامرا کوان کے استقبال اور پذیرائی کے لئے لکھا۔شیخ دمشق پہنچے تو ملک الامراء نے بے شمار مشائخ اور علماء کے ساتھ ان کا پر جوش خیر مقدم کیا۔

شیخ کو دمشق میں چھ مہینے گزر گئے۔ ان کے فرزند شیخ کبیرالدین ہندوستان سے ان کی زیارت کے لئے پہنچے۔ان کی آمد کے کچھ دنوں بعد شیخ فخرالدین کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ ان کے چہرے پر ورم آ گیا۔سخت تکلیف تھی۔تکلیف کی وجہ سے وہ پانچ دن تک سو نہیں سکے۔ اسی عالم میں نزع کا وقت آ گیا۔ انہوں نے شیخ کبیرالدین کو اپنے پاس بلایا اور ان کے سامنے انتہائی خوش الحانی سے قرآن کی تلاوت کرنے لگے۔ جو لوگ عیادت کے لئے آئے تھے۔ تلاوت سن کے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ شیخ کی آواز میں بہت قوت تھی۔ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ شیخ ان کے درمیان ابھی کچھ اور مدت تک موجود رہیں گے۔لیکن شیخ فخرالدین نے تلاوت ختم کرتے ہی بستر پر لیٹ کر نہایت سکون سے کلمہ طیبہ

Marfat.com

پڑھا۔ اور آنکھیں بند کر لیں اور اس طرح ایک عاشق، جسم و جاں کی دیواریں توڑ کر آخر اپنے محبوب سے جا ملا۔ ان کی وفات ۶۸۸ھ میں ہوئی۔ شیخ فخر الدین کا مزار دمشق کے محلّہ صالحیہ میں محی الدین ابن عربی کی قبر کے پیچھے ہے۔ ان کے بیٹے شیخ کبیر الدین بھی ان کے پہلو میں دفن ہیں۔ محلّہ صالحیہ کے لوگوں کو اگر رات کے کسی پہر تلاوت کی آواز سنائی دیتی ہے تو وہ اپنے بچوں کو شور کرنے سے منع کر دیتے ہیں کہ۔

''سنو، عراقی تلاوت کر رہے ہیں۔''

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ

۶۸۸ھ میں سمنان کی فصیل کا ''باب سمرقند'' غروب آفتاب کے وقت ہی بند کر دیا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ماوراالنہر کے تاتاری لٹیرے رات کو سوداگروں کا بھیس بدل کے شہر میں داخل ہوتے اور لوٹ مار کر کے برق رفتار گھوڑوں پر چند گھنٹوں میں باہر نکل جاتے۔ ایک رات باب سمرقند کے کلید بردار نے فصیل کے برج سے ستر اسی سال کا ایک دیوانہ دیکھا۔ اس کے جسم سے چیتھڑے جھول رہے تھے۔ وہ ننگے سر، ننگے پیر، آسمان کی طرف منہ اٹھائے چیخ رہا تھا۔ ''باادب، باملاحظہ۔ جہاں گیر زماں، اشرف دوراں تشریف لائے ہیں۔''

کلید بردار نے سوچا کہ کوئی دیوانہ ہے، چند منٹ چیخ پکار کر کے جنگلوں میں نکل جائے گا لیکن رفتہ رفتہ اس کی آواز اتنی بلند ہو گئی جیسے وہ فرش سے عرش تک محیط ہو۔ پھر یکایک دیوانے کی نگاہ برج پر پڑی۔ اس نے مشعلوں کی روشنی میں کلید بردار کا چہرہ دیکھا اور پوری طاقت سے چیخا۔ باادب، باملاحظہ، جہاں گیر زمان، اشرف دوراں تشریف لاتے ہیں۔

کلید بردار کے پورے جسم پر رعشہ طاری ہو گیا۔ دو پہرے داروں نے بڑھ کر اسے سہارا دیا ورنہ شاید وہ لڑکھڑاتا ہوا سو فٹ نیچے گہری خندق میں گر جاتا۔ ایک پہرے دار نے جلدی سے اسے برج میں لے جا کے لکڑی کی چوکی پر لٹا دیا پھر نیچے کی طرف دیکھا کہ دیوانے کو ڈانٹنے لگا۔ بڈھے! اپنا راستہ لے۔ کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ رات کے وقت اس

Marfat.com

دروازے سے کوئی شخص شہر میں داخل نہیں ہو سکتا؟

بوڑھا یک بیک اس کی نگاہ سے اوجھل ہو گیا۔ پہرے دار سخت متعجب ہوا۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بڈھا کہاں غائب ہو سکتا ہے۔ کہ اسے وہ بوڑھا فصیل کے اندر چاندنی میں قصر سمنان جانے والی سڑک پر جاتا ہوا نظر آیا۔ اس کی آواز اب بھی گونج رہی تھی۔ قصر سمنان کے ساکنو! باادب باملاحظہ۔ جہاں گیر زماں، اشرف دوراں تشریف لاتے ہیں۔

باب سمرقند کا آہنی پھاٹک بند تھا اور فصیل ناقابل عبور تھی۔ کلید بردار اور پہرے دار ششدر تھے کہ بوڑھا شہر میں داخل کیسے ہو گیا۔ وہ دہشت سے بے ہوش ہو گئے۔

صبح ہوتے ہوتے یہ خبر شہر بھر میں عام ہو گئی کہ کوئی مجذوب سمنان آگیا ہے جو بند دروازوں اور فصیلوں سے گزر جاتا ہے۔ کلید بردار نے پہرے داروں کو اس سلسلے میں رازداری کی ہدایت کی تھی لیکن اب یہ خبر عام ہو چکی تھی۔ اس لئے اسے خوف پیدا ہوا کہ سمنان کا حاکم سلطان محمد ابراہیم اسے اور اس کے عملے کو غفلت کے الزام میں ملازمت سے برخاست نہ کر دے۔ چنانچہ اس نے فوراً دربار پہنچ کے اصل واقعہ بیان کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ لشتم پشتم دربار میں پہنچا۔ وہاں وہ یہ دیکھ کے حیرت زدہ رہ گیا کہ سلطان ابراہیم بھرے دربار میں بوڑھے مجذوب کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہے اور مجذوب پر وقار لہجے میں اس سے کہہ رہا ہے۔

ابراہیم! تجھے مبارک ہو۔ تیری زوجہ ملکہ خدیجہ کے بطن سے جہاں گیر زماں، اشرف دوراں کی ولادت ہو گی۔

اس نے درباریوں سے مخاطب ہو کے کہا امیرو اور وزیرو! تمہیں بھی مبارک ہو کہ تم وہ خورشید طریقت طلوع ہوتا دیکھو گے۔ باادب باملاحظہ، جہاں گیر زماں، اشرف دوراں تشریف لاتے ہیں۔ اس پر جذب و مستی کی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ اسی عالم میں دربار سے باہر نکل گیا۔

Marfat.com

یہ ابراہیم شاہ مجذوب تھے۔ انہوں نے سید اشرف جہاں گیر سمنانی کی ولادت کا اعلان تین مہینے پہلے قریے قریے اور گھر گھر پہنچا دیا تھا۔ بلکہ خدیجہ کے ہاں تین لڑکیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ سلطان ابراہیم کو اپنے ولی عہد کی خواہش تھی اور ملکہ خدیجہ کو اپنے ولی والد کے جانشین کی آرزو تھی۔ سمنان کی ملکہ بننے کے بعد بھی انہوں نے تہجد کی نماز کبھی قضا نہیں کی وہ ساری ساری رات عبادت میں گزار دیتیں اور دن کے وقت ہمیشہ روزے سے رہتیں۔ خصوصاً سید اشرف کی پیدائش کے بعد وہ عبادت و ریاضت میں اور زیادہ منہمک ہو گئیں۔ شیر خوار سید اشرف کا خود یہ عالم تھا کہ جب تک ماں باوضو نہ ہوتیں وہ دودھ نہیں پیتے تھے۔

سلطان ابراہیم کے دربار میں علماء فضلا جمع رہتے تھے۔ سید اشرف نے اسی علمی ماحول میں آنکھ کھولی۔ سات برس کی عمر کا ذکر ہے، ایک روز وہ اپنے والد کے ساتھ علماء کے درمیان بیٹھے تھے۔ ایک مشہور عالم سلطان نے قرآن کی مختلف قرأتوں پر بحث کر رہے تھے۔ تلاوت میں ان سے ایک جگہ کوئی چوک ہو گئی۔ سید اشرف نے ادب سے کہا۔ حضرت کو سہو ہوا ہے، شاید یہ لفظ اس طرح ادا ہونا چاہیے۔ یہ کہہ کے انہوں نے پوری آیت نہایت خوش الحانی سے تلاوت کی۔ در و دیوار وجد میں آ گئے۔ اور سید اشرف محویت میں قرأت کی بلندی پر پہنچ گئے۔ اسی وقت بوڑھا مجذوب ابراہیم شاہ نمودار ہوا اور ان کے قدموں پر گر پڑا۔ قطب ربانی! رحم۔۔ غوث الانام! رحم۔۔ آپ کی قرآت کے اثر سے مسجدیں اور عمارتیں سجدے میں گر پڑیں گی۔

سید اشرف نے خاموش ہو کے ابراہیم شاہ کو دیکھا، اور آہستہ سے کہا۔ تمہارا کام ختم ہو گیا۔ اب جاؤ۔ اس کے بعد ابراہیم شاہ کبھی نہیں دیکھے گئے۔ ان کی قبر کا نشان تک کسی کو نظر نہیں آیا۔ اس واقعے سے سید اشرف پورے عراق میں مشہور ہو گئے۔ وہ نوعمری کے باوجود سات قرأتوں میں ملکہ حاصل کر چکے تھے۔ قرأت کرتے ہوئے وہ اکثر وجد میں آ جاتے۔ ایسے موقعوں پر ان کی والدہ ان کے قریب آتیں اور آہستہ سے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ

Marfat.com

دیتیں۔ لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ اس عمر میں اگر انہیں والدہ کا سہارا میسر نہ ہوتا تو وہ ایک تماشا بن کے رہ جاتے۔ چودہ سال کی عمر میں وہ معقولات ومنقولات کی تعلیم ختم کر چکے تھے۔ ذہانت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ عراق کے جید علماء کے سامنے کوئی مسئلہ بیان کرنے بیٹھتے تو سامعین انگشت بدنداں رہ جاتے جیسے وہ علم وفضل کی ایک آبشار کے کنارے بیٹھے ہوں۔ اور جیسے الفاظ ومعنی کے ایسے رنگ انہوں نے اس سے پہلے نہ دیکھے ہوں۔

والد کی وفات کے بعد انہیں مجبوراً سمنان کی حکومت سنبھالنی پڑی۔ اب وہ بادشاہ تھے۔ لیکن انہیں اس خوف سے رات بھر نیند نہیں آتی تھی کہ کہیں کوئی شخص بھوکا نہ سو گیا ہو۔ کہیں کسی کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ ہو گئی ہو، اور عمال نے کہیں کسی بے گناہ پر ظلم نہ کیا ہو؟ انہیں فقیر بادشاہ کہا جاتا تھا۔ انہوں نے کبھی ریشم نہیں پہنا اور کبھی شاہی دستر خوان کا کھانا نہیں کھایا۔

وہ غریبوں سے بدتر کھانا کھاتے، غریبوں سے بدتر کپڑے پہنتے اور بہ نفس نفیس دروازے دروازے جا کے لوگوں کا حال معلوم کرتے۔ نیز معذوروں کا کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتے۔ اس سلسلے میں سلطنت کے ارکان ان کا ہاتھ بٹانا چاہتے تو وہ مسکرا کے کہتے۔ بھائی! دنیا میں تو میرا ہاتھ بٹا دو گے لیکن حشر کے روز خود مجھ سے جواب طلب کیا جائے گا۔ وہ دن ایسا ہوگا کہ اعمال تو اعمال نیتیں تک شہادت دینے کے لئے حاضر ہوں گی۔

خدمت خلق اور منصبی فرائض سے جو وقت بچتا، اسے سید اشرف خدا کی عبادت میں صرف کرتے۔ خصوصاً رات کی خاموشی میں جب وہ تلاوت کرتے تو انہیں ایسا محسوس ہوتا جیسے نظر کے سامنے سے تمام حجابات اٹھ گئے ہیں اور اب ان کے اور خدا کے سوا کوئی نہیں ہے۔ یہ کیفیت رفتہ رفتہ اس قدر بڑھ گئی کہ سید اشرف دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کے صرف اللہ کے ہو گئے۔ اکثر جنگلوں اور پہاڑوں میں وہ ہفتوں مراقبے کرتے رہتے۔ ایک رات وہ اسی طرح مراقبے میں بیٹھے تھے کہ انہوں نے اچانک اپنی والدہ کی شبیہہ دیکھی۔ وہ کہہ رہی

Marfat.com

تھیں۔ بیٹا! تم بادشاہ ہو، بادشاہوں کو عبادت معاف ہوتی ہے۔

سید اشرف نے آنکھیں کھولیں اور والدہ صاحبہ کو سامنے دیکھا تو احتراماً اٹھنا چاہا لیکن فوراً یہ خیال آیا کہ میری والدہ صاحبہ مجھے عبادت ترک کرنے کا حکم ہرگز نہیں دے سکتیں چنانچہ انہوں نے بے رخی سے جواب دیا۔ دنیا! نابکار! تو میری والدہ کے بہروپ میں آ کے مجھے ورغلانا چاہتی ہے؟ اگر تو آئندہ میری عبادت میں مخل ہوئی تو میں تیرا چہرہ بری طرح مسخ کر دوں گا۔ لوگ تجھ سے پناہ مانگا کریں گے۔

دنیا دفعتہ ایک مکروہ صورت بڑھیا عورت میں تبدیل ہوگئی اور بولی۔ اگر میں تجھے اتنی ہی بری لگتی ہوں تو تو نے میرا دامن کیوں پکڑ رکھا ہے؟ مجھ سے قطع تعلق کر اور اپنی راہ لے۔

سید اشرف نے گھر آ کے اپنی والدہ کو یہ واقعہ سنایا۔ انہوں نے جواباً کہا۔ اشرف! ابھی تجھے بہت دور جانا ہے۔ تیرے نانا خواجہ احمد اویسی کی دستار تیری منتظر ہے لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے ابھی تجھے کئی مرحلے عبور کرنے ہیں۔ دنیا تجھے کتنا ہی کیوں نہ بہکائے تو عبادت جاری رکھ۔

سید اشرف حسب معمول یاد الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ شیطان بھی کسی بزرگ کی شکل میں ان کے سامنے آتا اور کہتا کہ تیری عبادتیں قبول ہوئیں کبھی کوئی نیم عریاں دوشیزہ نمودار ہوتی اور کہتی کہ میں تمہاری عبادتوں کے صلے میں تمہارے حوالے کی گئی ہوں کبھی سانپ اور اژدھے پھن اٹھا اٹھا کے پھنکارنے لگتے لیکن سید اشرف اپنے مقصد سے کبھی نہ ہٹتے اور ان کا انہماک کبھی نہ ٹوٹتا۔ آخر رفتہ رفتہ ایک نورانی ہالے نے انہیں اپنے حصار میں لے لیا۔

ایک رات وہ ایک پہاڑی غار میں تہجد کی نماز کے بعد تلاوت کر رہے تھے۔ معاً انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی بزرگ قریب بیٹھے ہیں۔ سید اشرف نے لاکھ چاہا کہ قرأت میں کوئی خلل واقع نہ ہو لیکن ان کی نگاہ بے اختیار بزرگ کے چہرے پر پڑ گئی۔ سید اشرف ان کا نورانی چہرہ دیکھتے رہ گئے بزرگ نے مسکرا کے سید اشرف سے پوچھا۔ اشرف جہاں گیر! تم اتنے

Marfat.com

اچھے قاری ہو کر خدا کے وجود سے کیوں انکار کرتے ہو؟

سید اشرف پر لرزہ طاری ہو گیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ خدا مجھے ان دن زندہ نہ رکھے جب میں ایک لمحے کے لئے بھی اس سے غافل ہو جاؤں۔ بزرگ نے دریافت کیا۔؟ کیا خدا تمہیں اس غار میں بھی دیکھ رہا ہے؟ اور کیا وہ تمہاری آواز بھی سن رہا ہے؟ بے شک سید اشرف نے جواب دیا۔ وہ قادر مطلق ہے۔ لیکن شاید خدا قصر سمنان میں تمہیں نہیں دیکھ سکتا؟ اور نہ وہاں تمہاری آواز سن سکتا ہے؟

''وہ کسی مقام سے دور نہیں ہر جگہ موجود ہے۔'' سید اشرف نے کہا۔

بزرگ نے نرمی سے کہا۔ ''میاں! جب وہ ہر جگہ موجود ہے تو جنگلوں اور پہاڑوں میں تم کسے ڈھونڈتے پھرتے ہو؟'' سید اشرف کو گمان گزرا کہ شاید شیطان پھر انہیں بہکانے آ گیا ہے۔ اسی وقت بزرگ نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ شیطان تم سے دور کر دیا گیا ہے میں خضر ہوں۔ گم راہوں کو راستہ دکھانا میرا کام ہے میں تمہیں درختوں اور پتھروں کے بجائے انسانوں کی راہ دکھانے آیا ہوں۔ یہ کہتے ہیں حضرت خضر علیہ السلام ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ سید اشرف نے آنکھیں بند کر لیں۔ انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے وہ بہ یک وقت قصر سمنان میں بھی موجود ہیں اور پہاڑی کے غار میں بھی۔ اچانک دوئی دور ہو گئی اور کامل یقین کی منزل سامنے آ گئی وہ اسی وقت قصر سمنان کی جانب روانہ ہو گئے مگر سلطنت اور حکومت سے ان کا دل اچاٹ ہو چکا تھا۔ وہ عبادت اور ریاضت کے سوا کوئی کام کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ چنانچہ وہ قصر سمنانان کی مسجد میں جا کے اعتکاف میں بیٹھ گئے۔ اعتکاف کے عالم میں وہ نہ کچھ کھاتے تھے، نہ پیتیت ھے، خدام سے ملکہ خدیجہ کو معلوم ہوا کہ سید اشرف نے کھانا پینا ترک کر دیا ہے حجرے میں ایسی دہشت ہے کہ جو شخص بھی اندر جانے کی جرات کرے، وہ بے ہوش ہو جاتا ہے، اور وہاں عجیب و غریب وضع کے بزرگوں کی آمد و رفت رہتی ہے، نہ معلوم یہ بزرگ کہاں سے آتے ہیں اور کہاں چلے جاتے ہیں؟۔

Marfat.com

ملکہ مسکرا کر خاموش ہو جاتیں۔ اگر کوئی زیادہ اصرار کرتا تو کہتیں۔ اشرف کو جس نے مہمان بنایا ہے، وہی اس کی میزبانی کر رہا ہے تم لوگ اس کے خورونوش کی فکر نہ کرو۔ نیز ان بزرگوں پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں جن کی وہاں آمدورفت رہتی ہے۔ وہ ایک بادشاہ کو فقیری کے آداب سکھا رہے ہیں۔ سید اشرف کے حجرے سے ایسی شعاعیں نکلتی نظر آتیں کہ دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ ہو جاتیں۔ کبھی حجرے کے درودیوار اور گنبد چاند کی طرح دمک اٹھتے۔ کبھی اندر سے باجماعت نماز کی آوازیں سنائی دیتیں۔ کبھی ہفتوں خاموشی طاری رہتی، جیسے وہ حجرہ نہیں، کوئی مقبرہ ہو، کبھی کبھی سید اشرف والدہ سے ملاقات کیلئے باہر نکلتے تو ان کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہکتی نظر آتیں۔ وہ محل کی راہداریوں سے نگاہ نیچی کئے گزرتے اور والدہ کی خیروعافیت دریافت کر کے پھر اپنے حجرے میں چلے جاتے۔

ایک دن اعتکاف میں بیٹھے تھے کہ حضرت خضر رونما ہوئے۔ انہوں نے سید اشرف سے کہا کہ اب فیصلے کا وقت آ گیا ہے، جس طرح ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے، اسی طرح دو سلطنتیں ایک بادشاہ نہیں سنبھال سکتا۔

آپ سلطنتوں کی بات کرتے ہیں؟ سید اشرف نے کہا۔ میں اپنے آپ کو سنبھالنے کے لئے دو سال سے کوشاں ہوں۔

حضرت خضر نے تمہید و توضیح کے بغیر کہا ''ہندوستان جاؤ''۔

''میں تیار ہوں'' سید اشرف نے خندہ پیشانی سے جواب دیا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے منزل کا پتہ دے دیا تھا۔ لیکن منزل تلاش کرنا خود سید اشرف کا کام تھا۔ وہ حسب معمول والدہ سے مشورہ لینے کے لئے گئے۔ والدہ نے کہا۔ مبارک ہو اشرف! تیرے نانا نے مجھے میری شادی سے پہلے بشارت دے دی تھی کہ تیری ہاں ایک ایسا فرزند پیدا ہوگا جس کے نورولایت سے تمام عالم منور ہو جائے گا اب وہ وقت آ گیا ہے۔ انہوں نے ایک صندوق سے اپنے والد صاحب خواجہ احمد یسوی کی دستار نکالی۔

Marfat.com

اور اسے سید اشرف کے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔

مجھے حکم دیا گیا تھا کہ سفر کے وقت اپنے بیٹے کو یہ زادراہ دے دینا۔ آج میں اس امانت کے بار سے سبکدوش ہو رہی ہوں۔

دوسری صبح سید اشرف نے سلطنت اپنے چھوٹے بھائی سلطان محمد کے سپرد کی اور ہندوستان کی طرف روانہ ہو گئے۔ تین منزلوں تک بارہ ہزار سپاہی انہیں رخصت کرنے آئے۔ سید اشرف ماوراء النہر سے ہوتے ہوئے بخارا پہنچے۔ اور بخارا سے سمرقند آئے۔ ان کا قافلہ جہاں سے گزرتا، لوگ اسے شاہی جلوس سمجھ کے دورویہ جمع ہو جاتے کیونکہ کئی سو گھڑ سوار اور خیمے سید اشرف کے ساتھ تھے۔ سمرقند پہنچ کے انہوں نے تمام ساز و سامان فقرا میں تقسیم کر دیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو سمنان واپس بھیج دیا۔ انہوں نے صرف ایک کمبل اور مٹی کا ایک برتن ساتھ لیا اور تنہا سمرقند سے اُچ کی طرف روانہ ہو گئے جہاں رات ہوتی ٹھہر جاتے اور فجر تک عبادت میں مصروف رہتے۔ صبح ہوتے ہی اگلی منزل کی طرف روانہ ہو جاتے اُچ شریف میں مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا بہت شہرہ تھا۔ سید اشرف جس وقت ان کی خانقاہ کے قریب پہنچے، وہ اپنے معتقدین کے سامنے ولیوں کے سفر کی صعوبتیں بیان کر رہے تھے۔ وہ بولتے بولتے اچانک خاموش ہو گئے اور حیرت سے بولے بوئے یاری آید وہ تیزی سے خانقاہ کے دروازے کی طرف بڑھے۔ ان کے معتقدوں نے ایک کمبل پوش درویش دیکھا جو ایک طویل سفر کی گرد کے ساتھ خانقاہ کی جانب آ رہا تھا۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت آگے بڑھے اور گرم جوشی کے ساتھ سید اشرف سے بغل گیر ہو گئے پھر ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے بولے۔ سرداری اور سیاست کے باغ سے ایک مدت بعد نسیم بہاری آئی ہے۔ میرے عزیز! جلد راہ سلوک میں قدم رکھ دو۔ برادرم علاؤ الدین تمہاری منتظر ہیں، دیکھو کہیں راستے میں نہ رک جانا۔

سید اشرف، جہانیاں جہاں گشت کو وہیں سے الوداعی سلام کر کے آگے بڑھ گئے۔

Marfat.com

جہانیاں جہاں گشت کے مریدوں نے ان سے کہا۔ حضرت! آپ نے ایک تھکے ماندے درویش کو رات بھر خانقاہ میں آرام کرنے کی ترغیب بھی نہیں دی؟ حالانکہ آپ کو مہمانوں کی آمد سے مسرور ہوتے ہیں۔

''مجھ جیسا فقیر مستقبل کے ایک شہنشاہ طریقت کی کیا خدمت کرتا! جہانیاں جہاں گشت نے جواب دیا۔ وہ درویش غوثیت کا تاج پہن کے پورے عالم پر جہاں گیری کرے گا۔ میں اس سے رات بسر کرنے کی درخواست کر سکتا تھا۔ لیکن تم نہیں جانتے کہ برادرم علاؤ الدین اس کا کس شدت سے انتظار کر رہے ہیں۔

سید اشرف اُچ شریف سے دہلی آئے۔ دہلی کے مشائخ اور اولیاء سے مستفید ہو کے انہوں نے بہار کا رخ کیا۔ صوبہ بہار پہنچے تو شام ہو رہی تھی اور آبادی کے باہر کچھ لوگ ایک جنازہ لئے کسی کے منتظر تھے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مخدوم الملک شرف الدین احمد منیری کا وصال ہو گیا ہے اور وصال سے قبل انہوں نے وصیت کی تھی کہ ان کے انتقال کے بعد مغرب کی طرف سے کالے کمبل والا ایک درویش نمودار ہو گا۔ میرے جنازے کی نماز اسی سے پڑھوانا۔ چنانچہ سید اشرف نے جنازے کی نماز پڑھائی۔ اور تجہیز و تکفین کے بعد دوبارہ سفر کا ارادہ کیا لیکن خیال آیا کہ ایک بار اور مزار پر فاتحہ پڑھ لیں۔ انہوں نے فاتحہ پڑھی تو مزار سے آواز آئی۔ سید اشرف! ہم نے تمہیں یوں ہی نہیں روکا تھا۔ چند دن یہاں قیام کرو، تاکہ ہم تمہاری امانت تم تک پہنچا دیں۔ سید اشرف پر لرزہ طاری ہو گیا۔ انہوں نے سوچا کہ جس بزرگ نے کڑی سے کڑی ریاضتیں کی تھیں، وہ اس کی امنت کا بار اٹھا بھی سکیں گے یا نہیں؟ مخدوم الملک منیری نے بارہ سال ضلع آرہ کے جنگل میں عبادت و ریاضت کی تھی۔ وہ کئی سال تک ایک درخت کی شاخ پکڑے کھڑے رہے، یہاں تک کہ خود بھی ایک درخت کیطرح زمین سے قوت نمو حاصل کرنے لگے۔ چڑیاں ان کے سر پر گھونسلے بناتیں۔ حشرات الارض ان کے جسم پر رینگتے رہتے۔ چونٹیاں حلق میں جاتیں اور لوٹ آتیں لیکن

Marfat.com

انہیں ایک درخت کی طرح مطلق خبر نہ ہوتی۔ سید اشرف ابھی غور ہی کر رہے تھے کہ شرف الدین منیری ان کو سامنے کھڑے محسوس ہوئے وہ کہہ رہے تھے۔

کارِ نازک شان رعنا نیست سنگ زیرین آسیا بودن

(یعنی چکی کے پاٹوں کے درمیان رہنا نازک بدنوں کا کام نہیں ہے)

سید اشرف بے حد نادم ہوئے اور ان کے مزار پر چلہ کاٹنے کے لئے بیٹھ گئے۔
مرحوم شرف الدین ایک جلالی بزرگ تھے۔ ان کے جلالی فیضان سے سید اشرف نے جذب کے عالم میں اپنے کپڑے پھاڑ لئے اور قریب تھا کہ جنگل کی راہ لیں مگر مرحوم نے اچانک سامنے آ کر انہیں سینے سے لگا لیا اور اپنے تمام سربستہ راز ان کے سینے میں منتقل کر دیئے۔ پھر حسرت سے کہنے لگے کاش! تم میرے حصے میں آئے ہوتے لیکن تمہیں علاؤالدین آواز دے رہے ہیں اب میں تمہیں زیادہ نہیں روک سکتا۔ جاؤ یہ سفر تمہیں مبارک ہو۔
سید اشرف کو جیسے ہوش آ گیا۔ انہوں نے حیرت سے دیکھا کہ مرحوم کی تجہیز و تکفین ابھی ہوئی ہے اور جنازے میں آئے ہوئے لوگ ابھی واپس جا رہے ہیں حالانکہ انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ مزار پر کئی مہینے چلہ کشی کر چکے ہوں۔

شیخ علاؤالدین علاالحق چشتی کی روحانی تعلیمات سے پورا بنگال فیض یاب ہو رہا تھا۔ شیخ علاؤالدین، شیخ سراج الدین عثمان کے خلیفہ تھے۔ ان کا پورا خاندان وزارتوں اور دوسرے سرکاری عہدوں پر مامور تھے لیکن انہوں نے درویشی اختیار کر لی تھی وہ سالک بھی تھے اور عالم بھی ان کی خانقاہ میں عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا تھا۔ وہ فیاضی میں بادشاہوں سے بڑھ کر تھے بعض سلاطین ان کی خانقاہ کے اخراجات پر رشک کرتے تھے۔ روزانہ بے شمار فقیروں اور مسافروں کو خانقاہ سے کھانا اور بستر ملتا تھا۔ آنے جانے والوں کو زادِراہ کے طور پر بڑی بڑی رقمیں بھی تقسیم کی جاتی تھیں۔ علاؤالدین علاالحق بہت پر رعب اور جلالی بزرگ تھے۔ اس لئے لوگ ان سے سوال کرنے یا ان کے سامنے کچھ بولنے کی جرأت نہیں کرتے

Marfat.com

تھے لیکن سید اشرف کی آمد سے کچھ روز پہلے ہی ان پر ایک اضطراب طاری ہو گیا تھا وہ بار بار اپنے خاص حجرے سے باہر آتے اور اندر چلے جاتے۔ کبھی خانقاہ سے باہر نکل جاتے اور دیر تک ایک پگڈنڈی دیکھتے رہتے۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس بھر کے دوبارہ واپس آ جاتے۔ ایک دن انہوں نے اپنے ہم راہیوں سے کہا۔

آنے والا تو وقت پر ہی آئے گا، لیکن اب ہم سے انتظار نہیں ہوتا۔

پھر جب سید اشرف کے آنے میں دو دن رہ گئے تو شیخ علاؤالدین نے کہا۔ تم سب کو مبارک ہو کہ ہم جس کے لئے دو سال سے چشم براہ ہیں، وہ دو دن بعد ہمارے درمیان موجود ہو گیا۔ دو دن بعد سید اشرف قصبہ پنڈوہ کے نواح میں پہنچ گئے۔ حضر شیخ علاؤالدین اس وقت قیلولہ کر رہے تھے۔ وہ اچانک اٹھ کے بیٹھ گئے پھر وہ اس تخت رواں پر بیٹھ گئے جو انہوں اپنے پیرو مرشد سے ملا تھا وہ آبادی سے اہر نکلے۔ معتقدوں کا ایک ہجوم ان کے ساتھ تھا۔ بہت سے لوگ گھوڑوں پہ سوار تھے۔ بہت سے پیدل چل رہے تھے۔ یہ جلوس آبادی سے ایک کوس دور آ گیا۔ شیخ علاؤالدین تخت رواں سے اتر کر کھڑے ہو گئے۔ چند لمحوں بعد سید اشرف کا لا کمبل کاندھوں پر ڈالے ہوئے گرد میں آٹے ہوئے ایک پگڈنڈی سے نمودار ہوئے۔ اور شیخ علاؤالدین پر نظر پڑتے ہی وہ دوڑتے ہوئے آئے اور ان کے قدموں پر گر گئے۔ شیخ علاؤالدین نے والہانہ انداز میں انہیں اٹھایا، گلے سے لگا لیا اور انہیں اپنے برابر تخت رواں پر جگہ دی اور جلوس کی شکل میں انہیں حانقاہ لے آئے۔ خانقاہ میں سید اشرف کی بہت تعظیم کی گئی۔ مغرب کے بعد شیخ علاؤالدین نے ان سے بیعت لی۔ بیعت کے وقت سید اشرف کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ سید اشرف بارہ برس تک شیخ علاؤالدین کی خدمت میں رہے خلافت کے خرقے کے علاوہ شیخ سے انہوں نے جہاں گیر کا لقب بھی پایا۔ خود لکھتے ہیں۔ ایک دنیا بخش دینے والے مرشد کی طرف سے فقیر کو جہاں گیر، کا خطاب ملا ہے۔ اس عنایت کا مطلب میں اب سمجھا ہوں کہ ان کی طرف سے مجھے جہاں گیری کا فرمان جاری ہو

Marfat.com

چکا ہے۔

سید اشرف جہاں گیری جب اپنے مرشد سے روحانی فیوض حاصل کر چکے تھے تو شیخ علاؤ الدین نے اپنے جلیل المرتبت خلیفہ کو جون پور کے نواح کی طرف جانے کا حکم دیا۔ سید اشرف دل پر پتھر رکھ کے مرشد سے رخصت ہوئے۔ سفر میں متعدد اونٹ اور گھوڑے بھی ساتھ تھے درویشی میں یہ امارت دیکھ کر لوگوں نے سخت اعتراض کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ یہ اونٹ اور گھوڑے باندھنے کے لئے میں نے زمین میں میخ گاڑی ہے، اپنے دل میں ہیں۔

ان کا لاؤ لشکر دیکھ کر اکثر لوگ حسد کرتے چنانچہ وہ جہاں سے گزرتے لوگ کوئی نہ کوئی اعتراض کر دیتے۔ سید اشرف اعتراضات سن کر عموماً مسکرا کے خاموش ہو جاتے۔ وہ اعظم گڑھ پہنچے۔ یہاں کے علماء نے ان کی تالیف رسالہ چار یار پر اعتراض کیا۔ یہ رسالہ انہوں نے خلفائے راشدین کی مدح میں لکھا تھا اور دوسرے خلفاء کی نسبت حضرت علیؓ کی زیادہ مدح کی تھی۔ علماء نے اس سلسلے میں ان سے بحث کرنی چاہی۔ جمعہ کی نماز کے بعد شہر کے تمام علماء جامع مسجد میں جمع ہوئے اور سید اشرف کے خلاف فتویٰ جاری کر دیا گیا۔ لیکن مفتی شہر مولانا سید خاں نے سب سے اختلاف کیا۔ اور کہا۔

سید اشرف ایک صحیح النسب سید ہیں۔ اگر انہوں نے اپنے جد امجد کی شان میں کچھ اچھے الفاظ استعمال کئے ہیں تو اس میں کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ البتہ میں فتویٰ دینے والوں سے یہ ضرور کہوں گا کہ وہ رسالہ چار یار سے مجھے ایسے اشعار نکال کر دکھائیں، جن میں کسی خلیفہ کے کم رتبہ ہونے کا پہلو موجود ہو۔

معترفین یہ سن کے بہت شرمندہ ہوئے اور یہ معاملہ سرد پڑ گیا۔ سید اشرف نے رفع شر پر مفتی سید خاں کو دعائیں دیں اور اعظم گڑھ سے ظفر آباد آ گئے۔ یہاں بھی مشائخ نے ان کے خلاف ایک محاذ بنا رکھا تھا۔ نہایت مشکل مسائل جمع کئے گئے تھے۔ جن کے جوابات

Marfat.com

سید اشرف کو عام مجمع میں دینے تھے۔ ظفر آباد کے مشائخ کو یقین تھا کہ وہ ان سوالوں کے جواب نہیں دے سکیں گے۔ مقررہ وقت پر سید اشرف تنہا مجمع میں پہنچ گئے اور ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر انہوں نے اعلان کیا۔

لوگو! میں ایک درویش ہوں اور تمہاری دنیا نیز تمہارا علم بہت پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔

بہر حال جو شخص سب سے زیادہ صاحب علم ہو، وہ سامنے آ کر مجھ سے سوالات کرے۔ مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ سید اشرف چند لمحوں تک انتظار کرتے رہے، پھر قدرے غضب ناک لہجے میں بولے۔

جس ہاتھ نے وہ سوال لکھے ہیں، کم سے کم اس میں اتنی ہمت ضرور ہونی چاہیے کہ اگر وہ قریب نہیں آنا چاہتا تو بلند ہو جائے۔

ظفر آباد کے سب سے بڑے عالم اور صاحب ثروت بزرگ شیخ کبیر سرور پوری نے اپنا ہاتھ بلند کر دیا۔ سید اشرف نے سوال سنے بغیر ان مسائل پر تقریر شروع کر دی جن کے متعلق سوالات تیار کئے گئے تھے۔ ان کی تقریر سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے علم کا ایک سمندر ہے جس کی لہریں آسمان کو چھو رہی ہیں۔ تقریر کے بعد لوگ فرط عقیدت سے سید اشرف کی دست بوسی کے لئے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑ رہے تھے لیکن شیخ کبیر اپنی جگہ کھڑے رہے اور ان کا ہاتھ جس طرح بلند تھا اسی طرح بلند رہا۔ سید اشرف نے مسکرا کر بلند آواز میں ان سے پوچھا۔

کیا کوئی سوال باقی رہ گیا ہے؟

شیخ کبیر نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے جواب دیا۔

امام السالکین! میں نے علم کا دعویٰ کیا اور شرم سار ہوا۔ میں اپنے دعوے سے دست بردار ہوتا ہوں۔ زمین نے میرے پیر جکڑ لئے ہیں اور فضا نے میرا اٹھا ہوا ہاتھ ایک مضبوط گرفت میں لے رکھا ہے۔

Marfat.com

سید اشرف نے شیخ کبیر کا چہرہ دیکھا اور زیر لب کہا۔

ہم نے تجھ سے چشم پوشی کی یہ کہہ کر وہ تیزی سے قافلے کی اقامت گاہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ شیخ کبیر کا اکڑا ہوا ہاتھ درست ہو گیا اور پاؤں متحرک ہو گئے۔ انہوں نے اپنے جوتوں کا ہار بنا کر گلے میں ڈالا اور جبہ وعمامہ وہیں پھینک کر ننگے سر، ننگے پیر سید اشرف کے پیچھے بھاگے۔ ظفر آباد میں ایسا واقعہ کبھی رونما نہیں ہوا تھا کہ شہر کا سب سے بڑا عالم ننگے سر، ننگے پیر ایک کمبل پوش فقیر کے پیچھے بھاگ رہا ہو۔ لوگ حیرت سے شور کرنے لگے۔ شور سن کر سید اشرف رک گئے۔ انہوں نے شیخ کبیر کو قریب بلایا۔ وہ ہانپتے کانپتے سامنے آ کے کھڑے ہو گئے۔ سید اشرف نے انہیں سینے سے لگا لیا آگے چل کر یہی شیخ کبیرؒ سید اشرف کے محبوب خلیفہ بنے۔

سید اشرف ظفر آباد سے جون پور آ ئے۔ یہاں آ کے انہوں نے ایک مسجد میں قیام کیا۔ قاضی شہر شہاب الدین دولت آبادی ان سے ملنے مسجد میں آئے۔ قاضی شہاب الدین کا شمار جید عالموں میں ہوتا تھا۔ انہیں اپنے زمانے میں جو شہرت اور مقبولیت حاصل تھی، وہ ان کے معاصرین میں سے کسی کو میسر نہیں آئی۔ قاضی صاحب کا اصل وطن غزنی تھا۔ لیکن انہوں نے دولت آباد دکن میں تعلیم و پرورش پائی تھی۔ انہوں نے اپنے دور کے ممتاز علماء سے علوم وفنون کی تربیت حاصل کی تھی۔ ان کے ایک استاد قاضی عبدالمقتدر کو ان پر بہت فخر تھا۔ وہ اپنے اس ہونہار شاگرد کے بارے میں کہتے تھے۔ میرے ہاں ایک طالب علم آیا ہے، جس کا پوست بھی علم ہے، مغز بھی علم ہے اور استخواں بھی علم ہے۔

تیمور کے زمانے میں قاضی شہاب الدین نے دہلی کو خیر باد کہا اور سلطان ابراہیم شرقی کی درخواست پر جون پور پہنچے۔ سلطان نے ان کی بہت تعظیم وتوقیر کی۔ اور انہیں قاضی اللقضات کے عہدے پر مامور کیا۔ قاضی صاحب نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ مثلاً شرح کافیہ جو شرح ہندی کے نام سے بہت مشہور ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ ملا عبدالرحمان جامی جب کافیہ کی

Marfat.com

شرح لکھی اور قاضی شہاب الدین نے اسے دیکھا تو فرمایا ملا جامی نے میرے شرح ہندی کا خلاصہ لکھا ہے۔ قاضی شہاب الدین جب سید اشرف سے ملے تو ان کے بہت گرویدہ ہوئے اور ہر دوسرے تیسرے دن ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ قاضی صاحب کی سواری ان دور کے دوسرے علماء کی سواریوں کی طرح عموماً بڑے تزک و احتشام کے ساتھ گھر سے روانہ ہوتی تھی۔ لیکن سید اشرف کے حجرے سے آدھے کوس پہلے وہ پالکی سے اتر کر پیدل روانہ ہو جاتے اور خادموں کو وہیں ٹھہرنے کا حکم دیتے پھر جیسے ہی انہیں سید اشرف کا حجرہ نظر آتا، وہ سر سے عمامہ اتار کر گلے میں ڈال لیتے اور جوتیاں اسی جگہ چھوڑ کر باقی راستہ ننگے پاؤں طے کرتے ایک بار کسی نے پوچھا۔ حضرت! ہندوستان بھر میں آپ کے علم و فضل کی دھوم ہے۔ آپ نے اگر ایک فقیر کی پذیرائی اس طرح کی تو بادشاہ کی نظر میں آپ کا وقار مجروح ہو جائے گا۔

قاضی شہاب الدین کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ انہوں نے جواب دیا۔

بھائی! سید اشرف کی چوکھٹ کو بوسہ دینے سے اللہ کی نظر میں بندے کا وقار کتنا بڑھ جاتا ہے؟ اگر یہ بات تمہیں معلوم ہوتی تو شاید تم ان کی دہلیز پلکوں سے صاف کرتے۔ اس شخص نے کہا۔ ہم نے سید اشرف کی چند کرامتیں سنی تو ہیں لیکن کوئی کرامت دیکھی نہیں۔

قاضی صاحب نے غصے سے کہا۔

اندھے! تو کرامت دیکھنے کی بات کرتا ہے، اگر تو صرف سید اشرف کو دیکھ لے تو تیری آنکھیں کھل جائیں۔ قاضی شہاب الدین کی وساطت سے جون پور کے والی سلطان ابراہیم شاہ نے متعدد بار سید اشرف کی قدم بوسی کی۔ ایک بار قاضی شہاب الدین نے عرض کیا۔ آج سلطان باریابی کا شرف چاہتا تھا لیکن غلام نے یہ مناسب سمجھا کہ پہلے حضور سے اجازت طلب کر لے۔ سید اشرف نے جواب دیا۔ شہاب الدین! فقیر کے نزدیک سلطان سے بہتر تم ہو۔ وہ دنیا کے حصول کے لئے یہاں آنا چاہتا ہے مگر تم آخرت کے لئے یہاں

Marfat.com

آتے ہو۔ قاضی صاحب نے کہا۔ حضرت آپ ایک ثمر دار شجر ہیں۔ شجر یہ نہیں دیکھتا کہ کون کس نیت سے آتا ہے؟ اس کا فیض سب کے لئے عام ہوتا ہے۔

سید اشرف نے تبسم فرمایا۔ تم باتیں بہت خوب صورت کرتے ہو۔ کیا تم نے ہمیں بھی شرح کافیہ سمجھ لیا ہے؟ بہر حال ہمیں تمہاری دل دہی منظور ہے۔ سلطان آنا چاہتا ہے تو آئے لیکن ہم اس کے لئے نہیں، تمہاری خوشی کے لئے اسے قلعہ دے دیں گے۔

سلطان نے اس زمانے میں قلعہ جنادہ فتح کرنے کے لئے ایک بڑی فوج بھیجی تھی مگر میدان جنگ سے کوئی امید افزا خبر نہیں آ رہی تھی۔ قاضی شہاب الدین نے خوش خبری سن لی لیکن سلطان کو کچھ نہیں بتایا تاکہ درویشوں کے اسرار میں خیانت کے مرتکب نہ ہوں۔

دوسرے دن سید اشرف اوراد و ظائف میں مشغول تھے کہ شاہی سواری مسجد کے نزدیک پہنچی۔ سلطان چند مقربین کے ساتھ سید اشرف کے حجرے میں داخل ہوا اس نے جاتے ہی سید اشرف کے پیر پکڑ لئے۔ اس پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ وہ قلعے کے متعلق کچھ نہ کہہ سکا۔ سید متبسم ہوئے۔ ابراہیم! تیری تمام حاجتیں خدا پوری کرے گا۔ اسی کی سامنے سجدہ ریز ہو اور اسی کی ثناء کر۔ سلطان رخصت ہونے لگا، تو سید اشرف نے اسے ایک مسند عطا کی۔

تین دن بعد سلطان چند آدمیوں کے ساتھ دوبارہ مسجد میں آیا۔ اس نے سید اشرف کی خدمت میں روٹی کا ایک ٹکڑا اور ایک گلاس شربت پیش کیا۔ سید اشرف نے شوق سے روٹی کا ٹکڑا کھا لیا اور شربت پی کے کہا۔ الحمد للہ! کہ تو نے اپنی حلال کمائی سے فقیر کو مالا مال کیا۔

خدا تجھے قلعہ جنادہ کی دولت مبارک کرے۔

یہ الفاظ سنتے ہی درباری سید اشرف کے قلعے کو فتح پر مبارک باد دینے لگے۔ سید اشرف نے کہا۔ مبارکباد سلطان کو دو، اس نے بند دروازہ کھولا ہے۔ اسی وقت ایک قاصد

Marfat.com

نے سلطان کو آ کر اطلاع دی کہ قلعہ فتح ہو گیا ہے۔ سلطان کی عقیدت ہزار گنا ہو گئی۔ اس نے عرض کیا کہ یہ بندہ تو غلاموں میں شامل ہو چکا ہے۔ اب غلام زادے بھی غلامی میں آنے کے خواہشمند ہیں۔ سید اشرف نے قاضی شہاب الدین کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ سلطان تیرے بیٹے خوش قسمت ہیں کہ انہوں نے شہاب الدین جیسے ملک العلماء سے تربیت حاصل کی ہے۔

سلطان نے اسی دن قاضی شہاب الدین کو ملک العلماء کا خطاب پیش کیا اور اپنے تین بیٹے سید اشرف کی بیعت کے لئے روانہ کئے ان کے ساتھ اونٹوں اور گھوڑوں پر زرد جواہر کے خزانے بھی لدے ہوئے تھے۔ سلطان نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح سید اشرف یہ خزانے قبول کر لیں۔ لیکن سید اشرف نے شہزادوں کو مرید بنا کے زرد جواہر واپس کر دئے اور کہا کہ۔

یہ پتھر یہاں سے لے جاؤ۔

پھر سلطان نے درخواست بھجوائی کہ سید اشرف جون پور میں مستقل قیام فرمائیں سید اشرف نے جواب دیا۔ فقیر کو تیری خاطر منظور ہے لیکن جون پور کی شرط نہ لگا۔ البتہ تیری سلطنت کی حدود سے باہر نہیں جاؤں گا۔ اگر چلا گیا تو تیری سلطنت کی حدیں خود کھینچ کر فقیر تک آ جائیں گی۔ سید اشرف دو مہینے جون پور میں رہے۔ بے شمار لوگ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ اور بہت سے علماء نے ان سے بیعت کی۔ قاضی شہاب الدین کو سید اشرف نے خلافت کا خرقہ عطا کیا۔

جون پور سے سید اشرف میں پہنچے اور وہاں سے بھدونڈ آئے۔ یہاں ملک الامر... نے ان کا پر جوش خیر مقدم کیا۔ بھدونڈ ہندو جوگیوں اور پنڈتوں کا ایک بڑا مرکز بنا ہوا تھا۔

بھدونڈ کے بڑے مندر کے اطراف پانچ سو چھوٹے مندر تھے۔ اور ان مندروں کے اطراف قلعہ نما فصیلیں بنی ہوئی تھی۔ اس علاقے میں کسی مسلم کو داخل ہونے نہ

Marfat.com

اجازت نہیں تھی۔ مسلمانوں نے مندروں سے بہت دور اپنی بستی بسائی تھی۔ ملک الامرا محمود سے یہ بات سید اشرف کو بھی معلوم ہوئی۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ اگر ہم بڑے مندر ہی میں قیام کریں تو کیا مضائقہ ہے؟

محمود کے چہرے سے تشویش ظاہر ہونے لگی۔ سید اشرف کو صاف صاف منع کرنا مناسب نہیں تھا۔ آخر کچھ سوچنے کے بعد اس نے جواب دیا۔ پیرو مرشد کو اختیار ہے کہ جہاں چاہئیں قیام فرمائیں۔ لیکن چند دن پہلے کی بات ہے۔ بھدونڈ کے مندر کا بڑا پجاری گھومتا ہوا مسلم آبادی میں آ گیا تھا اور بہت سے لوگوں نے اسے ایک مسجد میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ اس وقت نماز ہو رہی تھی۔ لوگ سمجھے کہ شاید پنڈت کسی برے ارادے سے آیا ہے۔ چنانچہ اس کا پیچھا کیا گیا مگر مسجد میں داخل ہوتے ہی پنڈت نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ البتہ مسجد کے صحن میں ایک بہت بڑا اژدھا کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ اور اس کی زبان سے شعلے نکل رہے تھے۔ اور...... دلچسپ آدمی معلوم ہوتا ہے۔ سید اشرف نے بات کاٹتے ہوئے کہا اس سے تو ملاقات ہونی چاہیے۔

سید اشرف، محمود کی دست بستہ ممانعت کے باوجود اس وقت اکیلے مندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ جب مندر کے دروازے پر پہنچے تو ان کی درویشانہ وضع قطع دیکھ کر بہت سے پجاری ان کے اطراف جمع ہو گئے۔ سید اشرف نے ان سے پوچھا۔

سنا ہے، تمہارے مندر میں کوئی اژدھا رہتا ہے، جس کی سانسوں سے شعلے نکلتے ہیں؟

ایک نوجوان پجاری نے کوئی جواب دینے کے بجائے دست درازی کی جسارت کرنی چاہی، لیکن اچانک تمام پجاریوں کو ایسا محسوس ہوا، کہ جیسے وہ پتھر کے بتوں میں تبدیل ہو گئے ہوں۔ سید اشرف خاموشی سے مندر میں داخل ہو گئے۔ ان پر جس پجاری کی نظر پڑتی، وہ پتھر بن جاتا۔ سید اشرف مندر کے اندر پہنچ گئے۔ یہاں ایک بڑے بت کے سامنے ایک ننگ دھڑنگ سادھو کسی جاپ میں مصروف تھا۔ اس نے آہٹ سنی تو پیچھے مڑ کر دیکھا۔

Marfat.com

سید اشرف مسکرائے۔ سادھو کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔ اس نے چیخ کے کہا۔ ملچھ! تو نے میری تپسیا کی بے حرمتی کی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ چند جنتر منتر تجھے بھی آتے ہیں، جبھی تو نے میرے چیلوں کے پیر جکڑ دیئے۔ لیکن اس مندر سے تیری لاش باہر جائے گی۔

سید اشرف نے جواب دیا۔ تم ایک با کمال پنڈت نظر آتے ہو۔ اسی لئے تمہیں یہاں بیٹھے بیٹھے اپنے چیلوں کا حال معلوم ہو گیا۔ سید اشرف نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ جس سے اس کو راحت ملی اور اس نے اسی وقت صدق دل سے توبہ کی اور اپنے چیلوں کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ سید اشرف نے اس کا اسلامی نام بابا کمال پنڈت رکھا۔ بھدونڈ میں بابا کمال پنڈت کے ہزاروں معتقد موجود تھے۔ انہوں نے بھی سید اشرف کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور مندر ایک بڑی خانقاہ میں تبدیل کر دیا گیا۔

اس کا نیا نام روح آباد رکھا گیا تھا۔ وہ روح آباد آج کل کچھو چھ کہلاتا ہے۔ یہاں ایک اور خانقاہ بنائی گئی۔ اور اس کا نام کثرت آباد رکھا گیا کیونکہ مقامی آبادی کثرت سے مسلمان ہوئی تھی۔ ایک چھوٹا سا حجرہ بھی تعمیر کروایا گیا۔ جو وحدت آباد کے نام سے موسوم ہوا۔ اس کے مشرقی حصے میں سید اشرف اپنے خاص مریدوں کے سامنے سلوک وعرفان کے موضوع پر خطاب کرتے تھے۔

یہ حجرہ دار الامان بھی کہلاتا تھا۔ اس کے شمال میں ایک پر رونق جگہ روح افزا کے نام سے مشہور ہو گئی تھی۔ یہاں بزرگان دین آتے اور روحانی فیض حاصل کرتے تھے۔

سید اشرف کچھوچھے کے آس پاس اور کبھی دور دور کے قصبوں اور دیہات میں جا کر لوگوں کی اصلاح اور تربیت کرتے تھے۔ ایک بار وہ اودھ میں پہنچے۔ بڑے بڑے مشائخ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور اودھ کے حاکم نواب سیف خاں کو ان سے بہت عقیدت ہو گئی۔ یہ عقیدت یہاں تک بڑھی کہ انہیں خلافت کا خرقہ عطا کیا گیا۔ اودھ میں شیخ شمس الدین بھی تھے۔ ان کا شمار نامور علماء اور فصحاء میں ہوتا تھا۔ انہوں نے سید اشرف کی

Marfat.com

کیمیا اثر صحبت سے راہ سلوک کے تمام مدارج بہت جلد طے کر لئے۔ شیخ شمس الدین سے جب سید اشرف کی پہلی ملاقات ہوئی تو سید اشرف ان کی علمی گفتگو سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے ان سے پوچھا۔

شمس الدین، آپ نے اپنی گفتگو میں کئی بار اللہ جل جلالہ، کہا ہے کیا کبھی آپ نے لفظ اللہ کے حروف میں جھانک کر دیکھا ہے؟

شیخ شمس الدین نے جواب دیا۔

حضرت! میں نے کبھی کوشش نہیں کی۔

سید اشرف نے کہا اچھا، سب کتابیں بھول جایئے اور اب کہیئے۔"اللہ"

شیخ شمس الدین نے اللہ کہا اور یہ لفظ کہتے ہی چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ جب حواس معتدل ہوئے تو انہوں نے سید اشرف کے قدم پکڑ لئے۔ اور کہا پیرو مرشد! اب میں یہ قدم نہیں چھوڑوں گا۔

سید اشرف نے انہیں ایک حجرے میں لے جا کر بٹھا دیا۔ اور کہا۔

یہاں بیٹھ کر اللہ اللہ کرو۔

کئی ماہ بعد تک شیخ شمس الدین کے حجرے سے اللہ کا ایک نعرہ سنائی دیتا پھر ایک چیخ بلند ہوتی اور خاموشی چھا جاتی۔ کچھ مدت بعد سید اشرف انہیں حجرے سے باہر لائے اور انہیں بتایا کہ ساری عمر میں تم نے صرف ایک لفظ اللہ پڑھا ہے۔ یہی ایک لفظ تمہارے لئے کافی ہے۔ بعد میں شیخ شمس الدین سید اشرف کے برگزیدہ خلیفہ بنے۔

سید اشرف ردولی پہنچے شیخ صفی الدین صفی اور شیخ سما الدین ان کی ملاقات سے فیض یاب ہوئے۔ شیخ صفی الدین ظاہری علوم میں ایک بلند رتبہ رکھتے تھے۔ انہوں نے سید اشرف کے ہاتھ پر بیعت کی۔ سید اشرف نے ان کے لئے دعا کی کہ انہیں نور الانور عطا ہو۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس دعا کے بعد سے شیخ صفی الدین کا چہرہ چاند کی طرح دمکنے لگا۔ لوگ دور دور

Marfat.com

سے ان کا چہرہ دیکھنے آتے اور اس نور سے کسب فیض کرتے تھے۔ سید اشرف صرف شیخ صفی الدین کی خاطر چالیس روز ردولی میں مقیم رہے اور انہیں خلافت عطا کی۔ چلتے وقت انہیں نصیحت کی کہ تعلیم دل کی صفائی سے شروع ہوتی ہے دل کی تاریکی جتنی کم ہوتی رہے، روح میں اتنا ہی نور پیدا ہوتا ہے۔ اور ذکر اور فکر کی پہلی شرط توبہ ہے۔ توبہ سے مراد ہے، حسد سے انکار، نفاق سے انکار، جھوٹ، کنجوسی، حرص، لالچ، غصے، ریا، بہتان اور غیبت سے انکار۔

شیخ سما الدین بھی سید اشرف کے ممتاز خلفاء میں سے تھے ان کے متلعق سید اشرف کہا کرتے تھے۔

سما الدین کو مدت تک دنیا مافیہا کی خبر نہ رہی۔ لیکن جب ہوش آیا تو سمجھے کہ جو انہوں نے دیکھ لیا ہے وہ کسی نے نہیں دیکھا۔ اور جو انہوں نے سنا ہے، وہ کسی نے نہیں سنا ہم نے انہیں اس بھنور سے بڑی مشکل سے نکالا ہے۔

ردولی کے قریب ایک گاؤں میں ایک ممتاز بزرگ کریم الدین رہتے تھے۔ سید اشرف اس گاؤں کی مسجد میں فجر کی نماز پڑھنے گئے۔ مولانا کریم الدین کو مدت سے نماز میں لذت حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ اور سجدے میں حضوری میسر نہیں آ رہی تھی۔ سید اشرف کے چہرے پر ایسا نور تھا کہ کسی کو ان سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ جماعت کے لئے صفیں درست ہونے لگیں۔ سید اشرف مولانا کریم الدین کے شانے سے شانہ ملا کر کھڑے ہو گئے۔ مولانا کو ایسا محسوس ہوا، جیسے ان کے قدم زمین پر نہیں ہیں۔ پھر نماز شروع ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ کعبہ ان کے سامنے ہے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ دوسری رکعت میں مولانا کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ عرش پر کھڑے ہیں اور اس سے بھی آگے بڑھے تو مقام جبروت پہ پہنچ کے بے حال ہو گئے۔ نماز ختم ہوئی تو سید اشرف نے مولانا کو سہارا دیا اور کہا۔

''لذت قیام سے نہیں، سفر سے ملتی ہے۔ آپ تو سالہا سال سے ایک جگہ کھڑے

Marfat.com

ہیں، ایک جگہ کھڑے کھڑے تو چوپائے بھی گھبرا جاتے ہیں۔"

مولانا کریم الدین نے فرطِ عقیدت سے سید صاحب کے ہاتھ چوم لئے۔

"خدا کی قسم، آپ ایک شہباز ہیں، کونین آپ کے دو بازو ہیں اور آپ ایک دریا ہیں جس کا کوئی ساحل نہیں ہے۔"

سید اشرف کو ایسی مقبولیت حاصل تھی کہ وہ جو کہتے، ہو جاتا۔ جو بات ذہن میں سوچتے، وہ رونما ہو جاتی، جہاں جاتے ہزاروں لوگ ساتھ ہو لیتے۔ وہ آسوموئے گئے۔ تو ایک ہزار آدمی مرید ہو کر ان سے فیض یاب ہوئے۔ قصبہ جائس پہنچے تو تین ہزار افراد نے بیعت کی۔ جائس کے ایک بزرگ غلام الدین ایک عالم اور فقیہ تھے۔ انہوں نے سید اشرف سے تربیت حاصل کر کے خلافت بھی حاصل کی۔ ایک دوسرے بزرگ شیخ کمال بھی سید اشرف کے خلیفہ تھے۔ شیخ کمال جائس کے لوگوں کو روحانی تربیت دیا کرتے تھے۔ ایک بار ان کے ہاں دعوت تھی۔ دعوت کا انتظام قصبے کے کچھ لوگوں کے سپرد کر دیا گیا تھا مگر عین وقت پر معلوم ہوا کہ دعوت کا انتظام نہیں ہو سکا ہے۔ شیخ کمال نے غصے سے منتظمین کو بددعا دی کہ وہ جل کر خاک ہو جائیں۔ اچانک قصبے میں آگ بھڑک اٹھی۔ دیکھتے دیکھتے چار ہزار آدمی جل کر ہلاک ہو گئے۔ ہلاک ہونے والوں میں بہت سے بے گناہ بچے، عورتیں اور مرد بھی شامل تھے۔ شیخ کمال کو بے حد ندامت ہوئی۔ وہ فوراً سید اشرف کے پاس پہنچے۔

لیکن سید اشرف نے یہ کہہ کے ملنے سے انکار کر دیا کہ وہ میرے فرزندوں کو نذرِ آتش اور خانماں برباد کر کے اب مجھ سے کیا لینے آیا ہے؟ شیخ کمال نے کہلوایا کہ پیر و مرشد کا عتاب سر آنکھوں پر، مگر میں جہنم میں بھی جاؤں گا تو اسی آستانے سے اٹھ کر جاؤں گا۔ یہ کہہ کے دروازے کے باہر توبہ و استغفار میں مشغول ہو گئے۔ کئی مہینے کے بعد وہ بعض لوگوں کی سفارش سے ایک طشت میں ہزار چنگاریوں کی راکھ سر پر رکھ کے سید اشرف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اپنی غلطی کی معافی چاہنے لگے۔

Marfat.com

سید اشرف نے کہا۔ ''تم نے ہزاروں بچوں کے دل دکھائے ہیں۔ میں تمہیں معاف تو کر رہا ہوں لیکن تم ہمیشہ پریشان رہوں گے اور تمہاری اولاد بھی ہمیشہ پریشان رہے گی۔''

ایک بار سید اشرف قصبہ انہونہ پہنچے۔ وہاں کے تمام سادات نے ان سے بیعت ہونے کی سعادت حاصل کی۔ سید اشرف نے ان کے لئے دعا کی کہ وہ ہمیشہ آرام سے رہیں۔ پھر وہ قصبہ سدھورہ پہنچے۔ وہاں قاضی محمد سدھوری اور شیخ خیرالدین نے ان کا پرجوش استقبال کیا۔ شیخ خیرالدین کا شمار عالموں میں ہوتا تھا۔ انہوں نے فقہ کے بعض مسائل پر دوسرے علماء سے کچھ سوالات کئے تھے، مگر کسی سے انہیں انکا تشفی بخش جواب نہیں ملا تھا۔ لہذا انہوں نے سید اشرف سے ان مسائل تشریح چاہی۔ سید اشرف نے اس طرح تشریح کی کہ شیخ خیرالدین کو مکمل اطمینان ہو گیا اور انہوں نے اسی وقت ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ان کے ساتھ قاضی سدھوری اور دوسرے بارہ افراد بھی حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ شیخ خیرالدین اور قاضی محمد سدھوری دونوں کو خلافت عطا ہوئی۔

سید اشرف بنارس پہنچے۔ بنارس کے سب سے بڑے مندر میں پتھر کا ایک بڑا بت رکھا تھا۔ وہ بت اپنی بند آنکھیں کھول سکتا تھا۔ جب وہ آنکھیں کھولتا تو پورا مندر جگمگا اٹھتا تھا۔ اس بت کی یاترا کے لئے ہندوستان کے طول وعرض سے لاکھوں کروڑوں ہندو بنارس آتے رہتے تھے۔ سید اشرف جب بنارس پہنچے تو یاترا کا زمانہ تھا۔ بنارس کے گلی کوچوں میں یاتریوں کی اتنی بھیڑ تھی کہ راہ چلنا مشکل تھا۔ سید اشرف کو بت کی حیرت انگیز روشنی کے متعلق بتایا گیا۔ سید اشرف اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مندر گئے۔ مندر کے بڑے پجاری کو علم ہو گیا کہ سید اشرف روحانی طاقتوں سے مالا مال ہیں۔ لیکن اسے بھی اپنی تپسیا اور شکستیوں پر بہت گھمنڈ تھا۔ وہ سید اشرف کو بت کے قریب لے گیا اور بولا۔

آپ بھی بھگوان کو مانتے ہیں۔ فرق صرف یہ کہ آپ اسے اللہ کہتے ہیں۔ وہ کچھ رکا،

Marfat.com

پھر کہنے لگا۔ ایک فرق اور بھی ہے آپ کا اللہ نظر نہیں آتا لیکن ہمارا بھگوان پتھروں میں بھی نظر آتا ہے۔

سید اشرف نے جواب دیا۔

پتھر سے زیادہ تو آدمی صاحب فہم ہے۔ اپنے بھگوان سے کہو کہ کبھی آدمی کے روپ میں بھی نظر آئے۔

پجاری نے کہا۔

''آدمی پاپ ہے، پتھر صاف ہے اور ٹھوس ہے اور بہت طاقت ور ہے۔''

سید اشرف مسکرائے ''پنڈت جی! پتھر طاقت ور نہیں ہے، مٹی طاقت ور ہے''۔

وہ بڑا بت اچانک سوکھی ریت کی طرح زمین پر ڈھے گیا۔ پجاری زور سے ہنسا اور سید اشرف سے کہنے لگا۔

آپ کو دھوکا ہوا ہے۔ بھگوان زمین پر نہیں گر سکتے۔

اچانک ہزاروں یاتریوں کے سامنے ریت کے اس ڈھیر نے دوبارہ ایک بت کا روپ اختیار کر لیا اور اس کی تیز روشنی سے پورا مندر جگمگا اٹھا۔

یہ نظر کا فریب ہے۔ سید اشرف نے پجاری سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''حقیقت یہ ہے کہ تم بھی پتھر ہوا اور یہ بت بھی پتھر ہے اور جہاں تک روشنی کا سوال ہے تو وہ آتی جاتی رہتی ہے''۔ مندر میں اچانک اندھیرا چھا گیا۔ پجاری پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ وہ ایک مجسمے کی طرح جہاں کھڑا تھا، وہیں کھڑا رہ گیا۔ سید اشرف اپنی قیام گاہ واپس چلے آئے۔

سید اشرف جون پور میں مشرقی سلطنت کے معاصر حکمرانوں اور امراء سے گہرے تعلقات رکھتے تھے۔ اودھ کے نواب سیف خاں نے انہیں ایک گاؤں نذر کرنا چاہا۔ گاؤں کی آمدنی ایک لاکھ ٹنکہ تھی۔ سید اشرف نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

کچھوچھ میں کچھ دن قیام کرنے کے بعد سید اشرف شیخ بدیع الدین مدار کے ساتھ

Marfat.com

بیت اللہ تشریف لے گئے۔ وہاں سے شیخ بدیع الدین رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان واپس آ گئے۔ لیکن سید اشرف مدینے روانہ ہو گئے۔ مدینے سے نجف اور کربلا آئے۔ پھر روم پہنچے۔ یہاں انہوں نے مولانا جلال الدین رومی کے فرزند اور سجادہ نشین سلطان اور دوسرے اولیا سے ملاقاتیں کیں۔ پھر وہ شام آئے اور دمشق میں انہوں نے شیخ فخر الدین کی زیارت کی۔ وہاں سے پھر مکے آ کر حج کیا۔ حج کے بعد بغداد پہنچے بغداد میں انہوں نے غوث اعظم، امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کے مزاروں کی زیارت کی۔ پھر کاشان آئے۔ کاشان میں انہوں نے شیخ عبدالرزاق کاشانی سے ملاقات کی۔ اس کے بعد وہ اپنے وطن سمنان پہنچے۔ ان کی ہمشیرہ زندہ تھیں۔ سید اشرف نے ان کی بے حد دل جوئی کی۔ اور مختصر قیام کر کے مشہد آ گئے۔ یہاں وہ امام علی رضا کے آستانے پر اعتکاف میں بیٹھ گئے۔ وہ ہر وقت مزار کی جالیوں کے قریب سر جھکائے ہوئے عبادت میں مصروف رہتے۔

ایک دن ہزاروں منگول سواروں نے مزار کا محاصرہ کر لیا۔ سورج کی تیز روشنی میں حد نگاہ تک ان کی ننگی تلواریں اور برچھے جگمگا رہے تھے۔ منگول سواروں نے مزار زائرین سے خالی کرانا شروع کر دیا کیونکہ تیمور مزار پر آ رہا تھا۔ منگول سپاہی زائرین کو بے دردی سے مار رہے تھے۔ گھسیٹ رہے تھے، اور قتل کر رہے تھے۔ مزار کی عمارت چیخوں سے گونج رہی تھی۔ سید اشرف نے اعتکاف سے سر اٹھایا اور ایک مجاور سے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ مجاور نے انہیں پوری صورتحال بتا دی۔ سید اشرف نے حیرت سے کہا۔

''اگر تیمور کو آدمیوں سے اتنی نفرت ہے تو وہ یہاں آنے کی بجائے قبرستان کیوں نہیں جاتا''؟

تیمور کی سواری مزار کے دروازے پر پہنچ چکی تھی۔ اچانک محافظ دستے کے سواروں کی نظر سید اشرف پر پڑی۔ وہ تلواریں سونتے ہوئے ان پر جھپٹے۔ لیکن ان سے کچھ فاصلے پر اس طرح اوندھے منہ گر پڑے جیسے کسی ٹھوس دیوار سے ٹکرا گئے ہوں۔ پیچھے کے سواروں نے

Marfat.com

اپنے ساتھیوں کا یہ حشر دیکھا تو انہوں نے سید اشرف کی طرف برچھے پھینکنے شروع کر دیئے لیکن برچھے بھی ان سے کچھ فاصلے پر آ کے گرتے رہے، اسی وقت تیمور سامنے آیا اور اس نے دور سے پکار کے کہا۔

''محترم بزرگ! ہم آپ سے اپنے سپاہیوں کی گستاخی کی معذرت طلب کرتے ہیں اور آپ کی شفقت سے امید رکھتے ہیں، کہ ہمیں مزار کی زیارت کا موقع دیا جائیگا۔

سید اشرف آہستہ آہستہ تیمور کے قریب پہنچے۔ تیمور نے ادب سے دریافت کیا۔'' ہمیں زیارت کی اجازت ہے''؟

سید اشرف خاموشی سے اپنی جگہ جا کے بیٹھ گئے۔ تیمور نے مزار پر فاتحہ پڑی اور بہت عقیدت کے ساتھ سید اشرف سے مل کے رخصت ہو گیا۔

سید اشرف مشہد سے ہرات آئے۔ اور ہرات سے ماور النہر پہنچے۔ یہاں شیخ بہاؤ الدین نقش بندی نے آپ کی خلافت کا خرقہ عطا کیا۔ پھر سید اشرف ترکستان گئے اور اپنے نانا شیخ احمد یسوی کی اولاد سے ملے۔ ترکستان سے وہ بخارا پہنچے پھر قندھار، غزنی اور کابل سے ہوتے ہوئے ملتان آ گئے۔ ملتان سے اجودھن آئے۔ اور یہاں بابا فرید گنج شکرؒ کے مزار سے فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد انہوں نے اجمیر جا کے خواجہ معین الدین کے آستانے پر حاضری دی۔ اور اجمیز سے دکن کی طرف بڑھ گئے۔ گلبر گے میں وہ خواجہ گیسودراز سے ملے۔ پھر گلبر گے سے سراندیپ گئے۔ وہاں سے گجرات آئے اور گجرات سے اپنی خانقاہ کچھوچھ واپس ہوئے۔

سید اشرف نے تمام دنیا کی سیاحت کی اور ایک سونوے اولیا سے فیض حاصل کیا۔ ان کی زندگی کا بہت بڑا حصہ سفر میں گزرا لیکن سفر میں بھی انہوں نے شریعت کی پابندی کا الزام رکھا۔ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ عبادت سے خالی نہیں تھا۔ ان کے خلفاء میں سید عبدالوہاب کو ان سے بے حد والہانہ عقیدت تھی ایک بار سید اشرف نے انہیں کسی کام سے

Marfat.com

دہلی جانے کے لئے کہا۔ چلتے وقت سید عبدالوہاب کو یہ خیال آیا کہ سفر گھوڑے پر کروں یا کسی اور سواری پر؟ مرشد نے یہ نہیں بتایا تھا۔ دوبارہ پوچھنا احترام کے خلاف تھا۔ لہذا وہ پیدل دہلی روانہ ہو گئے۔ اور وہاں سے پیدل ہی واپس ہوئے۔ ان کے تلوے لہولہان ہو گئے تھے۔ وہ خانقاہ واپس پہنچے تو سید اشرف نے انہیں اپنے جوتے عطا کر دیئے۔ سید عبدالوہاب نے وہ جوتے چوم کر سر پر رکھ لئے اور چالیس روز تک اسی طرح گھومتے رہے۔

سید اشرف نے ماورالنہر میں تیمور کے ایک امیر شیخ ابوالمکارم سے ملاقات کی تھی اور اس سے پوچھا تھا۔ تو نے ساری عمر تیمور کی خدمت کر کے کیا حاصل کیا؟

''ماورالنہر'' اس نے جواب دیا۔

سید اشرف نے کہا۔۔۔ گھاٹے کا سودا کیا۔ اگر اتنے دن تو اللہ کی خدمت کرتا تو تجھے خدائی مل جاتی''۔

شیخ ابوالمکارم پر اتنا اثر ہوا کہ وہ تخت و تاج چھوڑ کر سید اشرف کی خدمت میں رہنے لگے۔ انہوں نے بارہ سال تک ریاضت کی۔ جب وہ مکاشفات اور واردات کی منزلیں طے کر چکے تو انہوں نے مرشد سے خلافت پائی اور مرشد کے حکم پر سمرقند میں سکونت پذیر ہوئے۔ ان کے مریدوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔

سید اشرف سیاحت کے زمانے میں یاغستان پہنچے۔ ہزاروں ازبک، برلک چقماق، لاچین اور قوچین قبیلوں کے لوگ ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے بے شمار گھوڑے اور دوسرے جانور سید اشرف کو پیش کئے۔ چند دن میں سید اشرف کے گرد ایک بڑا لشکر جمع ہو گیا۔ اس زمانے میں تیمور سمرقند میں تھا۔ تیمور کو اطلاع دی گئی کہ سمنان کا سابق والی سید اشرف ایک بڑا لشکر جمع کر کے اس کے خلاف فوج کشی کا ارادہ رکھتا ہے۔ تیمور مشہد میں سید اشرف سے مل چکا تھا۔ اس نے کہا۔ وہ بزرگ اگر ہمیں قتل کرنے بھی آئیں گے، تو ہم خود اپنا سر ان کی تلوار کے نیچے رکھ دیں گے۔ یہ کہہ کے تیمور نے اپنے ایک امیر جمشید بیگ

Marfat.com

کو بے شمار زر و جواہر کے ساتھ سید اشرف کے پاس پہنچا تو وہ کمبل اوڑھے زمین پر بیٹھے تھے۔ اس نے زر و جواہر کے انبار سید اشرف کے سامنے ڈھیر کر دیئے۔ لو بابا! ساری عمر عیش کرنا۔

سید اشرف نے قریب بیٹھے ہوئے ایک خادم سے کہا یہ زر و جواہر یاغستان کے قبیلوں میں جا کے لٹا دو۔

جمشید بیگ نے حیرت سے کہا بابا! شاید آپ کو معلوم نہیں ہے کہ امیر تیمور صاحب نے یہ زر و جواہر کتنی سلطنتوں سے، کتنے کشت و خون کے بعد حاصل کئے ہیں۔ تم انہیں ان لوگوں میں لٹا رہے ہو، جو ہیرے اور پتھر میں تمیز بھی نہیں کر سکتے؟

سید اشرف نے اس سے پوچھا کیا تجھے ہیرے اور پتھر کی پہچان ہے؟

جمشید بیگ نے اثبات میں جواب دیا۔ سید اشرف نے اسے جھڑک کے کہا تو خاک نہیں پہچانتا۔ ورنہ اب تک تیمور جیسے پتھر کی پرستش نہ کرتا۔

جمشید بیگ نے اس گفتگو کا بہت اثر لیا اور تیمور کے دربار سے علیحدہ ہو کے درویشی اختیار کر لی۔ اور سید اشرف کے ساتھ ہندوستان آ گئے۔ وہ خلافت سے نوازے گئے اور انہیں دوبارہ ان کے وطن بھیج دیا گیا۔ وطن میں انہوں نے عمر بھر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔

خلفاء میں سید عبدالرزاق، سید اشرف کے دینی فرزند کہلاتے تھے۔ ان کا لقب نور العین تھا۔ انہوں نے بارہ سال کی عمر میں سید اشرف کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ اور اڑسٹھ سال تک مرشد کی خدمت کرتے رہے۔ سید اشرف کے بعد وہی سجادہ نشین ہوئے۔ انہوں نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔

سید اشرف کے سب سے بڑے محبوب شیخ کبیر مسرور پوری تھے۔ ان پہ سید اشرف اس قدر التفات کرتے تھے کہ عبدالرزاق نور العین کو رشک ہوتا تھا کسی نے سید اشرف سے

Marfat.com

پوچھا کہ آپ شیخ کبیر کو اتنا عزیز کیوں رکھتے ہیں۔؟

سید اشرف نے جواب دیا شیخ کبیر کو کامل یقین ہے کہ اللہ رزاق ہے۔لہذا وہ اسے روزی ضرور دے گا۔شیخ کبیر کبھی روزی کے پیچھے نہیں بھاگتا، بلکہ روزی اس کے پیچھے بھاگتی ہے۔وہ روزی ملنے پر بھی شاکر رہتا ہے اور نہ ملنے پر بھی۔

ایک بار سید اشرف بخارا کے اکابر سے ملے۔انہیں معلوم ہوا کہ ان میں سے اکثر لوگ وحدت وجود کے منکر ہیں انہوں نے ان سے بحث کر کے انہیں وحدت وجود کا قائل کیا۔سید اشرف کا کہنا تھا کہ خدا کے وجود کے مقابلے میں دوسری چیزوں کا وجود ہے ہی نہیں۔وصال سے کچھ پہلے سید اشرف پہ حیرت کا عالم طاری رہتا تھا۔لیکن نماز کے وقت وہ ہوش میں آجاتے تھے۔مرض الموت میں بھی انہوں نے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ ایک دفعہ انہوں نے ایک رات اور ایک دن کی مدت قبر میں گزاری اور وہیں اپنی کیفیات قلم بند کیں اور انہیں بشارت المریدین کے نام سے مرتب کیا۔

وصال کے دن انہوں نے اپنے خلفاء اور دوسرے علماء کو بلا کر اپنے پاس بٹھایا اور ان کے مراتب کے مطابق انہیں نصیحتیں کیں۔اور تبرکات دیئے۔سید عبدالرزاق نورالعین کو انہوں نے اپنا سجادہ نشین مقرر کیا اور تمام خرقے انہیں عطا کر دیئے۔نیز چشتی بزرگوں کے وہ تبرکات بھی دیئے جو انہیں اپنے مرشد سے حاصل ہوئے تھے۔پھر انہوں نے ظہر کی نماز با جماعت ادا کی۔اس کے بعد محفل سماع منعقد کی۔قوالوں نے سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی غزل شروع کی۔سید اشرف پر وجد طاری ہو گیا۔اور وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔اسی عالم میں ان کا وصال ہو گیا۔اشرف المومنین سے تاریخ وفات نکلتی ہے 27 محرم 808ھ وصال کے وقت ان کی ایک سو بیس برس کی عمر تھی۔ان کے مزار کی تعمیر زندگی ہی میں ہو گئی تھی ان کے مزار کے متعلق مشہور ہے کہ اگر کوئی آسیب زدہ شخص وہاں قیام کرے تو اس کا آسیب دور ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

حضرت شاہ آغاز محمد رحمۃ اللہ علیہ

انیسویں صدی کے آخری دن تھے، ایک سرخ وسفید نوجوان صبح کی نماز پڑھتا اور سورج کی طرف نگاہ جما کے بیٹھ جاتا۔ ظہر کے وقت تک یہی حالت رہتی پھر اس کا رخ مغرب کی طرف ہو جاتا اس کے حجرے کے سامنے دھوپ سے بچاؤ کے لئے کھپریل بنی ہوئی تھی وہ کھپریل نوجوان نے اتروادی تھی، اس لئے مغرب کے وقت تک اس پر پوری دھوپ پڑتی رہتی۔ وہ نوجوان مسلسل سورج کی طرف دیکھ سکتا تھا لیکن خود اسے ایک نظر دیکھنے کی تاب کسی میں نہیں تھی کوئی نظر بھر کر اس کی طرف دیکھتا تو اس کا چہرہ جھلس کر رہ جاتا۔ اس کے چند عقیدت مند جان پر کھیل کے قدم بوسی کے لئے آتے تھے۔ ان کی نگاہیں بھی جھکی رہتی تھیں وہ خود بھی دوسروں کی طرف دیکھنے سے احتراز کرتا تھا۔

ان دونوں وہ نوجوان اپنے خاندان کے ساتھ وسط ہند کے علاقے ہٹ میں مقیم تھا۔

وہاں ایک پرانا قلعہ تھا، قلعے میں ایک باؤلی تھی۔ لوگ باؤلی سے پانی بھرنے آتے تھے۔ قلعے میں جانے کے لئے باؤلی سے گزرنا پڑتا تھا۔ نوجوان روزانہ فجر کی نماز کے بعد قلعے جاتا اور سورج کی طرف نگاہ جما کے کھڑا ہو جاتا پھر دس گیارہ بجے واپس آتا ظہر کے بعد وہ پھر وہاں پہنچتا اور سورج غروب ہونے کے بعد بستی کا رخ کرتا۔ لوٹتے وقت وہ باؤلی قریب آنے سے پہلے آنکھیں بند کر لیتا تھا تا کہ کسی پانی بھرنے والے پر اس کی نظر نہ پڑ جائے۔ عصا کے سہارے آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہ گھر آ جاتا ہے۔ گھر میں بھی سختی سے یہ انتظام تھا کہ اس کے آتے وقت کوئی سامنے نہ ہو۔ اس کے جلال کا یہ عالم تھا کہ لوگ اسے دور سے دیکھ کر اپنا راستہ بدل لیتے تھے۔ چرند و پرند تک گریزاں ہو جاتے تھے۔ البتہ درختوں کو نوجوان کی شرر باز نظروں سے مفر نہیں تھا۔ ان کی قسمت میں دھواں اور جلے ہوئے پتے لکھے تھے۔ ایک دن ایک خوب صورت عورت رادھا قلعے کی باؤلی سے دو گھڑے سر پر رکھ کے لا رہی تھی۔ اتفاق سے نوجان قلعے سے واپس آ رہا تھا۔ رادھا ایک تیز وطرار عورت تھی۔

Marfat.com

اس نے چاہا اس سے پہلے نوجوان اتصال راہ تک پہنچے، میں آگے نکل جاؤں کیوں کہ میرے سر پر بوجھ ہے، نوجوان تو آنکھیں بند کئے دھیرے دھیرے دیر میں پہنچے گا۔ بستی واپس جانے کا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ نوجوان دوسری پگڈنڈی سے آ رہا تھا۔ اتصال راہ کے قریب ایک گھنا اور پرانا درخت تھا۔ رادھا اس درخت کے قریب پہنچی تو نوجوان نے اس کی آہٹ سنی اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو درخت پر نظر پڑی۔ دفعتہ ہرے بھرے درخت سے دھواں اٹھا اور وہ چشم زدن میں خشک ہو گیا۔ رادھا قریب پہنچ چکی تھی نوجوان نے اسے دیکھا کر غصے سے عصا اس کے سر پر مارا۔ گھڑے ٹوٹ کے زمین پر بکھر گئے۔ رادھا پانی میں شرابور ہو گئی اور گھر کی طرف بھاگی خیریت گزری کہ نوجوان کی طرف رخ کرنے سے پہلے اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا تھا چہرہ محفوظ رہا لیکن سارے بدن میں آگ سی لگ گئی وہ روتی ہوئی اسی وقت نوجوان کی بیوی کے پاس پہنچی بی بی جی! دہائی ہے میرا سارا بدن جل رہا ہے۔

نوجوان کی بیوی نے اسے سمجھا بجھا کر بٹھا لیا۔ کچھ دیر بعد نوجوان بھی آ گیا اور حسب معمول تخت پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس کی بیوی اس کے پاس گئی ایسے وقت میں وہی اس کے سامنے جاتی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ رادھا کی خطا معاف کر دیجئے۔ بے ادب ضرور ہے مگر ناسمجھ ہے۔ نوجوان نے جواب دیا۔ ارے وہ رو کیوں رہی ہے؟ وہ تو پانی میں بھیگی ہوئی ہے۔ جلن کیسی؟ اسی وقت رادھا کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے بدن پر برف مل رہی ہو۔ اسے سکون حاصل ہو گیا اور وہ نوجوان کے گھر سے فوراً بھاگ پڑی مبادا اس سے کوئی اور غلطی سرزد ہو جائے وہ بلند آواز سے یہ کہتی جاتی تھی پرانے قلعے کی طرف مت جانا، وہ موجود ہے۔

نوجوان کا نام شاہ آغا محمد تھا۔ آغا محمد اپنے وقت کے قطب تھے اور انہیں حضرت صاحب کہا جاتا تھا وہ اللہ کے عشق میں ہر وقت سورج کی طرف دیکھتے رہتے تھے ان کے گھر

Marfat.com

کی دیوار کے ساتھ دور تک ہرے بھرے درخت لگے ہوئے تھے اور ان کے ہاں ایک طوطا بھی پلا ہوا تھا۔ ایک دن حضرت صاحب گھر لوٹے تو طوطا انہیں دیکھتے ہی شور مچانے لگا۔ حضرت صاحب آنکھیں بند کئے ہوئے صحن تک پہنچ چکے تھے طوطے کی آواز سن کے انہوں نے پلٹ کے دیکھا۔ طوطا اسی لمحے تڑپ کے مرگیا۔ حضرت صاحب کی آنکھیں کھل چکی تھیں انہوں نے درختوں کی طرف نگاہ ڈالی۔ اسی وقت تمام درخت جھلس کر رہ گئے حضرت صاحب نے گھبرا کے آسمان کی طرف دیکھا بار الہی! مجھے زندگی کے لئے ثواب بنا، عذاب نہیں میری آنکھیں صرف اتنی کھول کہ دنیا والے میرے عشق کی تپش سہار سکیں ورنہ میں تیری دنیا سے آنکھیں پھیر لوں گا۔ اس دن سے حضرت صاحب کی آنکھیں ہمیشہ نیم وا رہتیں۔ اللہ کی تجلیات نے انہیں اس طرح اپنے دامن میں لے لیا تھا کہ وہ کسی آہٹ پر چونکتے تو انہیں انوار کی تابانی کے سوا کچھ نظر نہ آتا۔ زیادہ دور کی بات نہیں، مرزا آغا محمد ۱۸۳۱ء میں شکر گنج لکھنو میں پیدا ہوئے۔ ان کے تقریباً تمام رشتہ دار ایک ہی جگہ رہتے تھے۔ کچھ عزیز محمود نگر میں بھی آباد تھے۔ آغا محمد نسلاً تہرانی تھے۔ ان کے والد کے پردادا مرزا محمد قاسم اودھ کی سلطنت کے شباب میں لکھنو پہنچے تھے۔ لکھنو میں وہ محکمہ دارالضرب کے داروغہ ہوئے اس تقرر اور شاہ اودھ کی قدر شناسی نے انہیں ہمیشہ کے لئے لکھنو کا کر دیا۔ ان کے بعد ان کی اولاد بھی لکھنو ہی میں رہی اور شاہی زمانے میں یہ سب لوگ معزز عہدوں پر فائز رہے۔ علم و فضل میں بھی یہ خاندان ہمیشہ ممتاز رہا۔

حضرت صاحب کے والد محمد مرزا واجد علی شاہ کی چچا امجد علی کے عہد میں محکمہ تعمیرات کے داروغہ تھے۔ سلطنت کے زوال کے بعد محمود آباد میں درگاہ کے داروغہ مقرر ہوئے۔

وہیں ان کا انتقال ہوا حضرت صاحب کی والدہ سید علی مردان کے خانودے سے تعلق رکھتی تھیں۔ سید علی مردان کی نہر دہلی میں بہت مشہور تھی۔ شیر مردان خان ان کے خالو تھے جن کا باغ شیر جنگ کے نام سے اب بھی لکھنو میں موجود ہے۔ وہ بہت نیک نفس، خدا ترس

Marfat.com

اور عبادت گزار عورت تھیں۔ محرم میں ان کا یہ دستور تھا کہ وہ چاند کی منتظر رہتیں اور مناقب پڑھتے ہوئے روتی رہتیں۔ محرم کا چاند دیکھتے ہی کھانا چھوڑ دیتیں۔ سات محرم تک صرف رات کو دودھ پیتیں اور ۸ محرم سے کھانا پینا سب چھوڑ دیتیں۔ حتی کہ نقاہت سے دن میں کئی بار بے ہوش ہو جاتیں۔ آغا محمد کو اہل بیت کی محبت والدین سے ورثے میں ملی تھی۔ بچپن ہی میں اس محبت نے ان کے دل پر تسلط جما لیا تھا۔ انہیں کھیل کود سے کوئی رغبت نہیں تھی مکتب گھر کے نزدیک تھا خاندان کے سب لڑکے وہیں پڑتے تھے آغا محمدؒ نے کم عمری میں قرآن حفظ کر لیا تھا اور گلستان بوستان اور میزان الصراف وغیرہ ختم کر لی تھیں۔ انہی دنوں ایک شاہ صاحب اپنے خاندان کے ساتھ ان کے باغ میں آ کے مقیم ہوئے۔ آغا محمد اکثر رات کے وقت شاہ صاحب کی باتیں سننے کے لئے باغ میں چلے جاتے ایک رات وہ باغ میں پہنچے تو شاہ صاحب کی جھونپڑی کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ انہوں نے اندر سے شاہ صاحب کی بیوی کی آواز سنی وہ اپنے شوہر سے کہہ رہی تھیں۔ آج فاقے کا تیسرا دن ہے۔ بچوں کو بڑی مشکل سے بہلایا ہے۔ نہایت دقت سے سوئے ہیں سوئے کہاں ہیں، فاقے کی نقاہت نے غافل کر دیا ہے۔

آغا محمد جلدی سے گھر واپس آئے اور والدہ سے کھانا لے کے دوبارہ باغ میں پہنچے انہوں نے شاہ صاحب کو آواز دی اور کھانا ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ شاہ صاجب نے اپنی بیوی سے کہا۔ نیک بخت! اللہ نے رزق پہنچا دیا ہے۔ بچوں کو بیدار کر دو۔

ان کی بیوی بچوں کو جگا کے ان کے منہ ہاتھ دھلانے میں مصروف ہو گئی۔ چٹائی پہ کھانا رکھا ہوا تھا۔ شاہ صاحب گھڑا اٹھا کے باغ کے کنوئیں سے پانی بھرنے چلے گئے۔ آغا محمد بھی ان کے ساتھ تھے۔ دونوں پانی لے کر واپس آئے تو دیکھا کہ کھانا ایک کتا کھا رہا ہے۔ شاہ صاحب خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گئے ان کی بیوی نے حسرت سے کہا۔ افسوس کہ کتا رزق پائے اور آدمی کے بچے بھوکے رہیں۔ شاہ صاحب یہ سن کے بہت متاثر ہوئے

Marfat.com

اور کتے کی طرف دیکھنے لگے وہ ابھی تک کھانے میں مصروف تھا۔ شاہ صاحب نے اس سے کہا تو مر کیوں نہیں جاتا؟ کتنے کھانا چھوڑ کے فوراً ایک انگڑائی لی اور اسی وقت اس کی جان نکل گئی۔ آغا محمد کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ شاہ صاحب نے ان سے کہا۔ صاجزادے! روتے کیوں ہو مشیت ایزدی یہی تھی۔ تم نے حق خدمت ادا کر دیا۔ اللہ تمہیں جزا دے گا تمہیں تو رونے کے بجائے خوش ہونا چاہیے۔

آغا محمد کا دل اور بھر آیا۔ وہ خوب روئے۔ شاہ صاحب نے شفقت سے انہیں گلے لگا لیا۔ صاجزادے! ہمیشہ یاد رکھنا کہ آج میں نے تمہیں گلے لگایا ہے کل بڑے بڑے اولیا تمہیں گلے لگائیں گے گھبراؤ نہیں بندے کے اور اللہ کے معاملات عجیب ہوتے ہیں اللہ باقی ہے بھوک فانی ہے ابھی یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اب گھر جاؤ اور چین سے سوؤ۔

آغا محمد کی عمر مشکل سے نو دس برس تھی وہ گھر آ کے ساری رات بستر پر کروٹیں بدلتے رہے۔ صبح ہوتے ہی انہوں نے والدہ کو رات کا واقعہ سنایا ان کی والدہ نے جلدی جلدی کھانا تیار کر کے ایک لونڈی کے ہاتھ شاہ صاحب کو بھیجا آغا محمد بھی ساتھ گئے لیکن شاہ صاحب کی جھونپڑی دیکھ کے انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے وہ برسوں سے ویران پڑی ہو نہ شاہ صاحب تھے، نہ ان کی بیوی بچے، وہ حیرت زدہ رہ گئے کہ ایک بھرے پرے خاندان کو کون سی ہوا کہاں اڑا کے لے گئی؟ انہیں سکتہ سا ہوا اور اسی وقت ان کا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا اور خدا کا تصور جسم و جاں پر محیط ہو گیا۔

وہ اکثر اپنی والدہ سے پوچھتے ماں! خدا کیسے ملے گا؟ وہ مسجد میں نمازیوں سے بھی یہ دریافت کرتے اور پیش امام سے بھی پوچھتے لوگ جواب میں انہیں مختلف عبادتیں اور وظائف بتاتے مگر انہیں سکون میسر نہ ہوتا۔

آخر ایک شخص نے انہیں بتایا کہ باندے میں ایک بزرگ شاہ مخصوص عالم رہتے

Marfat.com

ہیں وہ کافروں تک کو ایمان کی دولت سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ ان کا ایک واقعہ سنو۔ ایک بادشاہ مخصوص عالم اپنے کسی خادم کے ساتھ بنارس گئے۔ انہوں نے شہر سے باہر ایک بوسیدہ مسجد میں قیام کیا وہاں چند لوگوں نے ان کی گفتگو سنی اور متاثر ہو کے ان کے گرویدہ ہو گئے۔ رفتہ رفتہ بنارس بھر میں ان کا چرچا ہونے لگا۔ یہ ایک اجڑی ہوئی مسجد تھی۔ بسا اوقات ایک بھی نمازی نہیں آتا تھا۔ شاہ مخصوص عالم اور ان کے خادم کو تنہا رہنا پڑتا تھا۔ اسی تنہائی میں ایک دفعہ مسلسل تین دن سے فاقہ تھا۔ خادم نے ان سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو شہر جا کے کچھ مزدوری کر لاؤں؟ شاہ مخصوص عالم تے جواب دیا جو خدا شہر میں روزی دے سکتا ہے وہ یہاں بھی موجود ہے اور مجبور نہیں ہے۔ گھبراؤ نہیں۔ جلدی کیا ہے۔

ان دونوں باندے کا نواب بنارس کے راجا کا مہمان تھا اور اسے شاہ مخصوص عالم کی موجودگی کا علم ہو چکا تھا وہ ان کی خدمت میں پہنچا دونوں میں دیر تک مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ رخصت ہوتے وقت نواب نے انہیں کھانے کی دعوت دی۔ شاہ مخصوص عالم نے کہا۔ میں ضرور حاضر ہوتا لیکن آج کل میں اللہ کا مہمان ہوں، میزبان کی مرضی کے بغیر مہمان کو کسی دوسرے کے دروازے پر نہیں جانا چاہیے۔ نواب مایوسی سے لوٹ گیا۔ ان نے افسردگی کے ساتھ اپنے مصاحبین سے کہا۔ خواہش تھی کہ شاہ صاحب میرے دستر خوان کی عزت بڑھاتے لیکن انہوں نے مجھے اس اعزاز کے قابل نہیں سمجھا۔

ایک مصاحب نے اعتماد سے کہا۔ آپ دعوت کا انتظام کیجئے۔ شاہ صاحب کو لانے کی ذمے داری میں لیتا ہوں۔

مصاحب شاہ مخصوص عالم کے پاس آیا اور ان سے کہا۔ آج پنج تن پاک کی فاتحہ ہے۔ آپ تشریف لے چلیے۔ فاتحہ پڑھئے اور ہم لوگوں کو بھی داخل حسنات کیجئے۔

شاہ مخصوص عالم مسکرائے۔ واہ مولا! ایک گنہگار بندے کے لئے پنج تن پاک کو درمیان میں لے آیا چلو چلتے ہیں، یہ کہتے ہوئے نواب کی قیام گاہ پر پہنچ کے انہوں نے فاتحہ

Marfat.com

میں شرکت کی۔ کھانے کے بعد سماع کی محفل آراستہ ہوئی بنارس کا راجا بھی اپنے مندر کے بڑے پجاری کے ساتھ محفل میں شریک تھا۔ بڑا پجاری شاہ مخصوص عالم پھٹا پرانا لباس نخوت اور حقارت سے دیکھ رہا تھا۔ شاہ صاحب نے اس کے ہاتھوں میں پڑے ہوئے سونے کے کڑے اور زریں دوشالا دیکھ کے نظریں جھکالی تھیں۔ قوال جوش وخروش سے گا رہے تھے۔

محبت غیر سے میری چھڑا دو یا رسول اللہ ﷺ

شاہ مخصوص عالم پر جذب کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اسی حالت میں انہوں نے پجاری کو مخاطب کر کے کہا سنو کیا کہا جا رہا ہے۔ یہ کہہ کے وہ مستی میں قوال کے ساتھ مصرع دہرانے لگے۔

محبت غیر سے میری چھڑا دو یا رسول اللہ ﷺ

پجاری نے جیسے ہی شاہ مخصوص عالم کے چہرے پر نظر کی دفعتہ اس کے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا اور بیتاب ہو کے چیختے ہوئے نعرہ لگایا لا الہ الا اللہ کسی کو یقین نہ آیا کہ بڑا پجاری ہے، سب محو حیرت تھے، پجاری اپنا سر جھٹکتا، جھومتا نعرے لگاتا ہوا شاہ مخصوص عالم کے پیروں پر گر گیا۔ انہوں نے اسے اٹھایا اور کہا۔ تیری جگہ میرے سینے میں ہے۔

آغا محمد رحمۃ اللہ علیہ یہ واقعہ سن کے بے چین ہو گئے۔ جو آگ ان کے سینے میں سلگ رہی تھی، وہ بھڑک اٹھی۔ ان کی عمر تیرہ چودہ برس ہوگی۔ وہ گھر سے خدمت گار کے بغیر کبھی نہیں نکلے تھے لیکن اس وقت انہیں نہ اپنی کم سنی کا خیال رہا، نہ سفر کی مشکلوں کا خیال ان کے پاس زادراہ بھی نہیں تھا، مگر وہ کسی کو اطلاع دیئے بغیر شاہ مخصوص عالم کے شہر باندے جانے کے لئے گھر سے نکل گئے اس زمانے میں ریل نہیں تھی۔ چنانچہ وہ مصائب برداشت کرتے ہوئے پیدل ہی روانہ ہو گئے۔ کان پور پہنچے پہنچتے ان کے تلووں میں چھالے پڑ چکے تھے اور فاقوں سے ان کا چہرہ نڈھال تھا۔ اتفاقاً کان پور کا ایک رئیس ان کے خاندان سے واقف تھا اس نے انہیں بازار سے گزرتے ہوئے دیکھ کہ پہچان لیا اور اصرار کر کے اپنے گھر

Marfat.com

لے گیا۔ آغا محمد کو خیال آیا ایسا نہ ہو کہ یہ مخلص شخص مجھے پھر گھر بھجوا دے یا میرے گھر والوں کو خبر کر دے۔

کوئی مراسم بھی نہیں ہیں۔ پھر یہ دعوت کیسی؟

انشا میاں خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد اتفاق سے انہوں نے شاہ مخصوص عالم کا ذکر چھیڑ دیا کہ وہ ایک پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ باندے کے نواب اور امراء ان کی خدمت میں دست بستہ کھڑے رہتے ہیں لیکن شاہ صاحب کا حال یہ ہے کہ وہ بازار جا کے غریبوں اور بیواؤں کا سودا سلف خریدتے ہیں اور مطلوبہ سامان اپنے سر پہ رکھ کر ان لوگوں کو پہنچاتے ہیں۔

حاضرین میں سے کسی نے شاہ مخصوص عالم کے باطنی علم کی اور کسی نے ظاہری علم کی تعریف کی۔ انشا میاں نے بتایا کہ باندے کے تقریباً تمام علماء اپنے مسائل کے تصفیے کے لئے شاہ صاحب سے رجوع کرتے ہیں، شیخ الاسلام مولوی احسان الحق اپنے تمام علم و فضل کے باوجود شاہ مخصوص عالم کے مرید ہیں۔

آغا محمد یہ گفتگو سن کے انشا میاں سے ایک ربط محسوس کرنے لگے۔ اس لئے انہوں نے ان کے گھر جانا منظور کر لیا لیکن وہ وہاں پہنچے اور دستر خوان بچھا تو انہوں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا انشا میاں نے اصرار کیا مگر وہ نہ مانے۔ آخر انشا میاں نے ان سے پوچھا۔

صاحبزادے! آپ نے تعلیم کہاں تک حاصل کی ہے؟

انہوں نے اپنی تعلیم بتائی، انشا میاں نے دوسرا سوال کیا۔ کیا آپ ملازمت کر سکیں گے؟

آغا محمد نے جواب دیا۔ ہاں اگر میرے لائق ملازمت ملے گی تو ضرور کروں گا۔

انشا میاں نے کہا کہ میرے لڑکے نے حال ہی میں گلستان شروع کی ہے آپ اسے پڑھا دیا کیجئے۔ میں آپ کو دستر خوان اور چار روپے ماہانہ تنخواہ دے دیا کروں گا۔ آغا محمد نے

Marfat.com

حامی بھر لی۔ انشا میاں نے کہا۔ آپ کی ملازمت آج ہی سے شروع ہو گئی۔ اب کھانا تناول کر لیجئے۔

آغا محمد نے پہلے لڑکے کو بلوایا، اس کا سبق سنا اور اگلا سبق دل جمعی سے پڑھایا پھر کھانا کھایا۔ انہوں نے ملازمت اس شرط پر قبول کی تھی کہ جب تک ان کا دل چاہے گا وہ رہیں گے۔

صرف چند روز میں وہ وہاں سے اکتا گئے۔ شاہ مخصوص عالم سے ملنے کی خواہش انہیں ہر وقت بے چین رکھنے لگی۔ آخر ایک دن وہ چپکے سے روانہ ہو گئے باندے پہنچ کے جب وہ شاہ مخصوص عالم کی خانقاہ گئے تو شاہ صاحب اپنے مریدوں کو درس دے رہے تھے۔ اچانک ان کی نظر آغا محمد پر پڑی۔ وہ فوراً بولے سبحان اللہ کیسے علم کو کیسا طالب ملا ہے۔

آغا محمد دیوانہ وار ان کے قدموں پر جا گرے۔ شاہ صاحب نے مسند سے اٹھ کر انہیں سینے سے لگایا۔ اسی وقت ان سے بیعت لی اور انہیں اپنے درس میں شامل کر لیا۔ قاعدے کے مطابق ان کے لئے چار روپے مہینہ وظیفہ مقرر ہوا ایک غریب سید جیل خانے میں ملازم تھے۔ ان کے ہاں آغا محمد کے رہنے کا انتظام ہو گیا۔ سستا زمانہ تھا ایک روپے کا چار پانچ سیر گھی، ایک روپے کا منوں غلہ اور ایک آنے سیر گوشت ملتا تھا۔ آغا محمد اپنے وظیفے سے ایک روپیہ مرشد کی نذر کر دیتے تھے۔ آٹھ آنے اپنے لئے رکھتے تھے اور آٹھ آنے چوکیدار کو دیتے تھے تا کہ وہ آدھی رات گزرنے کے بعد انہیں جگا دیا کرے ان کے سرہانے ٹھنڈے پانی کا گھڑا رکھا رہتا تھا۔ چوکیدار کو تاکید تھی کہ اگر غفلت کی وجہ سے ان کی آنکھ نہ کھلے تو وہ ان کے سر پر پانی ڈال دیا کرے۔ وہ شہر سے باہر ایک مسجد میں جا کے صبح تک عبادت کرتے اور فجر کی نماز پڑھ کے وہاں سے خانقاہ واپس آتے۔ دن بھر شیخ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے پھر مغرب سے پہلے اعتکاف کے لئے آبادی سے باہر نکل جاتے۔

ایک دن شیخ الاسلام مولوی احسان الحق خانقاہ پہنچے۔ شاہ مخصوص عالم کا حجرہ بند تھا۔

Marfat.com

انہوں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو انہیں آغا محمد بھی نظر نہیں آئے۔ خانقاہ کا ایک خادم موجود تھا وہ کسی ایسے شخص سے گفتگو کر رہا تھا جس کی نہ شکل نظر آ رہی تھی نہ آواز سنائی دے رہی تھی۔ مولوی احسان الحق خادم کے پاس پہنچے اور آہستہ سے اس کی پشت پر ہاتھ رکھ کے پوچھا۔ تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟

اچانک انہیں آغا محمد فرش پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ ان کی آنکھیں جلال سے سرخ ہو رہی تھیں۔ عام حالات میں وہ مولوی احسان الحق کا بہت احترام کرتے تھے لیکن اس وقت انہوں نے غصے سے کہا۔ مولوی صاحب جو باتیں تمہاری کتابوں میں نہیں لکھی ہیں، ان پر گفتگو نہ کیا کرو۔ اسی وقت حجرے کا دروازہ کھلا اور شاہ مخصوص عالم نے باہر آ کے آغا محمد سے کہا۔ آغا! جو کتابیں تم نے پڑھی ہی نہیں ہیں، ان پر تبصرہ کرنے سے گریز کیا کرو پھر وہ مولوی احسان الحق سے مخاطب ہوئے۔ احسان! آغا بھی بچہ ہے۔ شریعت سے دامن چھڑا کے طریقت کی طرف بھاگ رہا ہے کچھ دن اور میرے پاس رہا تو جذب میں کھو جائے گا۔ اسے ظاہری علم سے آراستہ کرو۔ آج سے یہ تمارا دینی بیٹا ہے۔

مولوی احسان الحق خوشی خوشی آغا محمد کو گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ ہمیں یہ بیٹا شاہ صاحب نے عطا کیا ہے۔ مولوی احسان الحق کی بیوی بے اولاد تھیں اور انہیں اولاد نہ ہونے کا بہت غم تھا وہ بے حد خوش ہوئیں اس دن سے آغا محمد مستقلاً مولوی احسان الحق کی حویلی میں منتقل ہو گئے۔ ابھی تک انہوں نے شاہ مخصوص عالم یا مولوی احسان الحق کو اپنے خاندان کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا تا کہ ان کے ماں باپ کو خبر نہ ہو جائے اور وہ آب حیات کے جس چشمے پر کھڑے ہیں۔ وہاں سے انہیں لوٹنا نہ پڑے۔

آغا محمد ابھی ظاہری اور باطنی علوم کی تحصیل کر رہے تھے کہ ایک شام شاہ مخصوص عالم نے اپنے تمام عقیدت مندوں اور مریدوں کو جمع کر کے ان سے کہا۔ عزیزو! میرا آخری وقت آ پہنچا ہے۔ آغا محمد کی تعلیم مکمل ہونے میں ابھی بہت وقت ہے میں اسے تم لوگوں کے سپرد

Marfat.com

کرتا ہوں اور اسے اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔ شاہ مخصوص عالم نے اپنے سر سے سبز دستار اتار کے آغا محمد کے حوالے کر دی۔ حاضرین پر رقت طاری ہو گئی۔ شاہ صاحب نے سب کو صبر کی تلقین کی اور حجرے میں جا کے خود کو اپنے حقیقی محبوب کے سپرد کر دیا۔ محبوب نے انہیں قبول کر لیا۔

آغا محمد کو مرشد کے انتقال کا بہت صدمہ تھا مگر مولوی احسان الحق کی دل جوئی نے انہیں پھر علم کی تحصیل کی طرف متوجہ کر دیا۔ اب ان کی عمر ۲۶ سال ہو چکی تھی وہ بہت وجیہہ نوجوان تھے جہاں سے گزرتے لوگ انہیں دیکھتے رہ جاتے۔ بڑے بوڑھوں کا کہنا تھا کہ انہوں نے آغا محمد سے زیادہ خوب رو نوجوان کبھی نہیں دیکھا۔ مولوی احسان الحق کی بیوی ان کی دینی ماں تھیں، ان کے سوا کوئی عورت کوشش کے باوجود ان کے چہرے پر نگاہ نہیں ڈال سکتی تھی۔ آغا محمد نہایت تیزی سے علم و عرفان کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ انہی دنوں باندے میں ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی کی خبریں پہنچیں پھر یہ اطلاع ملی کہ لکھنوء تاراج ہو گیا ہے اور وہاں انگریزوں کے ہاتھوں شہریوں کی آبرو لٹ رہی ہے آغا محمد نے اس سلسلے میں ایک جگہ لکھا ہے۔ ''میں اپنا صدمہ کسی طرح ظاہر نہیں کر سکتا۔ مجھ پر ایسی خاموشی طاری ہوئی کہ جس وقت مؤذن نے مغرب کی اذان دی اس وقت مجھے ہوش آیا ہر چند میں چاہتا تھا کہ طبیعت اس خیال سے ہٹا لوں مگر دل پر قابو نہیں تھا۔ یہاں تک کہ نماز کے دوران بھی لکھنوء کی تباہی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے رہا۔ میں نے نماز کے بعد دیر تک توبہ واستغفار کی کہ اے پاک بے نیاز! جو تجھے منظور تھا، ہوا مگر اب میری بے قراری دور فرما اور میرے دل کو سکون دے۔ مجھے تیرے کارخانے میں کیا دخل اور میری فکر کس کام کی۔ یا مقلب القلوب میرا دل اس طرف سے پھیر دے۔ میں نادم ہوں تو علیم و دانا ہے کہ یہ طبیعت میری بنائی ہوئی نہیں ہے اگر میرے عزیز و اقارب زندہ ہیں اور میری مادر مہربان بقید حیات ہیں اور میرے والد اور بھائی دنیا میں باقی ہیں تو ان کا اچھا ٹھکانا کر دے اور اگر ان کی اس عالم کی

Marfat.com

سیر پوری ہو چکی ہو تو انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرما اور انہیں بخش دے۔''

نماز کے بعد آغا محمد استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ استاد نے اندازہ لگا لیا کہ آغا محمد پر لکھنؤ کی خبروں کا برا اثر پڑا ہے، انہوں نے شاگرد کو دلاسا دیا اور کہا۔'' تمہارے لئے تو لکھنؤ اسی دن تاراج ہو چکا تھا، جب تم نے اسے چھوڑا تھا۔ ہمیشہ باقی رہنے والی صرف اللہ کی ذات ہے۔ خود کو اس کی زات میں گم کر دو۔''

جنگ آزادی کی ناکامی ہندوستانیوں پر انتقام کی بجلی بن کر ٹوٹ چکی تھی۔ باندہ بھی اس انتقام کی زد پر تھا مولوی احسان الحق نے کرائے کی ایک گاڑی اور گھر کا تمام اثاثہ لے کے اپنے اعزا اور آغا محمد کے ہمراہ راتوں رات بستی سے نکل گئے وہ لوگ یہاں وہاں ہوتے ہوئے ترہوانی پہنچے، ترہوانی پر زبردست لوٹ مار کے بعد انگریزوں کا تسلط ہو چکا تھا۔ ترہوانی کا تحصیلدار مولوی احسان الحق کا بہت معتقد تھا۔ اس نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور بڑی عزت سے اپنے گھر لے گیا۔ تمام خاندان کا دستر خوان اور تمیں روپے ماہانہ مقرر ہو گئے یہاں چند دن سکون سے گزرے ایک روز مولوی احسان الحق کے لئے زنان خانے سے کھچڑی آئی۔ انہوں نے کھچڑی اسی وقت واپس بھجوادی اور اپنی بیوی سے کہا۔ چلو، اب یہاں سے رزق اٹھ گیا۔

بیوی نے پوچھا۔ کیسے؟ یہ ایک اچھا ٹھکانا ہے۔ ویسے بھی ان دنوں سفر کرنا دانش مندی کے خلاف ہے۔ مولوی احسان الحق نے جواب دیا۔ تحصیلدار پر ادبار آنے والا ہے ثبوت یہ ہے کہ میرے لئے کھچڑی جھوٹے برتن میں آئی تھی۔

بیوی نے سامان بندھوانا شروع کر دیا۔ تحصیلدار کو اطلاع ہوئی تو اس نے آ کے بہت منت سماجت کی کہ آپ اپنا ارادہ ملتوی کر دیجئے لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور خاموشی سے رخصت ہو گئے۔ دوسرے ہی دن خبر آئی کہ تحصیلدار کو بغاوت کے الزام میں کالے پانی کی سزا سنادی گئی ہے۔

Marfat.com

مولوی صاحب، آغا محمد کے ہمراہ منزل بہ منزل قیام وسفر کرتے ہوئے جبل پور جا نکلے یہاں ضلع کے سر شتے دار قاضی عظیم الدین نے ان کا پر جوش خیر مقدم کیا اور انہیں نہایت معقول مشاہرے پر اپنے لڑکوں کی تعلیم کے لئے مقرر کیا مولوی احسان الحق نے یہ ملازمت جلد ہی چھوڑ دی اور تہیہ کر لیا کہ اب کہیں نوکری نہیں کریں گے جبل پور چھاؤنی میں انہوں نے پہلے مسلم مدرسے کی بنیاد ڈالی اور آغا محمد کے ساتھ تعلیم وتدریس میں مصروف ہو گئے۔

انہی دنوں آغا محمد نے خواب میں دیکھا کہ شاہ مخصوص عالم شادی کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور ان سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں کہ لو آغا! ہم تمہاری شادی بھی کر چلے آغا محمد نے یہ خواب استاد کو سنایا استاد نے اپنی بیوی سے کہا کہ مبارک ہو۔ پیرو مرشد نے تمہارے بیٹے کی شادی کا انتظام کر دیا ہے مرشد نے شادی کا لفظ استعمال کیا تھا اس لفظ سے ان کی یہ خواہش ظاہر ہوتی ہے، یہ تقریب ایسی دھوم سے ہو کہ سارا شہر دیکھ کہ عش عش کر اٹھے۔

آغا محمد کو تعجب تھا کہ انہیں شادی کرنے کا خیال تک نہیں تھا اور ان کے پاس اخراجات کے لئے پیسے بھی نہیں تھے لیکن مولوی احسان الحق کی بیوی نے جبل پور کے رئیس اعظم خواجہ عطاء اللہ کی بیٹی کے لئے ان کا پیغام بھجوا دیا۔ رشتہ فوراً منظور بھی کر لیا گیا۔ فوجی چھاؤنی میں مولوی احسان الحق کے بہت سے شاگرد موجود تھے وہ فوج کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ انہوں نے مل جل کے اس شان وشوکت سے آغا محمد کی شادی کی کہ وہ جبل پور کی تاریخ کا ایک یادگار واقعہ بن گئی۔ شاید مولوی احسان الحق صرف آغا محمد کی دنیوی تکمیل کے لئے زندہ تھے۔ آغا محمد کی شادی کے بعد ایک دن انہیں رات کی کسی دعوت میں جانا تھا۔ مغرب کی نماز پڑھ کے انہوں نے کہا۔ کاش بادلڑی پانی برسا دیتا تو مجھے عذر ہو جاتا۔

یہاں تک کہ عشاء کا وقت ہو گیا۔ نماز کے بعد میزبان انہیں لینے کے لئے آ گیا۔ مولوی احسان الحق خود اس کے ساتھ چلے گئے۔ لیکن اس کے بے حد اصرار کے باوجود آغا محمد

Marfat.com

کو ساتھ لے جانے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ وہ میزبان کے گھر پہنچے تو خوب پانی برسا۔ میزبان نے تواضع کا خاص اہتمام کیا تھا۔ مولوی احسان الحق نے سیر ہو کے کھانا کھایا لیکن گھر لوٹ کے ان کا اضطراب بڑھ گیا۔ نصف شب کے بعد ان کی وحشت اور زیادہ ہو گئی اور صبح ہوتے ہوتے ان پر بے ہوشی طاری ہونے لگی۔ حکیم کو بلوایا گیا۔ مولوی احسان الحق نے اپنی بیوی سے کہا۔ کھلاڑی کا کھیل ختم ہو گیا اب علاج سے کیا فائدہ؟ ان کی بیوی گریہ و زاری کرنے لگیں۔

''موت تو سب کے لئے ہے۔ روتی کیوں ہے نیک بخت! وقت کم ہے، ایک بات غور سے سن لے مولوی احسان الحق نے اپنی بیوی کو دلاسا دیتے ہوئے کہا''۔ ''میری ایک خواہش ہے، باقی زندگی میرے اور اپنے اعزا کے بجائے اپنے دینی بیٹے کے پاس گزار دینا۔ بستر کے اطراف علماء اور مرید جمع تھے۔ ان سے انہوں نے کہا۔'' شاہ مخصوص عالم، آغا محمد کو اپنا جانشین نامزد کر چکے ہیں۔ آپ سب لوگ گواہ رہنے گا کہ میں نے مرشد کی امانت ان تک پہنچا دی ہے۔ آج سے میرے بیٹے کو شاہ مخصوص عالم کا سجادہ نشین تصور کیا جائے''۔ یہ اعلان کر کے مولوی احسان الحق نے مرشد کی سبز دستار اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے آغا محمد کے سر پر رکھ دی۔ میں یہ امانت آج سے تمہارے سپرد کر رہا ہوں۔ پھر ان کا انتقال ہو گیا۔

آغا محمد مرشد اور استاد کے انتقال کے بعد خود کو بہت تنہا محسوس کرتے تھے۔ وہ کئی کئی دنوں کے لئے جنگلوں میں نکل جاتے، مجاہدے کرتے، اعتکاف میں بیٹھے رہتے لیکن انہیں سکون میسر نہ آتا۔ ان کا ذہن بہت سے مسائل میں الجھا ہوا تھا۔ شہر میں کوئی اور صاحب باطن نہیں تھا انہوں نے چند علماء سے خط و کتابت کی لیکن ان کی الجھن بڑھتی گئی وہ اکثر پوری پوری رات روتے ہوئے گزار دیتے تھے یہ حال دیکھ کے ایک دن ان کی دینی ماں نے ان سے پوچھا۔ بیٹا ہر وقت روتے کیوں ہو اتنے اداس کیوں رہتے ہو؟

Marfat.com

آغا محمد نے ادب سے جواب دیا۔ اپنی بدقسمتی پر روتا ہوں، پہلے مرشد کا ساتھ چھوٹا پھر استاد بچھڑ گئے۔ جس منزل کے شوق نے گھر سے بے گھر کیا تھا۔ میں اب بھی اس سے بہت دور بھٹک رہا ہوں۔ منزل ملنا تو درکنار، راستے تک کا پتہ نہیں چلتا۔ ''تمہیں صبر و سکون سے وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ بانس بریلی میں شاہ نظام الدین حسین موجود ہیں۔ تم ان سے اپنا مدعا تو کہہ کے دیکھو'' ماں نے کہا۔

آغا محمد نے شاہ نظام الدین کو ایک خط لکھا اور خط میں شریعت و طریقت کے متعلق کچھ سوالات کئے۔ شاہ نظام الدین نے اتنے جامع جوابات روانہ کئے کہ آغا محمد ان سے ملاقات کے لئے تڑپ اٹھے۔ انہوں نے ماں سے اجازت لی اور بریلی پہنچ کے شاہ نظام الدین سے ملے شاہ صاحب کے علمی تجر اور التفات نے ان کا دل موہ لیا۔ وہ ان سے کسب فیض کر کے جبل پور آ گئے۔ پھر وہ کئی بار بریلی گئے اور آئے اب ریل چلنے لگی تھی لکھنو، راستے میں پڑتا تھا۔ وہاں رک کے انہوں نے اپنے والدین اور عزیزوں سے بھی ملاقات کی علم کی طلب انہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتی تھی۔ وہ بریلی کی خاک کو سرمہ بنا لینا چاہتے تھے۔ ایک دن انہوں نے کواب میں دیکھا کہ شاہ مخصوص عالم ان کا ہاتھ پکڑ کے انہیں شاہ نظام الدین کے پاس لے گئے اور ان سے کہا کہ'' ہمارے اس فرزند کو اپنے پاس رکھو، آغا محمد صبح اٹھتے ہی بریلی روانہ ہو گئے۔ اس بار شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں دیکھا تو مسکرا کے کہنے لگے۔

''تو تم آ ہی گئے۔ آؤ۔ آؤ۔ تخت خالی پڑا ہے۔''

اسی وقت بیعت کی تجدید ہوئے۔ شاہ نظام الدین نے انہیں معرفت کے اسرار سے آگاہ کیا۔ پھر خلعت و خلافت سے بھی نوازا وہ سفر میں آغا محمد کو عموماً اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ چنانچہ اجمیر بھی لے گئے وہاں ایک رات نہوں نے خدام کو عمومی اجازت دی کہ ہر شخص خواجہ کے مزر پر جا سکتا ہے، سب لوگ بصد شوق گئے لیکن آغا محمد نہیں گئے۔ شاہ نظام الدین نے ان سے کہا۔'' تم شاید خصوصی اجازت چاہتے ہوں؟ اچھا جاؤ خواجہ کے

Marfat.com

دربار میں حاضری دو''

آغا محمد نے وہاں جا کے مزار کے پائنتی ایک دروازے کی چوکھٹ پر سر رکھ دیا اور پوری رات راز و نیاز میں گزار دی اور فجر کی نماز کے بعد پیر کے پاس پہنچ کے چپ چاپ بیٹھ گئے ۔اسی شام شاہ نظام الدین اپنے مریدوں کے ساتھ فاتحہ خوانی کے لئے مزار پر حاضر ہوئے ۔آغا محمدؒ بھی ساتھ تھے۔اچانک سجادہ نشین کے بیٹے نے بلند آواز میں پوچھا۔''مرزا آغا محمد کون ہیں؟''

آغا محمد صف سے باہر آ گئے اور بولے'' میں ہوں کہو کیا کہنا ہے؟''

'' خواجہ پیا نے حکم دیا ہے کہ آغا محمد کی دستار بندی کی جائے''۔

وہ ایک سفید دستار طشت میں سجا کر لیا اور آغا محمد کی دستار بندی شروع کی شاہ نظام الدین نے درمیان میں دخل دیا۔''تم اقلیم طریقت کے ایک شہزادے کے سامنے بیٹھے ہو۔ دستار ذرا اچھی طرح باندھو۔''

آغا محمد پر جذب کی کیفیت طاری ہوگئی تھی ۔شاہ نظام الدین نے انہیں سنبھالا دیا۔

'' آغا ہوش میں آؤ، یہ پہلی منزل ہے،خود کو سنبھالو اور دربار میں نذر پیش کرو۔''

آغا محمد نے عالم مستی میں آنکھیں کھولیں اور آہستہ سے کہا پیر و مرشد واقف ہیں کہ خاکسار کے پاس جان کے نذرانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

شاہ نظام الدین نے فورا اپنا صندوقچہ منگوایا۔آغا محمد! لو، پانچ روپے نذر کر دو۔

آغا محمد جبل پور میں عشاء کی نماز کے بعد چند نوالے کھا کے رانی تال کی مسجد میں چلے جاتے ار صبح تک کلمے کی ضرب لگاتے ۔سورج نکلنے کے بعد لوٹتے اکثر پنہم ید بھی ان کے ساتھ ہوتے تھے وہ واپسی میں کچھ دیر کے لئے ایک کنویں کے قریب ضرور بیٹھتے اور کنویں کا پانی نکلوا کر پیتے ۔کبھی کبھی لوٹا اس پانی سے بھر کر گھر بھی لاتے اور کہتے وہ زمین سڑک کے کنارے ہے، تالاب کے کنارے ہے، بڑی پر فضا جگہ ہے۔محرم میں اسی راستے

Marfat.com

سے تعزیئے بھی گزرتے ہیں۔ مجھے وہ زمین بہت پسند ہے، اگرچہ ابھی وہ جگہ تم لوگوں کو املی کے درختوں کی وجہ سے تاریک نظر آتی ہے لیکن درخت کٹ جانے کے بعد وہ بہت روشن ہو جائے گی۔''

وہ عبادت کی رات گزار کے لوٹتے تو اکثر انہیں کسی چیز کا ہوش نہ ہوتا۔ ایک بار وہ واپسی میں راستہ بھول کے دوسرے راستے پر چلنے لگے۔ اس راستے میں ایک شراب خانہ پڑتا تھا۔ وہاں کچھ رند جمع تھے اور ایک گانے والی انہیں گانا سنا رہی تھی۔ ڈھولک بج رہی تھی آغا محمد سیدھے شراب خانے میں چلے گئے راہ میں ایک دہکتی ہوئی انگیٹھی رکھی تھی۔ انگیٹھی کے ارد گرد بہت سے مے خوار بیٹھے تھے بے خیالی میں آغا محمد کا پاؤں انگیٹھی میں جا پڑا وہ رقص کے انداز میں حرکت کرنے لگے اور گانے والی سے بولے؟ ہاں، یہی گاؤ۔ یہی گائے جاؤ۔

گانے والی نے گانے کی کوشش کی مگر گانا یک لخت بند ہو گیا اور تمام شرابی زور زور سے کلمہ پڑھنے لگے۔ آغا محمد خود بھی کلمہ پڑھتے ہوئے شراب خانے سے باہر آ گئے۔ ان کے لباس پر آگ کا کوئی اثر نہ ہوا۔

حضرت صاحب آغا محمد نے دل کی شکل جیسے لکڑی کے کئی ظروف بنوائے تھے۔ ان میں سے چند سبز تھے اور چند بادامی، انہوں نے ایک بہت بڑی لالٹین بھی تیار کروائی تھی۔ لکڑی کے ظروف اور لالٹین کمرے میں رکھ کے وہ دروازے بند کر لیتے تھے۔ کسی کو معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ ان برتنوں پر وہ کیا عمل کرتے تھے۔ اندر سے خوشبو کی لپٹیں اٹھتی رہتی تھیں۔

وہ رات کے پچھلے پہر اٹھ بیٹھتے اور فجر کی نماز کے بعد دن چڑھے تک مصلے پر آنکھیں بند کئے خاموش بیٹھے رہتے۔ اسی طرح ظہر کے بعد سے عشاء تک آنکھ کھول کے کسی کو نہ دیکھتے اور نہ مصلے سے سر اٹھاتے۔

ایک زمانے میں وہ روزانہ گملوں میں گیندے کے پودے منگواتے تھے وہ گملے اپنے

Marfat.com

سامنے رکھتے لیکن جیسے ہی پودوں پر نظر ڈالتے، وہ اسی وقت مرجھا کر خشک ہو جاتے۔ پھر ظہر تک پودے دوبارہ تروتازہ ہو جاتے۔ حضرت صاحب ظہر کے بعد گملے پھر سامنے رکھوا لیتے اور جیسے ہی ان پر دوبارہ نظر ڈالتے، وہ پھر خشک ہو جاتے، گھر میں جہاں بھی جگہ ملتی وہ پھول دار پودے لگاتے لیکن ہر پودا ان کی نظر پڑنے کے صرف چند لمحوں بعد خشک ہو جاتا۔

مالی سخت پریشان تھا کیونکہ وہ اس پر بہت خفا ہوتے تھے کہ تم ڈھونڈ ڈھونڈ کے ایسے پودے لاتے ہو جو شاداب ہی نہیں رہتے۔ بیٹا اور خدام ان کی ناراضگی کے خوف سے چھانٹ چھانٹ کر اچھے سے اچھے پودے لاتے تھے۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کی آنکھوں میں جو سرخی ہوتی تھی، وہ لفظوں میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ سفیدی یا سیاہی کا قطعی نشان نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دو سورج روشن ہیں۔ دیکھنے والوں پر بلا کی ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ بسا اوقات انجان لوگ ان کی نظروں کی تاب نہ لا کے بے ہوش ہو جاتے تھے۔

صاحب اپنے معمولات کے سختی سے پابند تھے طبیعت ناساز ہوتی اور لیٹنا بھی دشوار ہو جاتا تو بھی معمولات قضا نہ کرتے معین اوقات پر لیٹے لیٹے تیمم کرتے اور اپنے کسی بیٹے سے کلمہ پڑھوا کر سنتے۔ اگر سنتے وقت کبھی غفلت طاری ہو جاتی تو انگلی سے بار بار پڑھنے کا اشارہ کرتے۔ ریل کے سفر میں وہ ریل کے اوقات پہلے سے معلوم کر لیتے تھے۔

جہاں جہاں ان کے معمولات کا وقت آتا، ٹھہر جاتے اور معمولات ادا کرتے۔ پھر جب ریل کا وقت شروع ہوتا تو سفر جاری کر دیتے۔ اسی طرح خشکی کے سفر میں بھی جہاں بھی معین وقت آتا۔ قیام کرتے۔ خواہ آبادی ہو یا جنگل، کسی کی موت بھی ان کے اوقات میں حارج نہیں ہو سکتی تھی۔ ان کے کئی بیٹے کم سنی میں معمولات کے وقت انتقال کر گئے لیکن وہ مصلے سے اٹھ کر نہیں گئے، وہ اپنے بیٹے منیر احمد کو شروع سے بے حد چاہتے تھے کیونکہ ان کی چہرے پر انہیں اپنے پیر و مرشد کی شباہت نظر آتی تھی۔ منیر احمد نے عین جوانی میں عمر کے

Marfat.com

بعد انتقال کیا یہ حضرت شاہ کے وظیفے کا وقت تھا۔ منیر احمد نے نزع کے عالم میں باپ کا چہرہ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی چنانچہ حضرت صاحب اس کے پاس پہنچے اور چند ثانیوں تک بستر کے قریب کھڑے رہے۔ بیٹا لیٹے لیٹے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے آہستہ سے آنکھیں بند کر لیں۔

حضرت صاحب اپنا معمول پورا کرنے کے لئے پھر مصلے پر پہنچ گئے اور وظیفہ ختم کرنے سے پہلے نہیں اٹھے۔ رات بھر اس طرح نشست رہی۔ انہوں نے چند ثانیوں کے لئے بھی اٹھنا صرف منیر احمد کی خاطر گوارا کیا تھا۔ دوسرے بیٹوں کے مرنے پر وہ مصلے سے نہیں اٹھے۔

ایک بار وہ حسب معمول رات کے پچھلے پہر جاگے اور وضو کر کے مصلے پر آ گئے۔ نماز ادا کر کے خاموش بیٹھے رہے۔ آج معمول کے مطابق انہوں نے وظائف نہیں پڑھے۔ مقررہ وقت بھی ختم ہو گیا لیکن وہ محویت سے نہیں چونکے۔ ایک خادم کو سخت حیرت ہوئی۔ وہ قریب گیا۔ انہوں نے آہٹ سن کر خادم کی طرف دیکھا۔ نیم وا چشم، دبی ہوئی نظر۔ آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے، وہ خادم کو نہیں پہچانے، تھوڑ دیر بعد ان سے کہا گیا کہ کھانا تیار ہے۔ انہیں کچھ ہوش آیا اور انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی مگر جیسے کوئی کچھ بھولا ہوا ہو یا اپنا راز چھپائے ہوئے ہو انہوں نے بہت غور سے چاروں طرف دیکھا جیسے جگہ پہچاننے کی کوشش کر رہے ہوں۔ بہت مشکل سے جوتا پہنا اور لڑکھڑاتے ہوئے چلنے لگے۔ اسی حالت میں زنان خانے آئے۔ معاً انہیں محسوس ہوا کہ راز فاش ہونے والا ہے وہ ناراض ہونے لگے کہ لوگوں کو میرا ذرا بھی خیال نہیں ہے۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے مگر علاج کی کسی کو فکر نہیں یہ استغراق کی ابتدا تھی اس کے بعد ان کا استغراق بتدریج بڑھتا چلا گیا اور انہیں ماسوا کا کوئی ہوش نہ رہا۔ وہ نہ کسی کو پہچانتے تھے، نہ انہیں کسی کا نام یاد تھا حتیٰ کہ اولاد کے نام بھی بھول گئے تھے، مگر ایک بات تھی، اس عقلت کے عالم میں بھی بریلی کے مرشد کا ذکر آ جاتا تو وہ لرزہ براندام ہو جاتے۔ مرشد کے سلسلے میں اگر کوئی شخص محض کچھ سمجھنے کے لئے بھی کوئی بات ادب کے خلاف کہہ دیتا تو چیں بہ جبیں ہو جاتے۔ جواب دیتے مگر ناراضگی سے۔

Marfat.com

حضرت صاحب شریعت کے سخت پابند تھے سنت کی جزیات تک کا خیال رکھتے تھے۔ استغراق کے زمانے میں خدام کو خاص طور پر تاکید تھی کہ مجھے نماز کے وقت زبردستی جماعت میں کھڑا کر دیا کرو۔ ایسے موقعوں پر خدام انہیں بہت مشکل سے نماز ادا کرواتے نماز کے دوران اکثر ان پر سکتہ طاری ہو جاتا اور خدام ہزار جتن کر کے انہیں ہوشیار کرتے۔

ایک بار مریدوں نے خشک سالی کی شکایت کرتے ہوئے ان سے کہا۔ اگر اب بھی پانی نہ برسا تو لوگ فاقوں مر جائیں گے۔ حضرت صاحب نے بارش نہ ہونے پر افسوس ظاہر کیا اور سماع کا حکم دیا۔ قوال موجود نہیں تھے۔ ایک شخص نے محض حکم کی تعمیل کے لئے گانا شروع کر دیا۔

''میں مدھ سے بھئی متوار مورا کھونگٹا کون کرے''

یہ مصرع سنتے ہی آغا محمد وجد میں آ گئے۔ وہ جھومتے ہوئے بار بار کھڑے ہو جاتے اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہتے انی انا اللہ انی انا اللہ اچانک چاروں طرف سے کالی گھٹا گھر آئی اور ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ لوگ دنگ رہ گئے۔

ایک بار انہوں نے اپنے مرحوم بیٹے منیر احمد کا عرس کیا ور اس سلسلے میں سماع کی محفل منعقد کی قوالی کے موقع پر وہ اچانک استغراق میں چلے گئے۔ ایسے میں انہیں اپنے لڑکوں کے نام یاد رہتے تھے، نہ اپنا مافی الضمیر ادا کرنے کے لئے الفاظ ملتے تھے وہ مسند سے سر ٹکائے آنکھیں بند کئے بیٹھے تھے۔ اچانک ایک قوال نے غزل شروع کی۔

شور منصور از کجا و دار منصور از کجا

خود زدی بانگ انا الحق خود سر دار آمدی

شعر سنتے ہی حضرت صاحب سنبھل کے بیٹھے گئے۔ ان کی آنکھوں میں ایسا جلال تھا کہ حاضرین نے خوف سے سانسیں روک لیں۔ قوال کوشش کے باوجود شعر دوبارہ نہ ادا کر سکا۔ اس کے ہونٹ ہل رہے تھے لیکن آواز نہیں نکل رہی تھی۔ یہ حالت دیکھ کے ان کے ایک مرید اور ایک خادم گانے میں شریک ہو گئے۔ اس طرح مذکورہ شعر کی تکرار ہونے لگی۔

Marfat.com

حضرت صاحب کی بے چینی بڑھتی گئی کچھ ار مرید گانے میں شامل ہو گئے اور شعر کی تکرار کرتے رہے۔ حاضرین پر سخت ہیبت طاری ہو گئی تھی۔ کسی شخص میں ہمت نہیں تھی کہ حضرت صاحب کی طرف نگاہ اٹھا سکے۔ دیکھتے دیکھتے لوگ اتنے سراسیمہ ہوئے کہ اٹھ اٹھ کے بھاگنے لگے۔ حضرت صاحب کے بیٹے اور سجادہ نشین مرزا مرتضٰی حسین نے قریب جا کے ان سے کہا۔ ''حضرت! رحم فرمایئے، فیض کی تقسیم ظرف کے مطابق کیجئے''۔

وہ مسکرائے ''اچھی بات ہے۔ اپنا تماشا جاری رکھو یہ کہہ کے وہ پھر استغراق میں کھو گئے۔

حضرت صاحب آغا محمد اکثر کہتے تھے۔

۱۔ انصاف و حق کے خلاف ہمدردی جائز نہیں ہے۔

۲۔ آدمی کا سب سے بڑا عیب، عیب جوئی کی عادت ہے۔

۳۔ جب تک ارادہ نہیں، کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

۴۔ کم بختی سب سے بڑی اہلیت ہوتی ہے۔

۵۔ ہر دل عزیز لا مذہب کو کہتے ہیں جس نے جیسا کہا، ہاں کہہ دیا۔

ان کے سجادہ نشین مرزا مرتضٰی حسین کہتے ہیں۔ میں بچپن میں ایک دفعہ موضع کرتیا میں مقیم تھا۔ میں نے شہر سے حضرت صاحب کو آتے دیکھا میں ایک کھیت میں تھا۔ عصر کا وقت ہو رہا تھا۔ میں بھاگتا ہوں ان کے قریب پہنچ گیا۔ انہوں نے ایک مینڈ پر چادر بچھا کے عصر کی نماز ادا کی پھر وظیفے میں مشغول ہو گئے۔ کھیت میں بہت سے سفید گھونگے پڑے ہوئے تھے میں نے سوچا کہ جب تک وہ وظیفے سے فارغ ہوں، میں کچھ گھونگے جمع کر لوں، چنانچہ گھونگے لا لا کے میں مصلے پر جمع کرتا رہا۔ مغرب کا وقت آیا تو حضرت صاحب نے مسکرا کر مجھ سے پوچھا، کیا کر رہے ہو؟ میں کہا روپے جمع کر رہا ہوں وہ ہنس کے پوچھنے لگے کیا یہ روپے ہیں؟ میں کہا جی ہاں روپے ہیں، جب بہت ہو جائیں گے تو بازار سے خوب گنے خریدیں گے بڑا مزا آئے گا یہ کہہ کے میں اور گھونگے لانے کے لئے چلا گیا اس بار میں دامن

Marfat.com

میں گھونگے بھر کے لیا اور میں نے ڈھیر کی طرف دیکھا تو وہ سب روپے تھے میں نے دامن الٹا اس میں سے بھی گھونگوں کے بجائے چھن چھن کرتے ہوئے روپے گرے میں تمام روپے بیک وقت دامن میں بھر لینا چاہتا تھا حضرت صاحب میری اس کیفیت سے لطف لے رہے تھے۔ مغرب کے بعد کچھ خدام وہاں آ نکلے حضرت ہاحب نے گھوڑی منگوائی اور مجھ سے کہا کہ تم گھوڑی پر آگے بیٹھ جاؤ میں دامن میں روپے بھرے ہوئے گھوڑی پر بیٹھ گیا حضرت ہاحب نے بازار میں گھوڑی رکوا کے میرے لئے گنے خریدے اور رقم اپنے پاس سے ادا کی گھر پہنچ کے میں نے دیکھا کہ دامن میں پھر گھونگے بھرے ہوئے ہیں حضرت صاحب خوب ہنسے "گنے آ گئے تماشا ختم، روپے ہضم"۔

حضرت صاحب کی چھوٹی لڑکی کی شادی تھی ۔ وہ کسی سے ادھار لینے یا نذرانے وصول کرنے کے قائل نہیں تھے بڑے لڑکے نے مشکل سے برات کے کھانے کے لئے ایک من چاول کا انتظام کیا تھا لیکن برات سے ایک دن پہلے لڑکے والوں نے کہلوایا کہ ہمارے احباب واعزا کا حلقہ بہت وسیع ہے اور ہمارے ہاں یہ پہلی شادی ہے ہم سات سو مہمان لے کر آئیں گے یہ خبر سن کر سب پریشان ہو گئے ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھے کہ انتظام کس طرح ہو گا اسی دروان میں حضرت صاحب نے کسی سے پوچھ لیا کہ برات کے کھانے کا کیا انتظام کیا گیا؟ انہیں بتایا گیا کہ صرف ایک من چاول کا انتظام ہو چکا ہے۔ انہوں نے تاکید کی کہ دیگ تیار ہو جائے تو اس پر ایک چادر ڈال دینا اور کوئی شخص دیگ کے اندر جھانک کر نہ دیکھے دوسرے روز جب نکاح ہو گیا تو وہ مجمع سے اٹھے اور مصلے پر جا کے بیٹھ گئے دوسری طرف مہمانوں کا کھانا شروع ہوا دس بجے صبح سے چار بجے سہ پہر تک برابر کھانا ہوتا رہا۔ حضرت صاحب نے پوچھا۔" کوئی باقی تو نہیں رہا؟" "معلوم ہوا کہ اب صرف گھر کے لوگ اور منتظمین رہ گئے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ اچھا دستر خوان بچھاؤ اور سب ساتھ بیٹھ کے کھانا کھا لو۔ دیگ سے کھانا نکلتا رہا اور سب کھاتے رہے ایک عورت حضرت صاحب کے گھر کا

Marfat.com

گیہوں پیستی تھی۔ آٹا دیتے ہوئے گیہوں کے وزن سے اکثر کم ہوتا تھا۔ مستورات اس بات پر اس سے بہت شاکی رہتی تھیں ایک روز وہ آٹا لائی۔ سردی کا زمانہ تھا۔ حضرت صاحب صحن میں بیٹھے دھوپ تاپ رہے تھے۔ آٹا تولا گیا۔ وہ آج بھی وزن میں کم نکلا۔ حضرت صاحب کی بیوی بہت ناراض ہوئی اور عورت سے بولیں۔ ہر روز تاکید کی جاتی ہے لیکن تم اپنی عادت سے باز نہیں آتیں۔ عورت نے کچھ نازیبا الفاظ اور سخت لہجے میں جواب دیا۔ حضرت صاحب نے مداخلت کی بی بی ''چوری اور سینہ زوری''؟ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ جو نیک کمائی سے ملے، وہی سب سے اچھا ہے۔''

عورت نے کہا۔'' آپ بھی مجھے چور سمجھتے ہیں؟ میں سچ کہتی ہوں، میاں جی اگر میں نے چوری کی ہو تو میری آنکھیں پھوٹیں۔''انہوں نے آہستہ سے کہا''بد بخت! کاش اپنا فیصلہ تو نے اللہ پر چھوڑا ہوتا۔ وہ بڑا مہربان ہے مگر تو نے اپنا فیصلہ خود کر لیا۔''ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ عورت کی آنکھوں میں درد ہوا اور دونوں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی وہ حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ میرا'' قصور معاف کر دیجئے۔''انہوں نے کہا۔'' تم نے اگر میرا کوئی قصور کیا ہوتا تو میں ضرور معاف کر دیتا لیکن جو فیصلہ تم نے خود اپنے متعلق کیا تھا۔ اسے کوئی دوسرا کیسے بدل سکتا ہے؟''

ایک ڈاکٹر ہری بابو بنگالی بخار میں مبتلا ہوئے بخار جلد ہی نمونیا میں بدل گیا۔ ان کی حالت اتنی خراب ہو گئی کہ ڈاکٹروں نے قطعی جواب دے دیا۔ آخر اس سلسلے میں حضرت صاحب سے رجوع کیا گیا وہ گاجر کی فصل کا زمانہ تھا۔ حضرت صاحب نے کہا گاجر کے عرق میں تھوڑی سی شکر ملا کے پلا دو چنانچہ جاں بلب مریض کے منہ میں گاجر کا عرق ٹپکایا گیا۔ منٹوں میں لوگوں نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ کبھی بیمار ہی نہ پڑا ہو۔ چند روز بعد ایک اور شخص کو نمونیا ہو گیا حضرت کے صاحب کے ایک مرید کو ہری بابو کا واقعہ یاد تھا۔ اس لئے اس نے گاجر کا تھوڑا سا عرق شکر ملا کے مریض کو پلا دیا۔ مریض کی حالت ایسی بگڑی کہ سانس اکھڑ گئی۔ اس کے رشتے دار پریشان ہو گئے۔ مرید پر الزام آ گیا کہ اس نے جان بوجھ کر مریض

Marfat.com

کو مارنے کی کوشش کی ہے۔ مرید دوڑا دوڑا حضرت صاحب کے پاس پہنچا حضرت صاحب سخت برہم ہوئے اور کہنے لگے کہ وہ شربت صرف ہری بابو کے لئے تھا نہ کہ مریض کے لئے بھاگ کر جاؤ کہیں وہ مر نہ جائے اب دوبارہ اسے یہی شربت پلانا۔ مرید فوراً مریض کے گھر پہنچا۔ اس کی زندگی کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔ مرید نے جب اسی گاجر کا شربت دوبارہ پلانا چاہا تو لوگ مرنے مارنے کے لئے تیار ہو گئے لیکن مرید کے سمجھانے بجھانے پر آمادہ ہو گئے کیونکہ زندگی کی امید تو ویسے بھی ختم ہو چکی تھی۔ شربت کے چند قطرے جیسے ہی مریض کے منہ میں گئے اس نے آنکھیں کھول دیں اور تھوڑی دیر بعد بالکل تندرست ہو گیا۔

جبل پور کا مشہور سیٹھ جیون داس بہت نیک اور مخیّر آدمی تھا دولت کی وجہ سے دور دور تک اس کی رسائی تھی۔ اتفاق سے وہ ایک ایسے مقدمے میں پھنس گیا کہ اگر فیصلہ اس کے خلاف ہوتا تو اس کی ساکھ برباد ہو جاتی ہر عدالت میں اس کے خلاف فیصلہ ہو چکا تھا اب آخری عدالت باقی رہ گئی تھی حضرت صاحب ان دونوں سیٹھ جیون داس کے مکان میں کرائے پر رہتے تھے۔ سیٹھ جیون داس کی طرف سے حضرت صاحب کے ایک عزیز کو یہ یقین دلایا کہ اگر حضرت نے ان کی مدد کی اور وہ مقدمہ جیت گیا تو نقد رقم کے علاوہ ایک گاؤں اور جس مکان میں حضرت صاحب مقیم ہیں، وہ ان کی نذر کر دیا جائے گا۔ حضرت صاحب کے عزیز نے ایک روز موقع دیکھ کے ان سے کہا کہ دنیا میں اچھے آدمیوں کی قدر نہیں ہے۔ سیٹھ جیون داس بہت نیک آدمی ہے، مگر لوگوں نے اسے پریشان کر کے رکھ دیا ہے، اگر اس کی داد رسی ہو جائے تو بہت اچھا ہو گا۔ حضرت صاحب نے سیٹھ کو بلوا کے ایک تعویذ دیا اور کہا کہ یہ لے جاؤ مگر یاد رکھنا کہ میں فقیر ہوں تاجر نہیں ہوں اور کسی لالچ سے تمہاری مدد نہیں کر رہا ہوں۔ سیٹھ چند روز بعد باعزت بری کر دیا گیا وہ نذرانہ لے کے دوڑا ہوا حضرت صاحب کے پاس پہنچا لیکن اسے سے پہلے کہ وہ انہیں نذر پیش کرتا، حضرت صاحب نے کہا۔ جیون داس! یہ کبھی نہ بھولنا کہ جو کام بنا سکتا ہے، وہ بگاڑ بھی سکتا ہے۔

وصال سے دو ہفتے پہلے حضرت صاحب پر استغراق طاری ہو گیا تھا۔ ایک دن چونک

Marfat.com

کے انہوں نے کہا۔ میرا مہمان آرہا ہے۔

تین بجے دن کو بمبئی میل سے ان کے ایک مرید سید مظفر یزدانی جبل پور پہنچے۔ سجادہ نشین نے ان سے اس طرح اچانک آنے کی وجہ پوچھی انہوں نے بتایا کہ بمبئی کی ایک دولت مند خاتون شیریں بائی حضرت صاحب کی مرید ہے وہ آج کل سخت علیل ہے اور ڈاکٹر جواب دے چکے ہیں۔ استغراق کے عالم میں حضرت صاحب سے کوئی بات کہنا ہوتی تو پہلے یہ کوشش کی جاتی کہ وہ محویت کے عالم سے اس کوشش میں خاص وقت صرف ہوتا تھا۔ عموماً یہ طریقہ کارگر ہوتا تھا کہ ان کے کان کے پاس بلند آواز سے کہا جاتا۔ بریلی شریف والا نامہ آیا ہے۔ تین چار بار زور زور سے یہ کہنے پر وہ متوجہ ہو جاتے تھے اس بار بھی یہی کیا گیا وہ ہوش میں آئے تو شیریں بائی کی حالت بیان کی گئی اور تعویذ کے لئے کاغذ قلم ان کے سامنے کر دیا گیا، انہوں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے لکھا۔ دربار آغا محمد شیریں بائی مراد برآئی۔ بمبئی میں اچانک شیریں بائی کو صحت ہو گئی۔

جیسے جیسے دن گزر رہے تھے۔ ان کا استغراق بڑھ رہا تھا۔ وہ نہ کسی کو پہچانتے تھے، نہ انہیں ماسوا کا ہوش تھا۔ صرف دودھ اور پھلو کے رس پر گزر تھی بعد میں انہوں نے ان چیزوں کے لئے بھی منع کر دیا اور کہا کہ یہ چیزیں پینے سے تکلیف ہوتی ہے۔ وصال سے دو ہفتے پہلے انہوں نے اپنے بیٹے اور سجادہ نشین شاہ نذیر احمد کو ایک زمین دکھائی اور کہا کہ فقیر یہاں رہے گا۔ سخت مشکلات کے بعد وہ زمین مزار کے لئے خرید لی گئی۔ انہوں نے ایک مہینے قبل ہی خاص خاص مریدوں کو اپنے وصال کا صحیح دن اور وقت بتا دیا تھا اور کہا تھا کہ اس وقت ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہوگی۔

13 ذیقعد 1334ھ مطابق 17 اگست 1918ء کو جمعہ کی شب حسب معمول خدام حاضر تھے۔ بارہ بجے کے قریب حضرت صاحب کو بہت سکون تھا۔ سجادہ نشین مطمئن ہو کے گھر کے اندر چلے گئے۔ حاضر باش خدا بھی ان کے سکون کے خیال سے اپنی اپنی جگہ لیٹ

Marfat.com

گئے صرف ان کے بھانجے یہ سوچ کے جاگتے رہے کہ کسی ایک آدمی کو ہوشیار رہنا ضروری ہے مگر چار بجے کے قریب ان کی بھی آنکھ لگ گئی۔ انہوں نے خواب دیکھا کہ فٹ بال جیسی ایک بہت بڑی گیند سارے صحن میں ٹپے کھا رہے ہیں اور ہر ٹپے میں اونچی ہوتی جا رہی ہے۔ خاصی دیر تک گیند اسی طرح ٹپے کھاتی رہی اور آہستہ آہستہ اونچی ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ اس نے ایک زور کا ٹپا کھایا اور سیدھی آسمان پر جا کے وہ گیند آتش بازی کی طرح پھٹی اور اس میں سے سینکڑوں روشن ستارے نکل کر آسمان پر پھیل گئے۔ اسی وقت اندر حجرے میں حضرت صاحب نے نہایت بلند آواز سے لا الہ الا اللہ کا نعرہ لگایا اور ان کا وصال ہو گیا، ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی۔

جنگ یمامہ

حضور اکرم ﷺ کی رحلت کے ساتھ ہی جو سب سے بڑا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا وہ اسلام لا کر پلٹ جانے والوں کا فتنہ تھا۔ ان میں بنو حنیفہ سب سے آگے آگے تھے۔ ان کی تعداد بھی زیادہ تھی اور ان کے پاس مال و اسباب بھی خوب تھا اس لئے سارے عرب میں مرتدین کی کوئی بغاوت اتنی خطرناک نہیں تھی۔ جنگی مسلیمہ کذاب کی جب حضرت عکرمہ اور حضرت شرجیل بن وحسنہ سے کام نہ بنا تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حضرت خالد بن ولید کو خاص طور پر اس مہم کے لئے نامزد فرمایا۔ احتیاط کا یہ تقاضا تھا کہ اسلامی لشکر کی حفاظت کا زیادہ سے زیادہ سامان کیا جائے۔ چنانچہ حضرت سلیط کو بھی کمک دے کر روانہ کیا گیا اور انہیں حکم ملا کہ خالد کے ل پیچھے پیچھے رہو اور پوری طرح چوکس، تا کہ دشمن مسلمانوں کے پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔

وادی ریاض میں عقرباء کے مقام پر مسلمہ کذاب اور حضرت خالد کا مقابلہ ہوا۔ اہل یمامہ کے پاس بہترین ہتھیار تھے جس میدان جنگ کا انہوں نے انتخاب کیا تھا، اس کے ٦ چپے چپے سے وہ خوب واقف تھے۔ ان کے مورچے بنے ہوئے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ

Marfat.com

مسلمانوں کو گھیرے میں لینے کے لئے کس طرف دھکیلنا بہتر ہوگا۔

حضرت خالد نے بطاح کے مقام پر کچھ دیر رک کر اپنی فوج کا معائنہ کیا۔ کچھ ہدایات دیں اور آگے بڑھ گئے۔ مسلمہ کذاب کا ایک ہراول دستہ جوشب خون مارنے نکلا تھا، یمامہ کی گھاٹی کے پاس پکڑا گیا۔ اس جھڑپ میں مجاعہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا جسے چھڑانے کے لئے اہل یمامہ بڑے بے قرار تھے۔ مسلمانوں کا علم عبداللہ بن حفص کے پاس تھا۔ ادھر زید بن خطابؓ اور ابو حذیفہؓ بڑھ بڑھ کر مسلمانوں کو لڑا رہے تھے ادھر محکم اور رجال، مسلیمہ کے دو بڑے جنرل اپنا سارا زور اس بات پر صرف کر رہے تھے کہ ان کی فوجیں جلد سے جلد حضرت خالد بن ولید کے خیمے تک پہنچ جائیں کیونکہ مجاعہ یہیں قید تھا۔ مسیلمہ کا حکم تھا کہ۔ ''یمامہ کے اس سردار کو بہر صورت کی قید سے چھڑا لیا جائے۔''

لڑائی زوروں پر تھی۔ کبھی مسلمان اہل یمامہ پر بھاری نظر آتے۔ کبھی مسیلمہ کی فوج مسلمانوں کو ان کے خیموں تک دھکیل دیتی۔ ایک ایسے ہی معرکے میں دشمن حضرت خالد بن ولید کے خیمے تک پہنچ گئے مجاعہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ چاہتے تھے کہ اس کی رسیاں کاٹ کر چھڑا لے جائیں کہ حضرت خالد اس موقع پر پہنچ گئے خالد سیف اللہ تھے۔ اہل یمامہ ان کے نام ہی سے خوف کھاتے تھے جب انہوں نے یا محمدؐ کا نعرہ لگایا تو دشمن کچھ ایسے گھبرائے کہ مجاعہ کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ بس دشمن کی یہ جھجک حضرت خالد کے لئے کافی تھی۔ زید بن خطاب، ثابت بن قیس، ابو حذیفہ، براء اور ابو دجانہ رضی اللہ عنھم کو لے کر انہوں نے جوابی حملہ کیا اور اس زور شور سے کہ دشمن دبنے لگا جان یا آن کا معاملہ تھا۔ اللہ کے سپاہیوں نے بڑھ چڑھ کر جان کی بازی لگا دی۔ ثابت بن قیس پکارے کہ۔

''مسلمانو! تم اللہ والے ہو اور یہ شیطان کے پیرو۔ غلبہ اللہ والوں کے لئے ہے۔ آؤ میرے ساتھ، دیکھو میں کیسا لڑتا ہوں۔'' اور مسلمانوں نے دیکھا کہ اللہ کا یہ سپاہی یوں دشمنوں پر ٹوٹ پڑا جیسے بجلی ٹوٹتی ہے ادھر ابو حذیفہ چلائے کہ۔ ''اے قرآن والو! اپنے عمل سے قر

Marfat.com

آن کو زینت دو اور اپنے عمل سے قرآن کو زینت دینے کے لئے جان کی بازی لگا دی۔ بنو حنیفہ کے ایک بہت بڑے گروہ نے انہیں گھیر لیا یہاں کیا دیر تھی۔ چاروں طرف تلوار مارتے تھے۔ پھر کر جب بھی پینتر ابدلتے ،دشمن دہشت سے گر پڑتے۔ یوں اسلامی لشکر ان جیالوں کی قوت بازو کے بل پر آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔ لیکن بڑی بھاری قیمت پر ابو حذیقہ شہید ہوئے۔ زید بن خطاب شہید ہوئے عبداللہ بن حفص شہید ہوئے۔''اب حضرت خالد نے اعلان کیا۔''ہر قبیلہ الگ الگ ہو کر لڑے۔ دیکھیں آج کون دشمن پر پہلے قابو پاتا ہے۔''جنگ کی بھٹی بری طرح سلگ گئی اور مسلمانوں نے دشمن کو تلوار کی نوک پر دھر لیا۔ ایسے کہ بنو حنیفہ کا کی ہمت جواب دے گئی۔

حضرت خالد نے دیکھا، جنگ کا پانسہ پلٹ رہا ہے تو اپنے خاص دستے کو حکم دیا کہ۔

تیزی سے میرے ساتھ آگے بڑھو! دیکھتے رہنا کہ کوئی مجھ پر پیچھے سے وار نہ کرے۔

اور اب جو سیف اللہ کے جوہر کھلے تو دشمن مبہوت ہو گیا۔ خالد دائیں بائیں کو ہاتھ چلاتے آندھی کی طرح آگے بڑھے زبان پر رجز طاری تھا کہ۔

''میں سرداروں کا فرزند ہوں۔ مقابل پر جب میری تلوار اٹھتی ہے۔ خون فشاں ہو جاتی ہے۔'' وہ چاہتے تھے، جنگ جلد سے جلد ختم ہو جائے اس کی ایک ہی صورت تھی کہ مسلیمہ کذاب کا خاتمہ کر دیا جائے اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کو لے کر خالد دشمن کے قلب لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ دیکھا مسیلمہ گھوڑے پر سوار اپنے فدائیوں میں گھرا ہوا ہے۔ تو انہوں نے اس کے جاں نثاروں کا حلقہ توڑ اور مسلیمہ کو للکارا۔ یہ سب کچھ اس قدر تیزی سے ہوا کہ مسلمہ کذاب کے حواری سنبھل نہ سکے۔ حضرت خالد نے دیکھا کہ چھوٹے سے قد، پیلی رنگت اور عورتوں کے سے ناک نقشے کا آدمی سامنے ہے، تو پکارے......

''مسلیمہ آ جا دو دو ہاتھ ہو جائیں۔''

مسلیمہ نے دیکھا کہ خالد کی تلوار ہوا میں لہرا رہی ہے، تو سمجھ گیا موت سر پر کھیل رہی

Marfat.com

ہے۔ چاہتا تھا، صلح کی کچھ شرائط پر بات چیت کرے۔ حضرت خالد اس پر جھپٹ پڑے مسیلمہ اور اس کے ساتھی جان بچا کر بھاگے محکم چلایا کہ۔

''باغ میں گھس جاؤ، باغ میں بنو حنیفہ پاس کے ایک باغ میں گھس گئے اور دروازہ بند کر لیا۔'' حضرت براء اور حضرت ابو دجانہ یہ دیکھ کر فصیل پر چڑھ گئے اور باغ میں کود پڑے۔

دشمنوں کے بیچ میں! موت کے منہ میں! اللہ رے جگر واری، دشمن بھی دنگ ہو گئے بڑا گھمسان کا رن پڑا۔ مسلمانوں نے اپنے ساتھیوں کی جرأت اور ہمت دیکھی تو ان کے دل بڑھ گئے۔ خود بھی باغ میں کود پڑے اور اب جو میدان جنگ گرم ہوا تو مسلمانوں کی تلواروں سے خون ٹپکتا تھا۔ آخر بنو حنیفہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ وہ باغ جس میں یہ لوگ جان بچا کر گھس گئے تھے بعد میں حدیقۃ الموت کہلایا۔ یہیں محکم کو حضرت عبدالرحمٰن ابو بکر نے قتل کیا اور مسیلمہ وحشی غلام کے ہاتھوں مارا گیا۔ وحشیؓ اس لڑائی میں خاص طور پر اس لئے شریک ہوا تھا کہ مسیلمہ کو مار کر حضرت حمزہ کو شہید کرنے کا کفارہ ادا کرے۔

جنگ ختم ہوئی تو یمامہ کے ہر گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ ان کے اکیس ہزار آدمی مارے گئے تھے۔ نصف سے زیادہ لشکر! مسلمانوں نے پھر ایک بار ثابت کر دکھایا کہ قوت ایمانی کے آگے نہ تعداد کی کثرت کوئی چیز ہے، نہ تیغ و سنان کی بہتات کوئی چیز۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ

نیشاپور کے ہارون نامی قصبہ میں ایک عام گھرانے میں بچہ پیدا ہوا گھر والوں نے اس کا نام عثمان رکھا۔ یہ بچہ عام بچوں کی طرح پرورش پاتا رہا۔ اس کی تاریخ پیدائش اور روزمرہ واقعات اور حالات پر لوگوں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی، کیونکہ انہیں بچہ کے درخشاں مستقبل کا کوئی علم نہ تھا۔ یہ خاموش طبع بچہ بڑا ہوتا رہا اور لوگ اس کی عظمتوں سے لاعلم اپنے اپنے مشاغل میں مبتلا غافل رہے یہاں تک کہ یہ بچہ جوان ہو گیا اور اس نے اپنے وطن

Marfat.com

ہارون کو خیر باد کہا۔ اس کا خدا کی ذات میں انہماک اتنا بڑھا کہ کھانا، پینا اور آرام کرنا تک حرام ہو گیا۔ عثمان نے محسوس کیا کہ وہ جس شاہراہ پر چل رہے ہیں، وہاں کسی رہنمائی از حد ضروری ہے۔ انہوں نے ابھی تک جن صاحبان کرامت وتصوف کا ذکر لوگوں سے سنا تھا، ان میں حضرت حاجی شریف زندانی کا نام سرفہرست تھا۔ یہ ان کی خدمت میں پہنچ گئے اور درخواست کی کہ انہیں حلقہ ارادت میں شامل فرمالیا جائے۔

حضرت حاجی شریف زندنی نے اس نوجوان کو روح میں اتر جانے والی نظروں سے دیکھا اور سوال کیا ''برخوردار! یہ بتاؤ تمہیں تصوف کی بابت کتنا علم حاصل ہے؟''

عثمان نے جواب دیا۔

''میں اور تو کچھ نہیں جانتا، لیکن میرا عمل شاید آپ کے سوال کا جواب دے سکے۔''

حاجی صاحب نے پوچھا۔

''وہ کس طرح؟''

عثمان نے کہا۔

''میں چار چار اور پانچ پانچ فاقوں کے بعد کہیں تھوڑا سا کھانا کھا کر اپنے نفس کو تسکین دیتا ہوں اس کے علاوہ نیند کو میں نے اپنے قابو میں کر رکھا ہے۔''

حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی نے آپ کو سعادت بیعت سے مشرف فرمایا۔ انہوں نے حضرت کو سر پر مقراض چلائی اور کلاہ چہارتر کی حضرت کے سر مبارک پر اپنے دست مبارک سے رکھی۔ پھر حضرت سے فرمایا اے عثمان! اس کلاہ کے چار گوشے ہیں۔ جانتے ہو کہ ان چار گوشوں سے کیا مراد ہے؟ سنو ان چار گوشوں سے چار چیزوں کا ترک مراد ہے اول، ترک دنیا، دوئم، ترک عقبی، یعنی ذات پاک حق سبحانہ تعالیٰ کے سوا اور کچھ مقصود نہ ہو۔ سوئم ترک حوز وخواب، بقدر ضرورت کے سوا۔

چہارم: ترک خواہشات نفسانی۔ جو نفس کہے اس کے خلاف کرے۔

Marfat.com

پھر فرمایا" پس یہ کلاہ اس شخص کو سر پر رکھنا روا ہے جو ان چار چیزوں کو ترک کرے۔ جو یہ کلاہ اوڑھے اس کو چاہیے کہ سب کو اپنے سے بہتر و برتر سمجھے اور اپنے آپ کو سب سے ادنیٰ و کم تر جانے۔ جس نے ایسا نہ کیا اس کے لئے یہ کلاہ سر پر رکھنا حرام ہے۔"

اے عثمان!" میں نہیں جانتا کہ تم کیا کرو گے، لیکن اب جب کہ تم نے اپنے سر پر کلاہ چہارترکی رکھا ہے تو اس کی آبرو بھی رکھنا اور میری باتوں پر عمل کرنا اگر تم نے میری نصیحتوں پر عمل کیا تو کل قیامت کی شرمندگی سے بچ جاؤ گے۔"

پھر قدرے تحمل و سکوت کے فرمایا۔

"اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سمجھ لینا کہ تم اس خرقے کے مستحق نہیں تھے، تم ڈاکو ہو۔"

عثمان نے ان نصیحتوں کو گرہ میں باندھ لیا اور وعدہ کیا کہ وہ اپنے پیرو مرشد کو شرمندہ نہ ہونے دیں گے۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ بیعتِ ارادت سے مشرف ہونے کے بعد اپنے پیرو مرشد کے فرمان کے مطابق عبادت، ریاض اور مجاہدات میں مشغول ہو گئے۔ حضرت کے پیرو مرشد نے حضرت کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی۔ تیس سال ریاضت و مجاہدہ میں گزارنے کے بعد حضرت کے پیرو مرشد حضرت خواجہ حاجی شریف زندنیؒ نے آپ کو اہل پا کر آپ کو خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا، صاحبِ اجازت کیا، اپنا جانشین اور سجادہ نشین مقرر کیا۔ پیرانِ عظام کے تبرکات آپ کے سپرد فرمائے اور یہ تاکید فرمائی:" ان کو اسی طرح رکھنا جس طرح میں نے رکھا ہے۔ جس کو اہل پانا یہ تبرکات اس کو دے دینا" پھر اسم اعظم جو سینہ بسینہ چلا آتا تھا آپ کو تلقین فرمایا۔ اسم اعظم کی برکت سے حضرت پر تمام علوم ظاہری و باطنی منکشف ہو گئے۔

آپ نے سیر و سیاحت اختیار کی اور مختلف شہروں اور ملکوں کا سفر کرنا شروع کر دیا۔ آپ کے ساتھ چند دوسرے لوگ بھی تھے اور یہ وہ لوگ تھے جنہیں وقتاً فوقتاً آپ کی بزرگی اور عظمت کا علم ہوتا رہا تھا۔

دورانِ سفر آپ ایک ایسے گاؤں میں داخل ہوئے، جہاں کے لوگ آتش پرست تھے آپ نے اپنے ساتھیوں سمیت ایک گھنے درخت کے نیچے قیام فرمایا۔ شام قریب تھی۔ آپ عصر کی نماز

Marfat.com

پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ نماز شروع کرنے سے پہلے آپ نے ایک ارادت مند شیخ فخر الدین سے فرمایا۔ ''شیخ! سامنے کے گاؤں سے آگ لے آنا۔ رات کا کھانا اسی درخت کے نیچے تیار ہوگا''۔

ارادت مند شیخ نے جواب دیا۔

''بہتر ہے''

حضرت عثمان رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھنے لگے اور شیخ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ آگ لینے چلے گئے۔ گاؤں کے لوگ آتش کدے میں جمع تھے۔ پیر مغاں سات سالہ بچے کو گود میں لئے نہایت عقیدت و احترام سے آگ کے شعلوں کو دیکھ رہا تھا دوسرے لوگ بھی مودب بیٹھے تھے۔ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب کو مخاطب کیا۔

''لوگو! ہم پردیسی لوگ سامنے درخت کے نیچے ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ہمیں تھوڑی سی آگ دے دو تاکہ ہم رات کا کھانا پکا لیں۔'' لوگوں نے شیخ کو نفرت کی نظروں سے دیکھا، ان میں سے ایک نے جواب دیا۔ ''جاہل پردیسی! کیا تم یہ نہیں جانتے کہ جس آگ کے سامنے تم کھڑے ہو، یہ مقدس آتش کدے کی آگ ہے۔ ہم اس میں سے ذرا سی آگ بھی نہیں نکال سکتے ہیں۔''

فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اصرار کیا۔

لوگو! آگ کی تقدیس کیا ہوتی ہے، ہم نہیں جانتے۔ ہمیں تو بس اتنا معلوم ہے کہ دنیا کی بہت ساری دوسری چیزوں کی طرح یہ آگ بھی ہم انسانوں کی خادم ہے۔

پیر مغاں ایک دم مشتعل ہو گیا۔

زبان قابو میں رکھ اے اجنبی شخص! مقدس آگ کو انسان کا خادم کہہ کر اپنے ساتھ ہم سننے والوں کو بھی گناہگار نہ کر۔ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ آگ کی حصول یابی پر مصر رہے، اور آتش پرست نہ دینے پر اڑے رہے۔ آخر فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔ مغرب کا وقت قریب تھا۔ حضرت عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا ''بابا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ آگ لائے''؟

فخر الدین نے مایوسی سے جواب دیا۔

''حضرت! یہ آتش پرستوں کا گاؤں ہے، ان گمراہوں نے آگ دینے سے انکار کر دیا۔''

Marfat.com

آپ نے تبسم ہو کر کہا۔

ہاں مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ وہ ایسا کہیں گے۔ نماز مغرب پڑھ چکنے کے بعد میں تمہارے ساتھ ان کے پاس چلوں گا۔ اور ان شاء اللہ آگ لے کر ہی واپس آؤں گا۔

فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا۔

''مجھے امید نہیں کہ وہ اپنے آتش کدے کی آگ آپ کو واقعی دے دیں گے۔''

کچھ دیر بعد ان سبھوں نے مغرب کی نماز پڑھی اور ادھر سے فارغ ہو کر حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آتش کدے کی طرف روانہ ہو گئے۔ کچھ ہی دیر میں یہ لوگ آتش کدے میں داخل ہو گئے پیر مغاں اپنے بچے سے آگ کی پرستش کرا رہا تھا آپ نے اندر داخل ہوتے ہی پیر مغاں سے کہا۔

''بابا! مجھے تھوڑی سی آگ درکار ہے۔ براہ کرم ذرا سی آگ دے کر ہمیں شکر گزار فرمائیں۔'' پیر مغاں نے حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کو سر سے پیر تک دیکھا اور جواب دیا۔ کیا تمہارے آدمی نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ آتش کدے کی مقدس آگ یہاں سے کہیں اور نہیں جا سکتی ہے۔

آپ نے ہنس کر کہا۔ ''یہ مقدس آگ کیا شے ہے''؟

پیر مغاں نے حیرت سے پوچھا۔ ''تم مقدس آگ نہیں جانتے''؟

آپ نے جواب دیا۔'' میں جس آگ کو جانتا ہوں وہ مقدس نہیں ہوتی، بلکہ خدا کی کمترین شے ہوتی ہے۔ پھر یہ تم کس مقدس آگ کی بات کر رہے ہو''؟

پیر مغاں نے نفرت سے کہا۔'' براہ کرم مقدس آگ کو خدا کی کمترین مخلوق مت کہو، اس سے ہمارے مذہبی جذبات مجروح ہوتے ہیں۔''

آپ نے اسی شان سے کہا۔'' ارے بے وقوف انسان! ذرا یہ تو بتا کہ بقول خود اس مقدس آگ کی کب سے پرستش کر رہا ہے''؟ پیر مغاں نے جواب دیا۔ نسلوں سے، یاد نہیں کتنی مدت سے، کیونکہ آتش پرستی ہمارا آبائی مذہب ہے۔''

Marfat.com

آپ نے پوچھا۔ ''اچھا اب یہ بتاؤ کہ اگر تم کسی شخص کی عمر بھر خدمت کرو تو وہ شخص اپنی عمر کے کسی بھی حصے میں تمہاری مخالفت کرنے کی جرأت کرے گا''؟

پیر مغاں نے جواب دیا۔ ''کبھی نہیں، اپنی زندگی کے کسی حصے میں بھی نہیں کرے گا۔

آپ نے کہا۔ اب تم خود ہی فیصلہ کرلو، جس آگ کی تم نسلوں سے پرستش کرتے چلے آرہے ہو، کیا اگر تم اس میں اپنا ہاتھ ڈال دو تو وہ تمہیں جلانے سے باز رہے گی''؟

''ایسا کیوں کر ممکن ہے، آگ کا کام جلانا ہے، وہ تو جو کوئی بھی ہاتھ ڈالے گا، جلے گا''۔

آپ نے کہا تب پھر میری بات ذرا غور سے سنو، یہ آگ تمہارے ساتھ اتنی مروت بھی نہیں کر سکتی، کہ تمہیں جلانے سے باز رہے، تو تمہارا اس کی پرستش کرنا بے سود ہے، عبث ہے، وقت گنوانا ہے۔ ادھر آجاؤ۔ میرے ساتھ، خدائے واحد کی طرف، اس معبود حقیقی کے سایہ عاطفت میں، جو لاشریک ہے اور جس کی عبادت کبھی رائیگاں نہیں جاتی''؟

''پیر مغاں نے پوچھا''

''اس کا ثبوت کیا ہے کہ تمہارے معبود کی عبادت رائیگاں نہیں جاتی''؟

آپ نے جواب دیا۔ اس کا ثبوت ابھی لو، ''اسی وقت اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر لو! آپ نے پیر مغاں کے بچے کو اپنی گود میں لے لیا اور پوچھا۔ آگ کا کیا کام ہے''؟

پیر مغاں نے جواب دیا۔ جلانا۔

آپ نے کہا۔

''وہ آگ جو پانی کے چھینٹوں سے بجھ جاتی ہے، تمہاری معبود بنی ہوئی ہے۔ اس آگ کو اللہ کا حکم بے اثر کر سکتا ہے کسی طرح؟ اس کا تم سب اپنی آنکھوں نظارہ کر سکتے ہو''؟

پیر مغاں اور دوسرے آتش پرستوں کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے۔ آپ نے پیر مغاں کے بچے کو اپنی گود میں اٹھا رکھا تھا۔ آپ اسی حالت میں آتش کدے کی آگ میں داخل ہو گئے۔ آگ کے اٹھتے شعلوں نے حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے ارد گرد سانپ کے پھنوں کی طرح لہرانا شروع کر دیا۔ پیر مغاں کی جان نکل گئی کہ اس کا سات سالہ بچہ

Marfat.com

اپنی جان سے گیا۔ لیکن وہ یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ بچہ نہایت اطمینان اور سکون سے اپنے باپ اور دوسرے آتش پرستوں کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا ہے۔

حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ آگ کے شعلوں میں کچھ دیر تک ٹہلتے رہے اور وہیں سے پیر مغاں کو مخاطب کیا۔ "یہ وہی آگ ہے نا، جسے تم لوگ مقدس کہتے ہو اور یہ بتاتے ہو کہ اس کا کام جلانا ہے، اس میں جو بھی داخل ہوگا، جل جائے گا۔ میں اس میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں، ذرا یہ بتاؤ کہ تمہاری آگ کی گرمی کہاں گئی؟ یہ مجھے اور اس بچے کو جلاتی کیوں نہیں"؟

پیر مغاں یا آتش پرستوں میں سے کسی کے پاس بھی اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ کچھ دیر بعد حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ آگ سے نکل آئے اور بچے کو پیر مغاں کی گود میں دے دیا اور بولے۔ "اسے خوب اچھی طرح دیکھ لو، کہیں سے یہ جھلسا تو نہیں؟ جیسا تم سے لیا گیا تھا، تمہیں ویسا ہی واپس کیا ہے"۔ پیر مغاں اور دوسرے آتش پرست اتنے دم بخود تھے کہ ان کی قوت گویائی ہی سلب ہو کر رہ گئی۔ وہ سب بے اختیار حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں گر گئے۔ اور بولے! "حضرت! ہم سب گمراہی میں مبتلا ہیں، خدا کے لئے ہمارے دلوں میں معبود حقیقی کی شمع روشن فرما دیں"۔

آپ نے انہیں اسی وقت مسلمان کر لیا۔ آپ نے پیر مغاں کا نام عبداللہ اور سات سالہ بیٹے کا نام ابراہیم رکھ دیا۔ آتش پرستوں نے آتش کدہ بجھا دیا اور اس کی جگہ ایک چھوٹی سی مسجد بنا ڈالی۔

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

ہماری دیگر مطبوعات

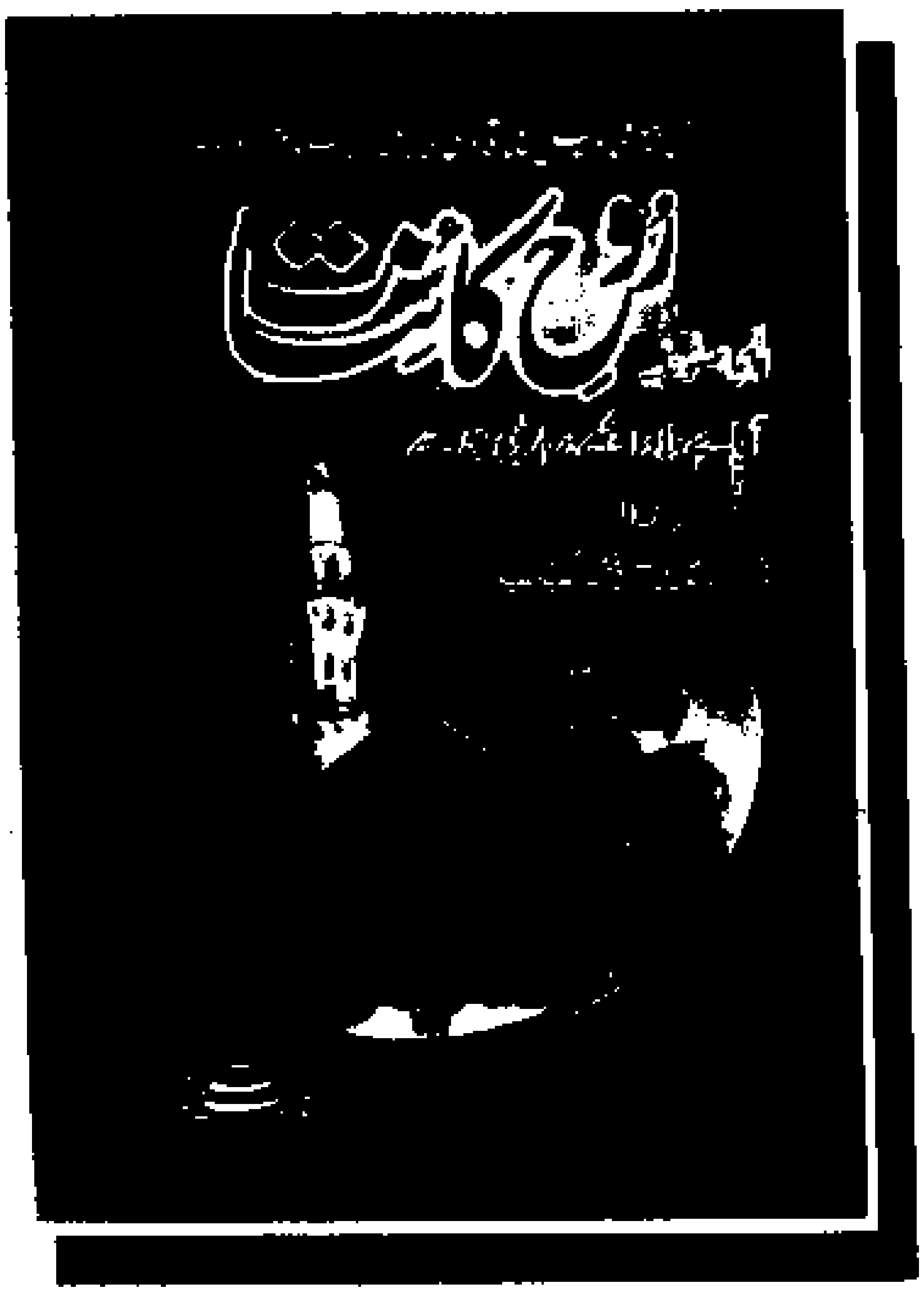

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر
اردو بازار لاہور
042-7352022

Marfat.com